C 232
Sharh-e-Diwan-e-Ghalib
Asi, Lucknow

مکمل شرح

دیوان غالب

دار الاشاعت ـ صدیقی ڈپو لکھنؤ

از آسی

[redacted]

صدیقی بک ڈپو امین آباد لکھنؤ
Year = 1931
1

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مصنف مرحوم نے خود اس شعر کے معنی عودِ ہندی مین بیان کیے ہین کہ ایران مین رسم ہے کہ مستغیث کاغذ کے کپڑے پہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ یہ لباس گویا دادخواہی کا نشان قرار دیا گیا ہے مستغیث اس سے پہچانا جاتا ہے تو اس صورت مین شعر کے یہ معنی ہوتے ہین۔ کہ نقش یعنی تصویر کس نقاش کی شوخیِ تحریر کا فریادی ہے کہ اس نے یہ لباس پہنا ہے یعنی نقاشِ حقیقی نے اس شوخی سے جس سے غالباً صفائی مراد ہے۔ تصویرِ انسانی کو صفحۂ ہستی پر کھینچا ہے کہ ہر تصویر اس شوخی سے فریاد کرتی ہے اور اس جدائی سے جو ہستی کی صورت مین ظہور مین آئی ہے ہر تصویر نالان ہے مصنف نے اس خیال کو نہایت صفائی اور خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمہ کے یہان بھی ایسا ہی خیال ہے جس کی تصویر دوسرے الفاظ کے رنگ روغن کے ساتھ کھینچی گئی ہے کہ

بشنو از نے چون حکایت میکند — وز جدائی ہا شکایت میکند

کز نیستان تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جیسے کہ نے کی آواز اختیاری نہین ہے بلکہ اُس مین فطرتی یہ خاصہ موجود ہے کہ جب وہ نیستان سے جدا ہوگی اُس مین آواز پیدا ہوسکیگی۔ اسی صورت سے تصویر کو لے لیجیے کہ جب وہ صفحہ کاغذ پر کھینچے گی اُس کا لباس کاغذی یعنی فریادیون کا ہو جائے گا۔ اِن دونون خیالون سے ایک بڑا زبردست نکتہ اور بہت باریک بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ مبدءِ حقیقی سے جدائی مین اضطراری حالت انسانی مصنوعی نہین ہے بلکہ وہ اس مین مجبور محض ہے۔ جدائی سے ایسی حالت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اسی خیال کو بادی النظر مین آتش مرحوم نے ادا کیا ہے مگر وہ ادا نہین ہوسکا۔ فرماتے ہین کہ

حباب آسا مین دم بھرتا ہون تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

دریا کو انھون نے حباب سے اور حباب کو دریا سے جدا کیا ہے مگر دراصل حباب دریا سے

جدا نہین ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ

دریا سے حباب کی ہے صدا تو اور نہین مین اور نہین
ملجاؤن گا تجھ مین بعد فنا تو اور نہین مین اور نہین

حباب دریا کا ایک قطرہ ہوتا ہے ہوا ایک نیا تماشہ دکھا دیتی ہے اور بادی النظر مین اُس کی یہ صورت ہوجاتی ہے۔

مولوی علی حیدر صاحب نظم نے اس شعر پر بہت کچھ لکھکر المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے جو صحیح نہین ہے ہمین کوئی ایسی بات نہین ہے نہ یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے کہ غالب کے منہ پر لوگون نے اس شعر کو بے معنی کہا تھا۔ اور اگر ایسا ہوا تو بھی غلط خیال ہے فریادی کے کاغذی کپڑے کی ایک رسم ضرور تھی اگرچہ آج نہین جیسا کہ اُستاد کہتا ہے۔

کاغذی جامہ بپوشیدہ بدرگہ آمد — زادۂ خاطرِ من تا بدہی داد مرا

کاوکاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

کاوکاو۔ زخم کو نوچنا۔ اور کھودنا۔ یہان مراد ہے تکلیف اور محنت سے یعنی محنت اور تکالیف شب جدائی کو کچھ نہ پوچھو جدائی کی شام کی صبح کرنا اتنا دشوار ہے جیسے فرہاد کے لیے جوئے شیر کا شیرین کے باغ تک لانا۔ صبح کی سفیدی کو جوئے شیر سے تشبیہ دی ہے اور بلحاظ تشبیہ لفظ کاوکاو اس جگہ نہایت ہی عمدہ ہے۔

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے — سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

یعنی میرے شوق قتل کے جذبۂ بے اختیار کو دیکھیے کہ تلوار کے دم کو تلوار کے سینہ سے کھینچ لیا ہے اس شعر مین بے اختیار کا لفظ خصوصیت سے قابل داد ہے کیونکہ دم شمشیر کا سینۂ شمشیر سے باہر ہونا اختیاری نہین ہے دم سے مراد تلوار کی دھار۔

اسی قسم کا ایک شعر مرزا قوی صاحب لکھنوی کا اسی زمین مین ہے جو کہ اگرچہ اسی مضمون سے ماخوذ ہے مگر اس سے جدا ہے فرماتے ہین

دل جگر دونون نکل آئے ہین پہلو توڑ کر — اللہ اللہ اشتیاق اک آنیوالے تیر کا

اگرچہ ایک فعل غیر معتاد کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر خوب شعر کہا ہے۔

آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

آگہی خواہ کسیقدر دام شنیدن بچھائے مگر میری تقدیر کے مطلب کو جو بمنزلۂ عنقا جس کا بقول حکما کوئی وجود نہیں ہے کبھی شکار نہیں کر سکتی یعنی میری تقریر کا مطلب نہیں سمجھ سکتی۔ اس شعر مین دام شنیدن بچھانے کی خواہش آگہی ہے اسی مضمون کو آسان الفاظ مین مرزا نے خود دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

بک رہا ہون جنون مین کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بسکہ ہون غالب اسیری مین بھی آتش زیر پا — موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

آتش زیر پا بمعنی بے قرار یعنی چونکہ مین اسیری کی حالت مین بھی بے قرار ہون اسواسطے میرا ہر حلقۂ زنجیر مثل موئے آتشدیدہ بن گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آگ بال کو جب جلا دیتی ہے تو وہ پیچ و تاب کھا جاتا ہے اور یہ نہایت عمدہ تمثیل ہے اس مین آتش زیر پا ایک ایسا لفظ رکھا گیا ہے جس کے نکلجانے پر شعر کا طلسم درہم برہم ہو جائے گا اور یہ کمال شاعری ہے کہ کوئی لفظ شعر مین ایسا رکھا جائے جسکے بغیر شعر بیکار ہو جائے۔

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر ہدیہ — مبارکباد اسد غمخوار جان دردمند آیا

اے اسد تو غمخوار جان دردمند یعنی حضرت ناصح آپہونچے اور یہ چیزین جو انسان کے لئے باعث تکلیف ہین ہمارے لئے تحفہ لائے ہین یعنی انکی گفتگو میرے لئے رنج دہ ثابت ہوگی۔ یہ مبارکباد ازراہ تشنیع ہے اور ناصح کیواسطے ہجو ملیح ہے۔ الماس کے کھانے سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہین جیسے حضرت داغ ایک شعر مین فرماتے ہین ؎

آنسو نہ پیے جائین گے اے ناصح نادان — ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہین جاتی

مولانا نظم اپنی شرح مین لکھتے ہین کہ ایسا شخص جو زخم جگر کا شایق ہے الماس اس کے لئے ہدیہ ہے مگر میرے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہین ہے۔

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار — صحرا مگر بہ تنگی چشم حسود تھا

یعنی سوائے قیس کے اور اس نے کسیکو ظاہر نہ کیا۔ اور کسیکو پسند نہ کیا۔ صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا۔ اسکے معنی یہ بھی ہو سکتے ہین کہ سوائے قیس کے اور کوئی اس مین نہین ظاہر ہوا شاید صحرا مثل چشم حاسد کے تنگ تھا کہ اور کسی کے لئے بجز مجنون کے یہ کافی نہین ہوا اس مین اپنی فوقیت مجنون کے اوپر ثابت کی ہے میرا ایکسا اسی مضمون کا شعر ہے ؎

درخور وحشت دل دامن صحرا نہ ہوا — نہ کبھی قیس کی آنسی کا گذارا نہ ہوا

آشفتگی نے نقش سویدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

چونکہ میرے داغ سویدائے دل سے ہمیشہ آہ کا دھوان اٹھتا ہے اس سے مین خیال کرتا ہون کہ اس داغ کی پیدایش بھی آشفتگی سے ہوئی ہے کیونکہ آشفتگی کے معنی پریشانی کے ہین یا یہ بھی معنی ہو سکتے ہین کہ میری پریشان خاطری نے میرے دل پر ایک داغ قائم کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ داغ سویدا محض پریشانی سے جو دود کے مشابہ ہے پیدا ہوتا ہے یاد رکھئے ایسے اشعار جن مین اس قدر بلند پروازی کی جائے کہ وہ مغلق ہو جائین اور انمین کوئی معنی مستقل پیدا نہون قابل تحسین نہین ہوتے۔

تھا خواب مین خیال کو تجھ سے معاملہ — جب آنکھ کھل گئی نہ زیان تھا نہ سود تھا

قاعدہ ہے کہ جن باتون کا آدمی کو دن مین خیال رہتا ہے وہی خواب مین بھی نظر آتی ہین مصنف کہتا ہے کہ میرا خیال خواب مین مجکو مخاطب بنا کر تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا جس مین میرا فائدہ تھا یا نقصان تھا مگر آنکھ کھلتے ہی وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ نہ نقصان باقی رہا نہ فائدہ رہا وہی مین تھا اور کنج تنہائی۔

لیتا ہون مکتب غم دل مین سبق ہنوز — لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

اس شعر مین تین چار لفظ ایسے جمع کیے گئے ہین کہ جنسے شعر بہت بلند ہو گیا ہے جنمین اول لفظ ہنوز ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا مکتب غم دل مین مدت سے سبق پڑھتا ہے۔ دوسرے رفت گیا اور بود تھا۔ یہ دو لفظ بہت جامع ہین جن سے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہین یعنی عیش کا زمانہ کبھی تھا اب گیا یا معشوق یا میرا دل کبھی تھا اور اب

وغیرہ اس مین خاص نکتہ یہ پیدا ہوتا ہے انہین دو الفاظ کو ہمیشہ پڑھنے سے ایک ابھد اجنون کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ جو مکتب غم دل کے سبق کا خاص فائدہ ہے اور اس سے ایک خاص حالت کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ عرفی شیرازی نے بھی اپنے ایک شعر مین قریب قریب ایسا ہی مضمون ادا کیا ہو مگر محاکات عرفی کے شعر مین زیادہ ہین اور اسی وجہ سے غالب سے زیادہ وہ شعر اچھا ہے ؎

عشق میخوانم و می گریم زار ۔۔۔ طفل نادانم و اول سبق است

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی ۔۔۔ مین ورنہ ہر لباس مین ننگِ وجود تھا

میری برہنگی کے داغ عیوب کو کفن نے ڈھانپ لیا ورنہ زندگی مین اگر کوئی لباس بھی پہنتا تب بھی مین ننگ ہستی ثابت ہوتا۔ ننگ وجود کو لفظ برہنگی سے ایک تشابہ ہو ورنہ ننگ وجود اس محل پر کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا ایک میرا شعر ہے ؎

دامن زخم نے کی اس سے مروت ورنہ ۔۔۔ بسمل تیغ ستم دفن بھی عریان ہوتا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ ۔۔۔ سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

یعنی کوہکن نے رسم کی پابندی کی اور تیشہ کے بغیر مر نہ سکا ورنہ عاشق کامل ہوتا تو یونہی مرجاتا چونکہ تشنیع کی راہ سے یہ شعر کہا گیا ہے اسلئے ایسے ہی الفاظ بھی لائے گئے ہین سرگشتہ خمار رسوم و قیود یعنی رسوم دنیوی کی شراب کے خمار نے اسکا سر پھرا دیا تھا اور خمار ایک نہایت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ مومن مرحوم بھی ایک جگہ ایسا ہی کچھ فرماتے ہین۔

جوش وحشت ہے یہ ناصح نہ پنھانا زنجیر ۔۔۔ دیکھ دیوانہ نہ ہو مین نہین پابند رسوم

خود مرزا فرماتے ہین ؎

ترا بتجربہ چہ حاجت نہ آن بود غالبؔ ۔۔۔ کہ جان بہ لذت آویزش درون نہ دہد

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا ۔۔۔ دل کہان کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

تم جو ہم سے یہ کہتے ہو کہ اگر تیرا دل کہین ہم کو پڑا مل گیا تو پھر ہم نہ دینگے۔ ہمارے پاس دل کہان ہے کہ اب گم ہوگا۔ بس آپکا مطلب ہم سمجھ گئے کہ ہمارا دل آپ کے پاس ہے اور آپ اس کو دینا نہین چاہتے۔ پڑا پایا۔ دلی کی زبان ہے۔ لکھنؤ مین پڑا ملا۔ بولتے ہین۔ اور اس کو زیادہ فصیح سمجھتے ہین۔ ایکمرتبہ یہان کے ایک شاعر کے سامنے مین نے اپنا یہ شعر پڑھا

مین تو یون رو دیا کہ دل میرا گیا ۔۔۔ تم جو ہنستے ہو تمھین کیا پا گیا

انھون نے فرمایا کہ پا گیا بجائے مل گیا کے ہمارے یہان نہین بولتے۔ واللہ اعلم

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا ۔۔۔ درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

میری زندگی بغیر عشق کے بے مزہ تھی اس سے مجھے زندگی کا مزہ ملا۔ یہ میرے درد کی دوا ہو مگر یہ دوا یعنی عشق خود درد بے دوا ہے۔ عوام بجائے بے دوا کے لا دوا کہتے ہین جو صحیح نہین ہو۔ اسی مضمون کو مولانا ظہوری ترشیزی نہایت اعلیٰ الفاظ مین ادا فرماتے ہین۔

شد طبیب ما محبت منتش بر جان ما ۔۔۔ محنت ما۔ راحت ما۔ درد ما۔ درمان ما

اور مولانا روم نے بھی اسی مضمون کو اپنے واعظانہ لہجہ مین یون ادا فرمایا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما ۔۔۔ اے طبیب جملہ علتہائے ما

دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم ۔۔۔ آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

کہا گیا ہو کہ دنیا مین تین طرح کے دوست اور تین طرح کے دشمن ہوتے ہین اپنا دوست۔ دوست کا دوست۔ دشمن کا دشمن۔ یہ سب دوست ہین۔ اپنا دشمن دوست کا دشمن۔ دشمن کا دوست یہ سب دشمن ہین مصنف اسی کو کہتا ہے۔ کہ دل میرے دشمن کو دوست رکھتا ہے یعنی معشوق کو پھر اس کا اعتبار کیسا۔ کیونکہ یہ خود ایک دشمن ہے اور اسیوجہ سے اس کا نالہ و آہ سب بے اثر ہے یہ مضمون عام ہے ہر دیوان مین ایسے بہت سے شعر ملین گے مگر مصنف نے پہلے مصرع مین توجیہ کر کے کچھ جدت سے کام لیا ہے۔

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل ۔۔۔ خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

یہ ایک نہایت باریک مضمون ہو مگر جناب نظم نے اپنی شرح پر کچھ توجہ نہین فرمائی اور صرف اتنا لکھدیا ہو کہ ایک عاشق بے دل غنچہ پر یہ گمان ظاہر کرتا ہے کہ یہی میرا دل ہے جو مدت سے کھویا ہوا تھا اور جناب حسرت صاحب موہانی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن اتنا ازاد فرمایا ہے کہ آمد بہار سے جوش جنون تازہ ہوا ہو حالانکہ الفاظ بتاتے ہین کہ مصنف کا منشا کچھ اور ہے کہ اگلی بہار مین خزان کے آنے پر ہمارا دل خون ہوگیا تھا اور گم ہوگیا تھا۔ اب غنچہ پھر کھلنے لگا تو آج

اپنا دہی خونِ تشدہ دل ہم کو نظر آیا اور اسی مضمون کو تھوڑے تھوڑے تغیر کے ساتھ مصنف نے کئی جگہ ادا کیا ہے منجملہ اُنکے ایک یہ کہ ؎

سب کہاں کچھ لالہ وگل مین نمایاں ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی جو پنہاں ہوگئین

حالِ دل نہین معلوم لیکن اسقدر یعنی
ہمنے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

ہم کو اپنے دل کا اور کچھ حال معلوم نہین صرف اسقدر معلوم ہے کہ ہم نے اس کو باربار ڈھونڈھنے پر نہین پایا۔ اور تمنے اسکو بارہا پایا مگر کچھ پروانہ کی۔

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تمنے کیا مزا پایا

ناصح کے شورِ پند نے میرے دل کے زخمون پر خوب نمک چھڑکا کوئی حضرت ناصح سے پوچھے کہ آپکو اس نمک چھڑکنے سے کیا مزا آیا۔ شورِ پند سے نمک چھڑکنا۔ قابل داد ہے۔ نمک شور مزا وغیرہ مین تناسب الفاظ بھی ہے لطف یہ ہے کہ میرے زخمہائے دل کو اس مین بھی اک لطف آتا ہے۔

دِل مرا سوزِ نہان سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

سوزِ نہان۔ اور آتشِ خاموش نہایت مناسب الفاظ ہین یعنی میرا دل سوزِ نہان سے ایسا چپکے چپکے جل گیا کہ کسیکو خبر بھی نہ دی۔ جیسے کہ آتشِ خاموش آہستہ آہستہ جل جایا کرتی ہے یہی دل کی کیفیت ہوئی ؎

آتشِ الفت بھی کیا ہی آتشِ خاموش ہے
اُڑ گئے دل کے دہوئین لیکن دُہوان کوئی نہین

غالب کے اس مطلع مین مصرع ثانی کا قافیہ اور ردیف بیکار ہے۔

دل مین ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہین
آگ اس گھر مین لگی ایسی کہ جو تھا جلگیا

عشق سے میرے دل مین ایک ایسا سوز و گداز پیدا ہوا کہ اُس سے ایک آگ بھڑکی اور اس سے تمام دل و جگر جل کے خاک سیاہ ہوگیا نہ یادِ یار باقی رہی۔ نہ ذوقِ وصل رہا۔ مولانا نظم نے آگ بھڑکنے کا سبب رشک کو ٹھہرایا ہے مگر مین نہین سمجھا کہ معنی رشک کن الفاظ سے مترشح

ہوتے ہین اسی مضمون کو میر تقی میر علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

عشق کی سوزش نے دل مین کچھ نہ چھوڑا کیا کہین
لگ اُٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر سب پھک گیا

یہان خصوصیت کے ساتھ یہ بات غور کے قابل ہے کہ یہ مضمون میر کے شعر سے لیا گیا مگر غالب کے یہان بہت چست الفاظ مین نظم کیا گیا ہے اور میر کے یہان معمولی طریقہ سے اور اسی وجہ سے نہ یہ شعر محض سرقہ کے الزام سے جدا ہے بلکہ اُردو زبان کی ترقی کہی جاسکتی ہے اسی مضمون سے لگ بھگ مضمون جناب آرزو صاحب لکھنوی کے یہان بھی پایا جاتا ہے اور یہی زمین ہے مگر ہم بلا رعایت کے یہ کہدینے کے لئے تیار ہین کہ اگر نقش اول اور نقش ثانی کے خیال اور موجد و مقلد کی تمیز کو اٹھا دیا جاتا ہو تو میر کے یہان سے غالب کے یہان اور غالب کے یہان سے جناب آرزو کے یہان بہت اچھے طریقہ سے یہ مضمون نظم کیا گیا ہے اسپر وہ حضرات خصوصیت سے غور فرمائین جو دیکھنا چاہین کہ ترقی خیال کیونکر ہوسکتی ہے۔ شعر یہ ہے۔

پہلے تھی فکر آگ حسرت خانۂ دل کی سنجھے
اب ہے اسکی جستجو کیا رہ گیا کیا جل گیا

جناب آرزو کے کئی شعر اس غزل مین چست ہین۔

مین عدم سے بھی پرے ہون ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشین سے بالِ عنقا جل گیا

پرے دلی کا محاورہ ہے اور تھا۔ لیکن لکھنؤ کا محاورہ نہین ہے بلکہ یہان کے لوگ اس کو بنگاہ نفرت دیکھتے ہین غالب خود ایک جگہ اور کہتے ہین کہ ؎

ہو پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
کعبہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین

غرض وہان یہ لفظ بے تکلف لکھا جاتا ہو اور ظاہرا اسمین کوئی نقصان بھی نہین معلوم ہوتا کہ اسے ترک کیا جائے اس سے سوائے اس کے کہ اُردو کے دائرہ کو تنگ کیا جائے اور کوئی نتیجہ نہین ہے۔

مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ مین اب عدم سے بھی آگے ہون یعنی میری نیستی عدم کے درجہ سے بھی بڑھ گئی ہے ورنہ جب مین عدم کے درجہ مین تھا تو عنقا سے ملاقات ہوتی تھی جو خود درجہ نیستی مین ہو اور اس وقت اُسکے بازو میری آہِ آتشین سے پھنک جاتے تھے مگر اب وہ وقت نکل گیا مین عدم سے بھی آگے بڑھ گیا اسی مضمون کو میرزا عبد القادر صاحب بیدل عظیم آبادی فرماتے ہین

ہمچو عنقا بے نیاز عرض ایجادیم ما
یعنی آن سوئے عدم یک عالم آبادیم ما

یعنی مثل عنقا ہم عالم دنیا مین ظاہر ہونے سے بے نیاز ہین عدم سے اُس طرف (یعنی عدم سے پرے) ہم اور وہ ایک عالم مین آباد ہین مگر غالب نے شعر مین یہ ترقی کی ہے کہ عنقا کو محض عدم مین رکھا اور اپنے آپکو اُس سے ممتاز درجہ مین ظاہر کیا اسیوجہ سے یہ مضمون میرزا غالب مرحوم کا مضمون کہا جاسکتا ہے ورنہ ترجمہ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا۔

عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں ۔۔۔ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

اس مین اپنی جوہر اندیشہ کی گرمی کو عجب طریقہ سے ظاہر کیا ہے اور یہ طرز بیان ہی اس شعر مین زیادہ ترپسندیدہ ہے یعنی کہتا ہے کہ مین اپنے جوہر اندیشہ کی گرمی کا کیا اظہار کرون ذرا وحشت اور صحرانوردی کا خیال کیا تھا کہ صحرا مین آگ لگ گئی اس سے مراد یہ ہے کہ میرے جوہر اندیشہ مین اتنی سوزش اور گرمی موجود ہے۔ عرض جوہر کے مناسبات سے بفتح راے مہملہ صحیح ہے بسکون غلط ہے۔ جوہر وہ جو بالذات قائم ہو۔ عرض وہ جو بذات دیگر قائم ہو۔ مگر یہان عرض بمعنی ظاہر کرنا اور جوہر استعارہ ہے اندیشہ سے یعنی ذات۔ اصل وغیرہ۔ ایسا ہی ایک مضمون ہے جس کو جناب آرزو صاحب اسی زمین کے ایک شعر مین یون ادا فرماتے ہین اور وہ اس سے صاف ضرور کہا جاسکتا ہے زیادہ کچھ نہین۔

آرزو: سبز بختی کے اثر کی پیشقدمی دیکھئے ۔۔۔ جسکی شادابی پسند آئی وہ صحرا جل گیا
سختی ہے یہ اپنی اسامری سوختہ بختی کا اثر ۔۔۔ جس گلستان پہ نظر کی وہ گلستان نہ رہا

دل نہین ہے ورنہ دکہاتا تجکو داغون کی بہار ۔۔۔ اس چراغان کا کرون کیا کارفرما جل گیا

دل مین اتنے داغ تھے کہ اب دل مٹ گیا اور بجاے دل چند داغ رہ گئے ہین اسی لئے افسوس کے لہجہ مین مصنف کہتا ہے کہ افسوس داغون کی بدولت جو یہ چراغان ہے اسکی اب کوئی بہار نہین ہے کیونکہ یہ چراغان جس کی بدولت تھا اور جو اس کا کارفرما یعنی مہتمم تھا وہ اسی چراغان سے جل گیا۔ چراغان ایک قسم کا تماشہ ہے جسمین جابجا چراغ جلاے جاتے ہین اور ایک قسم کا عذاب بھی ہے نہایت اعلیٰ شعر ہے اسی مضمون کو ایک جگہ مین نے بھی کہا ہے مگر اس مین مضمون کو کچھ بدل دیا گیا ہے جس سے صرف سرقہ کی حد سے جدا ہے ؎

ہوتا جو دل تو تم کو دکھاتا مین داغ دل ۔۔۔ اب کیا کرون کہ اب تو نہ دل ہے نہ داغ ہے

[...]محمود دہلوی اس مضمون کو کہ دل مٹ گیا داغ رہ گیا یون فرماتے ہین۔

خدا بخشے دل مرحوم کی اب قدر جانی ہے ۔۔۔ یہ داغ آرزو اُس مرنیوالے کی نشانی ہے

[...] مصنف نے تہوڑے سے تغیر کے ساتھ اس مضمون کو دوسری جگہ یون ادا کیا ہے۔

[...]ہا دونگا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے ۔۔۔ مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا

یعنی اگر یہ دل رہ گیا اور اس کے داغ یونہی دن رات ترقی کرتے رہے تو تجکو تماشہ [...]ہاؤنگا کہ کبھی یہ سرو چراغان ہوجائے گا اور اسمین اک بہار آجائے گی۔

[...]ہین اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل ۔۔۔ دیکھکر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

اس شعر مین نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا ہے تو اب افسردگی کی آرزو ہے جلنے کے [...]بعد ہی افسردگی پیدا ہوتی ہے اہل دنیا اور احبا اور اعزا وغیرہ کی شکایت غالب کا حصہ [...] اور اس قسم کے شعر اُن کے یہان بہت ہین اور دُکھے ہوے دل سے جو شعر اس بارہ [...] اُن کے قلم سے نکلا ہے بیمثل ہے جیسے کہ فرماتے ہین ؎

گردہم شرح ستمہاے عزیزان غالب ۔۔۔ رسم امید ہمانا زجہان برخیزد

[...]ق ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا ۔۔۔ قیس تصویر کے پردہ مین بھی عریان نکلا

ہر رنگ بمعنی ہر طرح رقیب کے اصل معنی نگہبان کے ہین اور مجازاً بمعنی دشمن مستعمل ہے [...] سے مراد یہان عشق ہے یعنی شوق ہر حال مین سر و سامان کا دشمن رہا قیس کی تصویر بھی [...] کھنچی رنگ اور پردہ وغیرہ تصویر کے مناسبات سے ہین۔ اس مین بمقابلہ محاورہ کے [...]ب الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے جو غیر مناسب تھے کیونکہ مناسب الفاظ کا قدرتاً بیساختگی [...]اتھ نظم ہوجانا حسن شعر ہے اور اس کے واسطے آورد کی تکلیف اٹھاکر شعر کو گنجلک [...] بدترین عیوب مین سے ہے۔ اسمین شاعر کو دھوکہ ہوتا ہے اور کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتا [...]ہے کہ آپ غالب ہی کے گزشتہ شعر مین پڑھ چکے ہین جو اس مضمون سے کچھ مشابہ بھی ہے

[...]ہا پا کفن نے داغ عیوب برہنگی ۔۔۔ مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تھا

[...] محض تناسب الفاظ کے لیے ہے باقی خیریت ہے۔

[...]نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب ۔۔۔ تیر بھی سینہ بسمل سے پرافشان نکلا

تنگدل رنجیدہ دل کو کہتے ہین اس جگہ لفظ سے معنی کا فائدہ اٹھایا ہے یعنی میرا دل تنگ تھا اور سمین زخم فراخ تھا تو اس زخم نے میری تنگدلی کی داد نہ دی کہ مین نے اس تنگدلی کے باوجود اتنا بڑا زخم کھایا اور یہی سلوک میرے ساتھ تیر نے کیا کہ وہ پرافشان میرے دل سے نکلا یعنی تیر کو پرافشانی ایسے موقعہ پر نہ کرنی چاہیے تھی بلکہ میری تنگدلی پر نگاہ چاہیے تھی اگر بقول دیگر شارحین پرافشانی کے معنی پھڑپھڑانے کے لیے جائین تو بھی غم و افسوس کی صورت پیدا ہوتی ہے تب بھی مصنف کی غرض اصلی فوت نہین ہوتی اس کا پھڑپھڑانا دل زخمی کے لیے ویسا ہی باعث تکلیف ہے جیسا کہ تنگی دل کی داد نہ تنگی دل کے مضمون کو مصنف مرحوم نے کئی جگہ مختلف طریقون سے لکھا ہے منجملہ اُنکے

کیا تنگ ہم ستمزدگان کا جہان ہے
جسمین کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

**بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا**

تیری بزم سے جو کوئی نکلتا ہے وہ پریشان ہو کر نکلتا ہے۔ وہ بوئے گل ہو یا نالۂ دل چراغ محفل کا دھوان ہو۔ مولوی علی حیدر صاحب نظم نے نکلنے کو محض باعث پریشانی ہے اگرچہ یہ بھی ایک اچھا پہلو ہے۔ مگر یہان جو چیزین جمع کی گئی ہین انمین بالذات پریشانی کا مادہ موجود ہے۔

**دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد
کام یارون کا بقدر لب و دندان نکلا**

یعنی میرا دل لذت درد کا ایک دسترخوان تھا جسپر انواع و اقسام کے درد موجود تھے دوستون نے بہت کم غم کھایا یعنی میرا غم جسقدر کھانا چاہیے تھا اتنا غم کسی نے نہ کھایا دندان۔ کم کے معنی مین آتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ صرف میرے غم مین ہونٹ ہی کاٹتے رہے اس سے زیادہ کچھ کرنا چاہیے تھا۔

**اے نوآموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا**

ہمت دشوار پسند موصوف ہے اور نوآموز فنا اسکی صفت ہے یعنی اے ہمت دشوار پسند

باوجودیکہ درس فنا بہت مشکل تھا مگر تونے بہت آسانی سے اس سبق کو حاصل کر لیا۔ گویا تیرا پہلا سبق درس فنا ہو گیا۔ فنا کا درس سبق آخری ہوتا ہے مگر تونے اول ہی مین اُسے ختم کر دیا اب تیرے لیے کونسا دشوار کام تجویز کیا جائے۔ مین نے اس غزل پر قافیہ بہ قافیہ غزل لکھی تھی اس مین اس خیال کو محض اسی لیے بہت آسان الفاظ مین ادا کیا تھا۔ اس کو اسی شعر کی شرح سمجھ لیجئے یا جو جی چاہے مگر یہ ضرور کہونگا کہ سرقہ کی حد سے باہر ہے

تنگ ہے عشق کی دشوار پسندی مجھ سے
مجھکو مرنا بھی شب ہجر مین آسان نکلا

**دل مین پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا**

رونے مین جو مین نے کچھ ضبط سے کام لیا تھا اور کوئی قطرہ میری آنکھ مین رہ گیا تھا اُس قطرہ نے دل مین پھر اک شور اٹھا رکھا ہے۔ گویا نہ نکلنے والا قطرہ طوفان تھا۔

**وہ دھمکی مین مرگیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا**

باب نبرد یعنی لائق نبرد۔ جو لائق نبرد نہ تھا وہ عشق کی دھمکی مین مرگیا۔ اور عشق نبرد پیشہ نبرد پیشہ چاہتا تھا۔ یہ ایسا ہی شعر ہے جیسے مرزا غالب مرحوم خود ایک اور جگہ لکھتے ہین

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

**تھا زندگی مین موت کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا**

یعنی جب مین زندہ تھا تو موت کا ڈر لگا ہوا تھا میرا رنگ اُڑ کر صرف موت ہی کے وقت زرد نہین ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی زرد تھا یعنی میری موت اور زندگی کی حالت یکسان ہے اس قسم کے شعراء کے یہان بہت سے مضمون پائے جاتے ہین کہ زندگی مین موت کا فکر رہا اور مر کر قبر مین ... کا غم۔ مگر غالب نے دوسرا مصرع نئی ترکیب سے کہا ہے اور اس لیے یہ مضمون غالب کا حصہ ہو گیا اور یہ شعر اردو کا بہترین شعر ہے۔

**تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا مین
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا**

... مین فن عشق مین کامل ہون وفا کا نسخہ مین تصنیف کر رہا تھا اور ابھی پورے طریقہ سے میرا

خیال جمع نہ ہوا تھا یعنی ہنوز عاشقی میں ٹرا تجربہ کار اور صاحب مرتبہ نہیں ہوا تھا۔

دل تا جگر کہ ساحل دریائے خوں ہے اب
اس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد

دل سے جگر تک اب ایک دریائے خون ہے اور پہلے یہی رہگذر تھی جسمیں بڑی بہار تھی کہ
گل بھی اسکے سامنے حقیقت نہ رکھتا تھا رہگذر کے لیئے۔ گرد۔ کا محاورہ نہایت برجستہ صرف ہو
اس شعر میں موجودہ اور گزشتہ زندگی کا تقابل کیا گیا ہے ایسے مضامین میں جگر کاوی بیکار
اب آپ ایک شعر اسی مضمون کا مرزا داغ کا سنیئے انہوں نے کوہ کندن وکاہ برآمدن سے کام نہ
ہی سیدھی سیدھی بات سادگی کے ساتھ کہتے ہیں مگر غور فرمایئے گا تو آمد وآورد کے معائب محا
پیش نظر ضرور ہو جائینگے ؎

کبھی یہ دل تماشا گاہِ صد عیش و مسرت تھا
اب اس میں حسرت و یاس و تمنا سیر کرتے ہ

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد

اندوہ غم عشق کی کشمکش سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی اگرچہ اب دل نہیں رہا مگر دل کا د
موجود ہے۔ دل کے درد سے مراد دل کے چلے جانے کا درد ہے ورنہ اگر دل کا درد یعنی دل میں درد
جیسے کہ دوسری شرحوں میں یہ معنی بیان کئے ہیں تو یقینی شعر مہمل ہو جائے گا دل نہیں ہے
دل میں درد ہے یعنی چہ ؎

افراط رنج ہجر ستمگار الاماں
پہلو میں درد رہ گیا اور دل نہیں رہا

احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد

احباب نے میری وحشت کا یہ علاج کیا کہ مجھے قید رکھا مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی میرا
اسی طرح جنگل جنگل مارا مارا پھرتا رہا۔ خود مرزا نے اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں ادا کیا

مانع وحشت خرامی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد

آزاد مرد سے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ لاش کو بے کفن ثابت کیا ہے اور یہ محاورہ نہایت

صرف ہوا ہے اور اس صورت سے یہ شعر ہمیشہ ہوگیا ہے ذوق مرحوم کے یہاں بھی ایک شعر اسی
مضمون کا ہے مضمون دونوں کا وقیق نہیں ہے عام ہے سرقہ وغیرہ کا گمان ایسے مضامین پر نہیں کیا
جاسکتا البتہ یہ ضرور غور کیجئے کہ جب دو استاد ایک ہی مضمون کو لکھتے ہیں تو کس کس طرح سے
ادا کر جاتے ہیں کہ سننے والوں کو دونوں میں ایک نیا لطف پیدا ہوتا ہے ؎

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

مگر غالب کے شعر کو یہاں اس لیے ترجیح دی جاسکتی ہے کہ اس میں ایک محاورہ اسقدر برمحل صرف
ہوا ہے کہ جس کا جواب نہیں ہے میرے مکرم استاد مولانا سید ابو الحسن صاحب ناطق گلاوٹھوی
اپنی خاص زبان میں محاورات کے پردہ میں اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا
ہائے کیا کمبخت کو رکھی ہوئی سی آگئی

حق استادی سے قطع نظر کرکے میرے نزدیک یہ اس مضمون کا بہترین شعر ہے۔ رکھی ہوئی سی آگئی
ممکن ہے کہ لکھنؤ کا محاورہ نہو۔ مگر دلی کا ایک محاورہ ہے جو اسی موقع کے لیے وضع ہوا ہے ایک
میر اشعر اسی مضمون کا ہے ؎

خدا آسی کو بخشے اسکی باتیں یاد آتی ہیں
بڑا سیدھا مسلمان تھا بڑا سچا مسلمان تھا

شمار سبحہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

یعنی تسبیح گننا بت مشکل پسند کو پسند آیا اور یہ اسلئے کہ ایک دم سو دل (جو سو دانوں سے
مراد ہے) اڑا لیے۔ اس شعر میں تعقید ہے اور ظاہرا ایسے مضمون کو کوہ کندن وکاہ برآوردن
سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی بت کی صفت مشکل پسند اس واسطے رکھی ہے کہ تسبیح بت
کے لیے ایک مشکل اور فعل غیر معتاد ہے اس شعر کے معانی کی اور بھی تاویل کی گئی ہے جس سے
ممکن ہے کہ غالب واقف بھی نہوں لہذا لکھنا فضول ہے نظم صاحب کی شرح میں لکھے ہیں تسبیح کے
سو دانوں پر ایک شعر یاد آگیا جس کا لکھنا میں لطف سے خالی نہیں سمجھتا اور اس سے یہ سمجھ میں
آتا ہے کہ مضمون کیسا ہی باریک ہو کتنا ہی عمدہ ہو اگر بے تکلف ادا ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ
کچھ نہیں ایک عام مضمون جو آمد سے بھرا ہو وہ اس سے اچھا خواہ کتنا ہی تبذل ہو ؎

کشت لاحاصل صد سالہ ہے زاہد تسبیح
کوئی سر سبز ہوا بھی ترے سو دانوں میں

یہ مضمون کوئی نیا مضمون نہیں ہے غالب کے یہاں مضمون نیا ہے مگر بندش چست نہیں۔

بہ فیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

امید اور ناامیدی سب دل کے ساتھ ہے جب دل نہین رہا تو کوئی امید باقی نہین رہی اور اس صورت مین ہمیشہ کے لئے ناامیدی ہوگئی۔ اور نومیدی کو آسان اس لیے کہا ہے کہ دل موجود ہونے کی حالت مین ناامیدی ہو جانا باعث تکلیف ہے اور نہونے کی حالت مین آسان ہے فکر کشایش نے ہمارے دل کو جو بصورت عقدہ ہے پسند کیا اور اس کو لے لیا اور ہم سے ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا یا یہ کہ کشایش کو ہمارا دل بصورت عقدہ ہی بھلا معلوم ہوتا ہے پھر کیا کشایش ہوگی۔ بیدل اپنے تخلص سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسے ہی مضمون کو ادا فرماتے ہین ؎

بر دلِ مایوس بیدل پشت دستے میگزم
غنچہ این عقدہ کاش از سعی دندان نشگفد

اسی بیدلی کے مضمون کو مین نے لکھا ہے ؎

کلفتِ بیدلی خوگر ایذا مت پوچھ
اب تو ممکن ہی نہین درد کا پیدا ہونا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریٔ قاتل
کہ اندازِ بخون غلطیدنِ بسمل پسند آیا

خواہش سیر گل سے قاتل کی بے مہری ثابت ہوتی ہے کہ اس کو بسمل خون غلطیدہ کا نظارہ پسند ہے یعنی پھول۔ یہ تمثیل نہایت عمدہ ہے رنگ گل سے خون اور پھولون کا ہوا سے ہلنا بسمل کا خون مین لوٹنا ہے نہایت عمدہ شعر ہے اور الفاظ مناسب اس مین جمع کیے گئے ہین اسی مضمون کو مرزا غالب مرحوم خود دوسری جگہ یون ادا فرماتے ہین ؎

نہین منظور اپنے زخمیون کو دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنے شوخی بہانے کی

دہر مین نقشِ وفا وجہ تسلی نہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا

گرچہ نقش وفا زمانہ مین موجود ہے مگر اس سے کچھ تسلی نہین ہو سکتی یہ گویا ایک لفظ ہے جس کے کچھ معنی نہین ہین۔ وفا کے مضمون ہر شاعر کے یہان بھرے پڑے ہین اور ایک سے ایک اچھا ہے سعدی ہی ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

یا وفا خود نبود در عالم
یا مگر کس درین زمانہ نکرد

مین نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹون
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا

مین نے چاہا تھا کہ مین مر کر اس غم و غصہ سے چھوٹ جاؤن مگر وہ ظالم میرے مرنے پر راضی نہوا یہ شعر بہت صاف اور نہایت اعلی جذبات عاشقی کا نمونہ ہے یعنی اگرچہ وہ ظالم ہے مگر مجھ مین پھر بھی یہانتک اسکی مرضی کی پابندی ہے۔ اسمین اپنی محرومی اور معشوق کے ظلم کو ثابت کیا ہے نعمت خان عالی ایک جگہ فرماتے ہین ؎

خواستم آتش دل را بہ نشانم بسرشک
آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت

میرا ایک شعر ہے ؎

کہین کے ہم نہ رہے ہائے تیرا استغنا[1]
یہ حکم ہے کہ کوئی جان بھی فدا نہ کرے

دل گذرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہوا

تقوی اور تقوی۔ تجلا۔ اور تجلی وغیرہ قافیہ الف اور یے دونون کیساتھ نظم ہوتے ہین یعنی اگر میرے دل پر خیالات تصوف اور تقوی نہین گذرتے تو نہ سہی خیالات ساغر اور شراب ہی کا گذرگاہ بنا رہے جیسے کہ عالمگیر اپنے ایک رقعہ مین لکھتے ہین کہ انسان اگر بکارہائے عقبی نتواند پرداخت ساختگی کارہائے دنیا چہ بداست۔ نفس بمعنی جان۔

ہون ترے وعدہ نکرنے مین بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہوا

یعنی مین تجھ سے ہر حالت مین خوش ہون اگر تو وعدہ کرتا ہے تو فہو المراد اور نہین کرتا تو بھی خوش ہون کہ میرے کان پر آواز تسلی کا احسان نہوا۔ ایسے مضامین غالب کے یہان اکثر پائے جاتے ہین ایک جگہ فرماتے ہین۔

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

حکیم مومن خان ایک جگہ کسیکا احسان برا ہونا اس نگاہ سے دیکھتے ہین۔

منت حضرت عیسے نہ اٹھائینگے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احسان ہونگے

خود غالب ایک اور جگہ احسان کی برائی اس طرح کرتے ہین۔

دیوار بارِ منت مزدور سے ہے خم
اے خانمان خراب نہ احسان اٹھائیے

[1] استغنا بتانیث بھی لکھا گیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم — کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

میں نے بھی احسان کے برا ہونے میں یہ شعر کہا ہے۔

بلائے جاں ہوئی سایل کو منتِ تاثیر — جسے کوئی نہ سنے اُس صلہ کا کیا کہنا

غرضکہ یہ مضمون عام ہے۔ یہ جذبات عام ہیں۔ انمیں صرف بندش کی چستی اور تبدیل الفاظ کافی ہیں اور باوجود عام ہونے کے بھی یہ مضمون بوجہ خاص جذبات ہونے کے خاص ہیں۔

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب — ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

ہم عیسےٰ کے لب ہلاتے ہی چل بسے آواز تم سننے کی نوبت ہی نہ آئی جیسے کہ اس شعر میں یہ نزاکت پیدا ہوتی ہے کہ عیسےٰ کی آواز کی نوبت نہ پہونچی بلکہ لب ہلانے سے ہی مر گئے ایسے ہی زیادہ غور کیا جاے تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنا لب ہلایا تھا کہ کچھ دعا کریں اُسی میں چل بسے عیسیٰ کی نوبت ہی نہ پہونچی یا عیسےٰ کے بلانے کے لیے جو لب ہلاے اُسی میں خاتمہ بخیر ہو گیا غرض تاویل کو بڑی گنجایش ہے اپنی دعا سے آپ مرجانے کے مضمون کو مومن مرحوم فرماتے ہیں ؎

دعا بلا تھی شبِ ہجر میری جان کے لئے — سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا — یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا

شعرا سبزۂ خط کو زمرد سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں سبز ہیں اگرچہ ہیئت میں مختلف ہیں مگر تشبیہ بادنیٰ ملابست بھی جایز ہے زمرد کا یہ خاصہ مشہور ہے کہ اس کو دیکھکر سانپ اندھا ہو جاتا ہے جو زلف سے مشابہ ہے مطلب یہ ہے کہ تیری زلف کا سانپ ابتک اُسی طرح لوگوں کو ڈستا ہے باوجودیکہ زمرد خط نکل آیا جسپر اسکا اثر پڑنا چاہیے تھا مگر کچھ اثر نہ پڑا شعرا سبزۂ خط کو باعث دلکشی قرار دیتے ہیں مگر سعدیؔ سب سے خلاف ہو کر ایک جگہ فرماتی ہیں

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است — دانند آنکس کہ این سخن گوید

ستایش گر ہے زاہد اسقدر جس باغِ رضواں کا — وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

زاہد جس باغ خلد کی اس قدر تعریف کرتا ہے وہ ہمارے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا بلکہ نسیان کے طاق پر اُسے گلدستہ بنا کے رکھدیا ہے اور ہم بیخودوں نے طاق نسیان کی اُس سے زینت دے رکھی ہے۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ بہشت کی تحقیر اسی کے مناسب لفظ گلدستہ سے کی گئی ہے اور پھر بھی اُس کو باعث زینت قرار دیا گیا ہے چونکہ خود کو بیخود کیا ہے اسلئے اسکو طاق نسیان میں رکھا ہے۔ کوئی معمولی شاعر ہوتا تو نہیں معلوم کیونکر تحقیر کرتا ایسے الفاظ کا جمع کرنا محاسن شعر میں سے ہے۔

اس زمین میں اکثر شعرا کی غزلیں ہیں۔ ناسخ مرحوم کا ایک مطلع قابل تحسین قرار دیا گیا ہے

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا — طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

سواے شوکت الفاظ کے کوئی معنوی خوبی اس میں معلوم نہیں ہوتی۔ طلسم الفاظ توڑ کر معنی پر نگاہ ڈالیے تو غالباً اس کے سواے کچھ معنی نہ ملینگے کہ میرے سینہ میں ہجر کا داغ ہے اور میرا چاک گریبان صبح محشر سے مشابہ ہے اسمیں آفتاب داغ ہجراں کا مشرق اپنے سینہ کو کہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ روز داغ ہجراں کا آفتاب یہاں طلوع کرتا ہے حالانکہ یہ فعل غیر عادی ہے یعنی آفتاب سے داغ کو مشابہ کیا جا سکتا ہے مگر نہ آفتاب داغ روزانہ بطریق معتاد طلوع ہوتا ہے نہ ضیا رکھتا ہے پھر یہاں بلاوجہ مشرق داغ ہجر سینہ کو قرار دیا گیا ہے صبح محشر میرے چاک گریبان سے نکلتی ہے بلکہ مشرق آفتاب داغ ہجر معشوق کے دل یا اُس کے فعل کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہاں سے وہ آفتاب طلوع کرتا ہے تب وہ آسمان سینہ عاشق پر پہونچا اور اپنی ضیا پھیلاتا ہے بخلاف غالب کے کہ اُس نے نہایت مناسب الفاظ جمع کر کے معنوی خوبیاں بھی پیدا کر دیں ہمارے نزدیک غالب اور ناسخ مرحوم کے مطلع میں آفتاب و ماہتاب کا فرق ضرور ہے۔

بیان کیا کیجئے بیداد کاوشہاے مژگاں کا — کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا

تیرے مژگاں کے ظلم کی روداد کا کیا بیان کروں اُسکی کاوشوں سے میرا ہر قطرۂ خون سفتہ ہو کر مونگے کی تسبیح کا دانہ بن گیا ہے۔

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو — لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دعب قاتل بھی میرے نالون کو روک نہ سکا بلکہ حسب قاعدہ پناہ مانگنے کے لئے از راہ عجز مین نے دانتون مین جو تنکا دبایا وہ نیستان کا تنہ بنگیا یعنی اُس نے سیکڑون نے پیدا کردین جس سے نالہ کشی اور بھی بڑھ گئی۔ تنکے کو ریشہ نیستان کہا ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور ہے ؎

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض ایک افغان ہی
خموشی ریشۂ صد نیستان سے خس بدندان ہے

دکھا دونگا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہی سرو چراغان کا

اس سے پہلے ایک شعر ایسے ہی مضمون کا لکھا جاچکا ہے ؎

دل نہین ورنہ دکھاتا تجکو داغون کی بہا
اس چراغان کا کہون کیا کارفرما جل گیا

مگر کمال شاعری یہ ہی کہ مصنف نے اسی مضمون کو کچھ بدل کر ایک نیا خیال بنا دیا ہی کہتا ہی کہ اول تو امید نہین ہی ہگر زمانہ نے فرصت دی تو تماشہ دکھا دونگا کیونکہ میرا ہر ایک داغ دل داغ دل نہین ہے بلکہ سرو چراغان کا ایک تخم ہے یعنی ہر داغ دل مین ایک سرو چراغان کی بہار پیدا ہوجاے گی یعنی ہر داغ مین سیکڑون داغ ہوجاینگے نہایت اچھا شعر ہے باریکی اس مین یہ ہی کہ میرا عشق روزافزون ہے اور ہمیشہ ترقی کرتا رہے گا۔ دی اگر فرصت زمانہ نے۔ سے مایوسی کا اظہار ہوتا ہے۔

کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

آئینہ خانہ کا تیرے جلوے نے وہ نقشہ بنا دیا ہے جو دھوپ شبنم کا بنا دیتی ہے بعض حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی اُس کو جذب کرلیتا ہے یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کی تاب نہین لاسکتا۔

مری تعمیر مین مضمر ہی صورت اک خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہی خون گرم دہقان کا

خون گرم محنت۔ ہیولیٰ۔ اصل اور مادہ ہر شے کا۔ تعمیر یعنی تعمیر جسم مصنف نے ایک مسئلہ طب نظم کیا ہے کہ میرے جسم کے اندر خود ایک ایسا مادہ موجود ہے جو مجھے فنا کر رہا ہے گویا میرے خرمن جسم پر گرنے والی برق میری ہی سرگرمی ہی۔ حرارت عزیزیہ ہی ہی جو انسان کو زندہ بھی

کر رکھتا ہی اور وہی باعث فنا ہی۔ نعمت خان عالی اس مسئلہ کو یون بیان کرتا ہی ؎

دارد نفسم آمد و رفت از پے کشتن
ہر لحظہ مین سے کشد این تیغ دو دم را

اُگا ہی گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشہ کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہی میرے درباں کا

ذرا میری ویرانی کو ملاحظہ فرمایئے کہ تمام گھر مین گھاس اُگی ہوئی ہی اور اب میرا دربان بس گھاس کھودنے کا کام کرتا ہے۔ تماشہ کردن فارسی کا محاورہ ہے اُردو مین کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا اس کے بجاے دیکھنا فصیح ہی۔ ایک جگہ یون کہہ گئے ہین ؎

اُگ رہا ہی در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہی

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بیزبان گور غریبان کا

چراغ کی لو کو چراغ کی زبان کہا ہے اور جب وہ مردہ ہوگیا تو اُس کی لو جاتی رہی۔ یعنی بے زبان ہوگیا یعنی میری بے زبانی مین میری خاموشی مین بہت سی ایسی آرزوئین ہین جو خون ہوگئین اور اب مین انکا اظہار نہین کرسکتا۔ گویا مین گور غریبان کا بجھا ہوا چراغ ہون۔ گور غریبان اور خون گشتہ آرزوئین مشابہ ہین۔ یہ مضمون نہایت حسرتناک الفاظ مین ادا ہوا ہے۔

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہی
دل افسردہ گویا حجرہ ہی یوسف کے زندان کا

اسمین دو لفظ ہین جن مین مصنف نے اپنی حد مشق دکھائی ہے اور اُن سے گذشتہ واقعات کا پتہ چلتا ہی ایک ہنوز۔ دوسرے افسردہ۔ ہنوز سے معلوم ہوتا ہے کہ خیال معشوق اس سے رخصت ہوگیا ہے اور افسردہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے خود خیال معشوق کو رخصت نہین کیا۔ بلکہ اُس نے اس قدر ستم اٹھائے کہ وہ افسردہ ہوگیا۔ اور اس مین خیال معشوق کے رکھنے کی سکت باقی نہین رہی۔ لفظی خوبی یہ ہے کہ افسردن ٹھٹھر جانے اور سکڑنے کو کہتے ہین اور حجرہ تنگ و تاریک کوٹھری کو کہتے ہین افسردہ ہونے سے حجرہ کی مشابہت نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

یعنی باانیکہ اب میرا دل افسردہ ہوگیا اور اُس مین خیال یار کے رہنے کی گنجایش

نہین رہی۔ مگر پھر بھی نقش خیال یار کی پرچھائین اس مین موجود ہے اور اسی سے یہ دل فسردہ حجرۂ زندان یوسف بنا ہوا ہے۔ یہ خیال بھی نہایت عمدگی سے ادا کیا گیا ہے اور تمام معنوی اور لفظی خوبیان۔ درد بستی بندش۔ صفائی اس مین موجود ہین نیز اس مین قصہ زلیخا و یوسف علیہ السلام کی تلمیح بھی ہے وہ بھی اس خیال سے بہت ہی مناسب ہے کیونکہ زلیخا کا دل جب افسردہ و آزردہ ہوگیا تھا تب اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید مین بھیجا تھا۔

بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ — سبب کیا خواب مین آکر تبسم ہائے پنہان کا

آپ جو خواب مین بار بار ہنستے ہین تو شاید آپ خواب مین غیر کے پاس سوتے اور اس سے خوش ہو ہو کر ہنس رہے ہین۔ ممکن ہے کہ آکر کے بجائے اکثر ہو۔ اور کاتبون کی اصلاح نے شارحین کو نئے نئے معانی پہنانے کی زحمت دی ہو۔ معشوق کے سونے سے شاعرون کو اکثر شبہ ہو جایا کرتا ہے کہ معشوق غیر کے پاس نہ پہونچ جاوے۔ خود مرزا کے یہان ایک اور جگہ ایسا خیال اور بھی پایا جاتا ہے ایک شعر اور اسی خیال کا ہے ؎

وہ خواب مین عدو کے گھر آیا گیا نہو — منہدی لگی ہے پاؤن مین چھالا پڑا نہو

نظر مین ہے ہمارے جادۂ راہِ فنا غالب — کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشان کا

اس مین جادۂ راہ فنا کو شیرازہ کہا گیا ہے کیونکہ تمام اجزائے پریشان عالم اسی شیرازہ مین منسلک ہوتے ہین یعنی مین فنا کو بھولا نہین ہون اور یہ رستہ میری نظر مین ہے کہ مجکو بھی آخر کار اسی شیرازہ مین منسلک ہونا ہے کیونکہ مین بھی اجزائے عالم سے ہون۔

نہو گا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا — حبابِ موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا

میرا شوق صحرا نوردی ایک جنگل کے پھرنے اور تھکنے سے کم نہین ہو سکتا۔ میرا نقش قدم موج رفتار کا حباب ہے۔ جیسے حباب کا ذوق رفتار کبھی کم نہین ہوتا اور وہ موج کے ساتھ رہتا ہے اور گر گرا اور مٹ کر پیدا ہوتا ہے اسی صورت سے میرا ذوق آوارہ گردی تھکنے سے نہین جا سکتا۔ ذوق مرحوم اسی زمین مین اسی مضمون کو یون ادا فرماتے ہین ؎

وہ ہون مین رہ نورد شوق میرے ساتھ جاتا ہے — برنگ سایۂ مرغ ہوا نقش قدم میرا

جس طرح مرزا غالب نے نقش قدم کو حباب موج رفتار بنایا ہے اسی طرح ذوق مرحوم نے نقش قدم کو سایہ مرغ ہوا بنایا ہے اور دونون تمثیلین نہایت عمدہ ہین۔

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے — کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

ایک وقت تھا کہ سیر باغ کا ہم کو شوق تھا مگر اب وہ دماغ ہی نہین رہا اب موج بوئے گل سے میرا دم ناک مین آتا ہے یعنی نفرت ہوتی ہے۔ بوئے گل سے ناک مین دم آنا اس جگہ نہایت اچھا ہے اور یہ محاورہ بہت ہی برمحل صرف ہوا ہے۔ دم ناک مین آنا۔ سانس لینا۔ مگر اس مین صنعت ایہام دکھائی گئی ہے صنعت ایہام وہ صنعت ہے کہ کسی شعر مین ذو معنی محاورہ یا لفظ لائین اور اس کے معنی بعید سے کام لین ایسے ہی مضمون کا ایک شعر خود غالب مرحوم نے دوسری جگہ لکھا ہے الفاظ اور ہین ؎

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہین خندہ ہائے بیجا کا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی — عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا

میرا عجب رنگ ہے کہ سر سے پاؤن تک عشق مین ڈوبا ہوا ہون اور جان کی محبت بھی ہے جسمین ہر ایک شخص مجبور ہے گویا برق کی عبادت کرتا ہون اور خرمن کے جل جانے پر افسوس کرتا ہون۔ اسپر مجھے میر تقی مرحوم کا ایک شعر یاد آیا غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے

میر کیا سادے ہین بیمار ہوے جسکے سبب — اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہین

یا ؎ تاب لاتے ہی بنے گی غالب — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی — جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

شرابیون کو جب شراب کی طلب یا خمار ہوتا ہے تو جمائیان آتی ہین اسی صورت سے یہان ساحل کو خمیازہ کش قرار دیا گیا ہے اور خود کو ساحل سے تشبیہ دیا ہے کہتا ہے ساقی بقدر ظرف ہر شخص کو تشنہ کامی ہوتی ہے تو اگر دریائے مے ہے اور افراط کے ساتھ شراب پلا سکتا ہے تو مین بھی ساحل ہون جس کو تو سیر نہین کر سکتا ظاہر ہے کہ ساحل ہمیشہ خشک رہتا ہے یہ مضمون عام ہے سب جانتے ہین کہ شعر [illegible] شراب سے [illegible] ہوتے اگرچہ

عمر بھر شراب پینے کا اتفاق نہوا ہو۔ مرزا غالب نے صہبائی مرحوم پر ایک پھبتی کہی تھی کہ واہ مولانا نے کیا تخلص رکھا ہے (صہبائی) چاہے عمر بھر ایک چلو بھر نہ پی ہو۔ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ساقی کو منادی قرار دیا جائے۔ یعنی اے ساقی۔ اور ظرف کو ظرف ساقی سمجھا جائے یعنی تیرا جتنا ظرف اتنا ہی میری تشنہ کامی کا خمار ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا … یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

راز کی باتیں تو سمجھ ہی نہیں سکتا ورنہ درحقیقت اس درمیان میں جس کو تو حجاب سمجھا ہوا ہے وہ حجاب یعنی پردہ پردۂ ساز ہے جس سے برابر راز کی آوازیں آرہی ہیں یعنی یہ تیرا ہی قصور ہے۔ حجاب کو پردۂ ساز قرار دیکر مضمون آفرینی کا کمال دکھایا ہے یہی مضمون ہے جسے عرفی شیرازی بیان کرتا ہے ؎

ہر کس شناسندۂ راز ست وگرنہ … اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست
مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند … کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مرزا یاس صاحب عظیم آبادی نے اس تمام غزل پر اعتراض بھی کیے تھے اور آتش کی ایک معمولی غزل سے ۱۹۱۵ء میں رسالہ خیال ہاپوڑ میں تقابل بھی کیا تھا جس کے اکثر جوابات شائع ہوئے چنانچہ محمد ابراہیم منور دہلوی کے فرضی نام سے اڈیٹر صاحب تمدن نے اس کا جواب دیا تھا وہ مضمون میں نے بھی دیکھا تھا یاس صاحب نے غالب کے اس مطلع کو آتش کے شعر کے مقابلہ میں پیش کیا تھا جو نہایت بیمحل اور بے جوڑ ہے۔ ؎

آتش: پامال کیجئے انہیں رفتار ناز کا … طاؤس و کبک رکھتے ہیں دعوا نیاز کا

اس شعر میں یاس صاحب کو تصوف بھرا ہوا دکھائی دیا جسکا یہی جواب ہے کہ انکا خیال ہے وہ جو چاہیں سمجھ لیں مگر ہم تو یہی کہیں گے کہ وہ ہمہ خلاق ہے پرانے رنگ کا ایک معمولی شعر ہے بخلاف غالب کے شعر کے جس کا غالب کے قلم سے نکلنا ہی مشکل تھا۔

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے … یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

اس میں مرزا غالب نے وہ نازک خیالی دکھائی ہے کہ جو اُن کے حریفوں کو رشک و حسد کی آگ میں جلائے دیتی ہے اسمیں ایک محاورہ کا مفہوم ادا کیا گیا ہے جو نہایت ہی لطیف

اور سمجھنے والے اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں یعنی نظارۂ معشوق نے میرا رنگ اڑا دیا اور وہ رنگ پریدہ مثل صبح بہار کے ہے۔ رنگ پریدہ اگرچہ صرف صبح سے مشابہ ہوسکتا ہے مگر صبح بہار اسکو اسواسطے کہا ہے کہ اُس کی وجہ سے گلہائے ناز شگفتہ ہوں گے صبح بہار میں پھولوں کا کھلنا اور پھولوں کے کھلنے سے صبح بہار کا پیدا ہونا لازم و ملزوم ہیں۔ وہ پھول ناز معشوق کے پھول ہیں یعنی معشوق جب اپنے نظارہ کی تاثیر سے میرا رنگ اڑتا ہوا دیکھے گا تو اُس کو اپنے حسن وغیرہ پر ناز ہوگا۔ اس میں استعارات نہایت بدیع لائے گئے ہیں۔

معترض نے ان سب خوبیوں اور معنوی نزاکتوں سے چشم پوشی کر کے یہ لکھا ہے کہ یہ شعر ایک وہمی شاعر کا نہیں ہوسکتا۔ اس میں اور زیادہ بدمذاقی کی یہ مثال پیش کی گئی ہے کہ آتش کا اسی قافیہ کا شعر جو بالکل اس کے سامنے ذلیل معلوم ہوتا ہے لکھا گیا ہے ؎

کیونکر وہ نازنیں نہ کرے بے نیازیاں … انداز سے بھی حوصلہ عالی ہے ناز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز … میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

یعنی تیری یہ کیفیت ہے اور میری یہ حالت ہے تو غیروں کو تیز نگاہ سے دیکھتا ہے اور تیری مژہ ہائے دراز کو جب میں اس حالت میں دیکھتا ہوں تو میرے اوپر برچھیاں چلتی ہیں یا ہر وقت میں تیری پلکوں کے عشق کا دکھ اٹھاتا ہوں اور تو غیروں کو دیکھتا ہے اسمیں تقابل کی حالت قابل تحسین ہے۔ نظم صاحب نے اپنی شرح میں مژہ ہائے کی ہائے کو علامت جمع اور ہائے کلمہ تاسف دونوں طرح سے صحیح بتایا ہے مگر میرے نزدیک یہاں صرف ہائے جمع کے لیے ہے اور ہائے کلمہ تاسف بالکل غلط ہے۔ مرزا یاس اس کے مقابلہ پر آتش کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں اہل نظر غور کریں اور سمجھ لیں کہ کتنا فرق ہے اور آتش مرحوم کے سر تصوف کی تہمت رکھنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہیں ؎

عمر خضر سے اُسکی زیادہ ہو زندگی … دھو کر پیئے جو یار کی زلفِ دراز کا

یہ انداز بیان غالب مرحوم کا خاص حصہ ہے ایک اور جگہ اسی انداز بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ؎

میں اور صد ہزار نوا ہائے جان خراش
تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں

صرفہ ہے ضبط آہ مین میرا وگرنہ مین　　طعمہ ہون ایک ہی نفس جانگداز کا

صرفہ یعنی فائدہ یعنی آہون کے ضبط کرنے مین میرا فائدہ ہے ورنہ ایک ہی آہ کرنے مین مین جل کر خاک ہو جاؤن۔ اس سے اپنی آہ کی سوزش دکھائی ہے کسی ہندی شاعر نے ایک خیال قریب قریب ایسا ہی ادا کیا ہے ؎

آہ کرون تو جگ جلے اور جنگل بھی جل جائے　　پاپی جیورا نا جلے جس مین آہ سمائے

اگر غور سے دیکھئے تو ہندی مین یہ خیال غالب کے یہان سے زیادہ اچھی طرح ادا ہوا ہے یعنی میری آہ سے ایک زمانہ جل جائے مگر مین ایسا کم نصیب اور سخت جان ہون کہ میرا دل جس مین اس آہ کا مقام ہے وہ نہ جلے گا۔ بخلاف غالب کے کہ وہ کہتے ہین مین ضبط آہ سے فائدہ اٹھا رہا ہون ورنہ ایک آہ کرون تو جل جاؤن۔ ایک اور بہت مشہور شعر ہے اگرچہ وہ جدا ہے مگر ایسے موقع پر لکھ دینا بیکار نہ ہوگا ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد　　وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

معترض نے ایک شعر اسی قافیہ کا آتش مرحوم کا لکھا ہے جو اگرچہ برا نہین ہے مگر غور فرمایئے تو اس شعر کے مقابل مین لانے کے قابل ہرگز نہین ٹھہر سکتا ہے۔

ظاہر ہے گرمجوشی پروانہ کا اثر　　روشن ہے حال شمع کے سوز و گداز کا

ہین بسکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے　　ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا

شیشہ بازی ایک فن ہے جو ابتک بھی رائج ہے عموماً ہندوستان کے نٹ وغیرہ بھی ایک اسی قسم کا تماشہ کرتے ہین کتھک بھی اسی طرح کا رقص کرتے ہین نٹ بھی برتن مین پانی بھر کر سر پر رکھ کے ایسا ہی کھیل کرتے ہین۔ اسی صورت سے مثال دی گئی ہے گوشہ فرش پر جو شیشہ رکھے ہین اس سے گوشہ بساط شیشہ باز کا سر معلوم ہوتا ہے۔

کاوش کا دل کرے ہے تقاضہ کہ ہے ہنوز　　ناخن پہ قرض اس گرہ نیمباز کا

میرا دل جو گرفتگی غم والم سے گرہ نیمباز ہو کر رہ گیا ہے تو اسی وجہ سے وہ کاوش کا بار بار تقاضہ کرتا ہے اور اس طرح سے تقاضہ کرتا ہے کہ میرے ناخن پر جیسے اُس کا

کچھ قرض ہے اس مین لطیف مضمون یہ ہے کہ گرفتگی سے دل اگرچہ گرہ ہو کر رہ گیا ہے مگر پھر بھی کاوش سے باز نہین آتا ہے اور مین برابر اس کو ناخن سے کھودے جاتا ہون یہ استعارات نہایت لطیف ہین اور غالب کے سوائے دوسرے ہندی شعراء کے یہان ایسی تمثیلین نہین ملتی ہین۔ غرض یہ ہے کہ دل مین جو ابھی تھوڑا سا زخم ہے اس کو وہ اور بھی بڑھانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ سراپا زخم ہو جائے مرزا نے مختلف پیرایون مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ جن پر اندازہ کرنے والون کی نظرین پہونچ ہی جاتی ہین منجملہ انکے ایک یہ ہے ؎

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق　　تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

یا

نہین ذریعہ راحت جراحت پیکان　　وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے

ہم نے اکثر جگہ مرزا کے مترادف المعنی اشعار لکھے ہین اور آیندہ بھی لکھین گے مگر اہل نظر اسکو مرزا کے عجز طبع پر محمول نہ فرمایئن بلکہ اس سے یہ اندازہ فرمایئن کہ ایک قادر الکلام شاعر ادنیٰ تغیر سے ایک مضمون کو کتنی صورتون کے ساتھ ادا کر سکتا ہے یہ کمال شاعری ہے۔

تاراج کاوش غم ہجران ہوا اسد　　سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

اے اسد افسوس کہ میرے راز کے موتیون کے خزانے کو غم جدائی نے لوٹ لیا اور برباد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مین رسوا ہو گیا۔

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا　　اس تکلف سے کہ گویا بتکدہ کا در کھلا

نظم صاحب کی شرح سے ہم کو بھی اتفاق ہے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی قصیدہ کا ہے جو کسی صورت سے غزل مین شامل کر دیا ہے اس مین رات کا سمان دکھایا ہے یہ شعر دوسرا مطلع ہے مگر چونکہ غزل سے جدا ہے اس واسطے مین نے اسکو پہلے لکھدیا ہے

بزم شاہنشاہ مین اشعار کا دفتر کھلا　　رکھیو یارب یہ در گنجینہ گوہر کھلا

ہمارے نزدیک دربار مین کوئی مشاہرہ ماہوار یا ہفتہ وار یا روزانہ مقرر ہوا ہے اور اس مین یہ غزل کہی ہے جس کی تقریب تہنیت کے طور پر یہ شعر کہا گیا ہے نظم صاحب نے

اس کی تاویل کچھ اور کی ہے۔ فرماتے ہین کہ بزم شاہنشاہی جو گنجینہ گوہر ہے وہ اسی سبب سے ہو کہ میرے اشعار کا وہان دفتر کھلا ہوا ہے۔ مگر مجھے اس مین اس لیے تامل ہے کہ غالب کے یہان ایک جگہ اور ایسا ہی شعر ملتا ہے ؎

حضور شاہ مین اہل سخن کی آزمایش ہے　　چمن مین خوشنوایان چمن کی آزمایش ہے

دیکھنے والون کو جو تاویل پسند آے ہم نے اپنا خیال ظاہر کر دیا یہ صرف قیاس ہے اور قیاس اکثر غلط بھی ہوتا ہے۔

گرچہ ہون دیوانہ پر کیون دوست کا کھاؤن فریب　　آستین مین دشنہ پنہان ہاتھ مین نشتر کھلا

یعنی اگرچہ دیوانہ ہون مگر دوست کا فریب کیون کھاؤن ہاتھ مین تو نشتر لیے ہوے آتا ہے کہ فصد کرے اور میری غمخواری اور علاج کرے مگر آستین مین چھری پوشیدہ ہے کہ مجھے قتل کر ڈالے۔ اسی مضمون کو دوسرا لباس یون پہنایا ہے ؎

وعدۂ سیر گلستان ہے خوشا طالع شوق　　مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

یا یہ کہ مین دیکھتا ہون کہ ہاتھ مین نشتر ہے اور آستین مین خنجر پھر دوست کا فریب کھانا چہ معنی دارد۔

گو نہ سمجھون اسکی باتین گو نہ پاؤن اسکا بھید　　پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

اگرچہ مین اس کی باتون کو نہ سمجھون اور اس کے بھید کو نہ پا سکون کہ کھلکر یعنی بے تکلف ہو کر وہ مجھپر کیا ستم ڈھاے گا اور وہ کیون بے تکلف ہوا ہے مگر یہ فخر میرے لیے کیا کم ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلف ہوا۔ یون سمجھیے کہ ؎

کم نہین نازش ہمنامی چشم خوبان　　تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہوا

ہے خیال حسن مین حسن عمل کا سا خیال　　خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

میری قبر مین جو مجکو حسن معشوق کا خیال ہے اس خیال حسن سے مجھے حسن عمل یعنی طاعت و عبادت کا سا مزا آ رہا ہے گویا اس خیال سے میری قبر مین ایک بہشت کا دروازہ کھلا ہوا ہے معشوق کے چہرۂ زیبا کو بہشت کہا گیا ہے خیال حسن سے حسن عمل کا سا خیال ایک نئی بات ہے

ورنہ شعرا اکثر ایسے مضمون باندھتے ہین مثلاً ؎

پس مردن بھی رہتا ہون خیال روے روشن مین　　چراغ طور جلتا ہے ہمیشہ میرے مدفن مین

دیکھنا یہ ہے کہ ایک پامال اور مبتذل مضمون کو انداز بیان کی صفائی نے سب سے علیحدہ کر دیا ہے دوسرے معنی اس شعر کے یہ بھی ہو سکتے ہین کہ حسن کا خیال رکھنے سے مجھے یہ بدل ملتا ہے یعنی چونکہ مین نے ہمیشہ ظلم و ستم سہے۔ ہمیشہ دنیا کے تمام جھگڑون سے مجھے عشق نے علیحدہ رکھا ہمیشہ رضاے یار پر شاکر اور صابر رہا۔ زندگی مین عشق پر ثابت قدم رہا اور مرنے کے بعد بھی وہی خیال ہے تو انہی وجوہات سے یہ خیال حسن حسن عمل بن گیا اور اسی کا یہ بدل ہے۔

منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین　　زلف سے بڑھکر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

حالانکہ اسنے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہے اور وہ پوشیدہ ہے مگر اسپر بھی وہ عالم ہے کہ کبھی دیکھا ہی نہین نقاب نے اس کے چہرے کو ایسا پر رونق بنا دیا ہے کہ اگر چہرے پر زلف بھی بکھرتی تو ایسی اچھی نہ معلوم ہوتی اس مین یہ ٹکڑا کہ دیکھا ہی نہین خصوصیت سے داد کے قابل ہے کھلنا بمعنی زیب دینا مصنف مرحوم نے نقاب کو اس مین مذکر باندھا ہے مگر یہ لفظ تذکیر اور تانیث مین مختلف فیہ ہے ناسخ مرحوم اور اکثر شعراے لکھنؤ اس کو مؤنث لکھتے تھے اور لکھتے ہین۔

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا　　جتنے عرصہ مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

ظاہرا اس شعر مین معشوق کی بدعہدی اور شوخی وعدہ خلافی وغیرہ کا ذکر کیا ہے مگر اس مین الفاظ اتنے اچھے جمع کیے گئے ہین کہ جن سے بہت بڑے معانی کا پتہ چلتا ہے یعنی مین کوچہ گردی کرتا ہوا اس کے در پر پہونچا اور اس کی بزم کی اجازت چاہی تو اس نے مجھے در پر پڑے رہنے کی اجازت دیدی۔ مگر ایسا ستم ظریف شوخ طبع اور وعدہ خلاف ہے کہ جب تک مین نے اپنا لپٹا ہوا بستر اس کے دروازہ پر کھولا اتنی دیر مین وہ پھر گیا یعنی بدعہد ہو گیا اور مجھے دھتا بتا دی۔ یا یہ کہا کہ مجھ سے یہ کہکر پھر پلٹ گیا اور مین دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ

کیون اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤن کا نزول　　آج ادھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

مولانا حسرت موہانی اور مولانا نظم صاحب دونون حضرات نے اُدھر لکھا ہے اور یہ معنی بیان کیے ہین کہ پہلے مصرع مین سوال و جواب ہے یعنی تاریکی شب غم کا سبب یہ ہے کہ بلندی عرش پر سے بلائین اُتر رہی ہین اور تارون نے اُن کے اُترنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے اس طرف سے اُس طرف آنکھین پھیر لی ہین یعنی اس کثرت سے اتر رہے ہین کہ جیسے میلہ قابل تماشہ ہو مگر مین ان معانی اور اس توجیہ کو صحیح نہین سمجھتا۔ اُدھر بمعنی آنجا نہین ہے بلکہ ادھر بمعنی اینجا اس جگہ صحیح ہے اس صورت مین یہ معنی ہوتے ہین بلکہ مصنف اعتراضاً کہتا ہے کہ شب غم اس قدر تاریک کیون ہے حالانکہ آج بلائین نازل ہو رہی ہین اور دیدۂ اختر نحوست بھی ادھر ہی کو کھلا رہے گا۔ جس سے تاریک نہونا چاہیئے۔ کیون از راہ اعتراض ہے نہ کہ بطریق سوال۔

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

مجھے غربت مین کیا خوشی ہو جب زمانہ کے حوادث کا یہ حال ہو کہ نامہ بر وطن سے جو خط لاتا ہے وہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے اور کھلے خط مین اکثر اخبار بد لکھتے ہین دوسرے معنی یہ بھی ہین کہ مجھے غربت مین کیا خوشی نصیب ہو سکتی ہے جب نامہ بر وطن سے اکثر خط کھلے ہوئے لاتا ہے یعنی میرے اعزا اور میرے دوست بھی سب مجھے کسی خاص راز کے لکھنے کی قابل نہین سمجھتے مگر پہلے معانی زیادہ اچھے اور مناسب ہین۔

اسکی امت مین ہون مین میرے رہین کیون کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

نعت کا شعر ہے یعنی اے غالب میرے کام کیون بند رہین مین اُس رسولؐ کی امت مین ہون جس کے واسطے آسمان کا گنبد بے در کھل گیا۔ ایہام ہے قصہ معراج کی طرف بہت اچھا شعر ہے اور کیا کہون۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

رات مین اس قدر بیتاب تھا اور اس قدر میرے دل مین سوز پیدا ہو گیا تھا کہ اس کو دیکھکر گھٹا کا پتہ پانی ہو رہا تھا اور اسپر بھی میرے سوز دل کی تاثیر یہ تھی کہ اس پانی مین جو

حلقۂ گرداب پڑتا تھا وہ شعلۂ جوالہ تھا۔

وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام
گریہ سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

یہان سے مصنف اپنی اور معشوق کی حالت کا تقابل کرتا ہے جس کے لیے الفاظ اور حالات اور سب مناسب چیزین لائی گئی ہین کہتا ہے کہ چونکہ زہرۂ ابر آب ہو رہا تھا اور پانی بھی برس رہا تھا اس لیے اُنکے کرم کو بارش کا عذر مانع تھا یعنی وہ تو بوجہ بارش کے میرے یہان نہ آسکتے تھے اور یہان رونے سے تکیہ کی روئی کف سیلاب بنی ہوئی تھی یا کف سیلاب تکیہ کی روئی تھی یعنی روئی کا تکیہ بہا بہا پھرتا تھا۔ اور یا سیل مین اس قدر جھاگ تھی کہ روئی معلوم ہوتی تھی یہ تماثیل نہایت مناسب ہین۔

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا

وہ اپنی خود آرائی اور زیبایش کے خیال سے موتی پرو رہے تھے اور یہان ہجوم اشک اس قدر تھا کہ تار نظر بھی چھپ گیا تھا۔ آنسو کو موتی سے تشبیہ دیتے ہین اور تار نگہ سے استعارہ کرتے ہین مگر یہان یہی لطف ہے کہ مصنف نے تشبیہ نہین دی ہے حالت کا تقابل کر کے پوری تمثیل دیدی۔

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آب جو
یان رواں مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

وہان جلوۂ گل تھا اور اُس کے عکس سے پانی مین چراغان کا تماشہ دکھائی دیتا تھا اور یہان جو سے چشم تر تھی اور اس سے خون خالص روان ہو رہا تھا اور لہو کی بوندین جو پلکون پر پڑی تھین شاخ گل معلوم ہوتی تھین۔

یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی
جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تھا

ہماری بیخودی کی بزم مین آہ کی شمع روشن تھی اور وہان صحبت احباب کے لئے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موج رنگ کا
یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

وہان طوفان رنگ کا جوش و خروش فرش سے عرش تک تہا یان زمین سے آسمان تک آگ لگا دینے کے قابل تہا۔

ناگہان اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا — دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تہا

میرا دل جس کو کاوش ناخن مین مزا آ رہا تہا اس طرح سے آنکھون سے خون ٹپکانے لگا یعنی ایسی حالت مین مین نے یہ غزل کہی۔

نالۂ دل مین شب انداز اثر نایاب تہا — تہا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تہا

میرے نالۂ دل مین انداز اثر بالکل نہ تہا کیونکہ اگرچہ مین اس نالہ سے بیتاب ہو کر جل رہا تہا مگر میرا وہ جلنا بزم غیر کی اور زینت بڑہاتا تہا اور وہان میرا جلنا سپند کا کام کر رہا تہا یعنی میرے نالہ اور بیتابی کا اثر الٹا تہا۔ سپند دفع نظر بد کے لئے جلاتے ہین۔

اسی مضمون کو تہوڑے سے تغیر سے دوسری جگہ فرماتے ہین ؎

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ — نغمہ ہو جاتا ہی گر نالہ بھی میرا جائے ہے

ایسا ہی ایک مضمون اور ہے ؎

اُن اثر کا مری آہون سے ہوا ہو جاتا — جاتے جاتے ترے کوچہ مین صبا ہو جاتا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے — خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تہا

سیلاب کے آنے سے میرے دل کو کیا خوشی ہو رہی ہے عاشق کا گھر شاید صدائے آب کا ساز تہا یعنی جس طرح سے ساز و صدا وغیرہ باعث طرب ہے اسی طرح صدائے سیل آب کے واسطے اس کا گھر گر جانا ساز ہو گیا جس سے عاشق کو خوشی ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی ویرانی کے سامان کو سامان طرب سمجھتا ہے اور اپنی بربادی سے خوش ہوتا ہے۔

نازش ایّام خاکستر نشینی کیا کہون — پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تہا

مولانا علی حیدر صاحب نظم اس کی شرح یون فرماتے ہین کہ اگرچہ مین خاک نشین تہا لیکن میرا دل قناعت کے فخر و ناز کے سبب سے فرش سنجاب پر لوٹ رہا تہا مگر میرے نزدیک غالب کا

مطلب یہ ہے کہ خاک نشینی کے ایام کا فخر و ناز کیا بیان کرون کہ اُس زمانے مین ہر وقت یہ خیال رہتا تہا کہ کبھی ہم بھی بستر قاقم و سنجاب پر تہے۔ اور اس طرح سے خیال عیش تصرف عیش بنا ہوا تہا مگر افسوس کہ اب وہ زمانہ بھی نہ رہا۔ یہ معانی اندیشہ کے لفظ سے پیدا ہوئے اور غالب کا یہی انداز بیان اکثر جگہ پایا جاتا ہے مثلاً۔

آگے آتی تہی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

مین عدم سے بھی پرے ہون ورنہ غافل بارہا — میری آہ آتشین سے بال عنقا جل گیا

ان دونون شعرون مین ترقی مدارج مقصود ہے۔

منشی غلام اللہ صاحب بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ ساکن بانس بریلی شاگرد مرزا غالب مرحوم نے بھی اسی زمین مین بالکل اسی رنگ کا اتباع کرتے ہوئے ایک غزل لکھی ہے۔ اس مین شک نہین کہ حق شاگردی کو خوب ادا کیا ہے۔ ہدیۂ پیشکش ناظرین کی جاتی ہے ؎

شب فراق اشک گردون کف سیلاب تہا — دورۂ چشم کواکب حلقۂ گرداب تہا
وان حنابندی عنان گیر خرام ناز تہی — یان تن کاہیدہ غرق اشک خون ناب تہا
شمع بزم عیش تہا وان خندۂ دندان نما — اشک جو آنکھون سے ٹپکا یان وہ خون ناب تہا
وان رخ پر نور تہا صبح امید زندگی — یان ہر اک داغ جگر خورشید عالمتاب تہا
وان نگاہ سرمہ آلودہ تہی آنکھین بہا — موجزن یان چشم تر سے خون کا سیلاب تہا
یان دل شوریدہ کو سر پھوڑنے کا تہا خیال — زیر سر وان غیر کا زانو برائے خواب تہا
دیدۂ بیخواب تہا یان ہائے محو انتظار — استراحت کے لیے وان بستر سنجاب تہا
حسن تمکین آزما کو پاس خودداری وہاں — خانہ زاد عشق کو ملحوظ یان آداب تہا
انکو پاس ننگ دامنگیر مجکو پاس وضع — وہ اُدہر بیتاب تہے اور مین ادہر بیتاب تہا
ہو گیا بیساختہ یون آج سرگرم سخن — ایک مدت سے نواسنجی کو دل بیتاب تہا
دیدۂ بے خواب کو شب تہا کسیکا انتظار — کان آہٹ پر دہ وان مژگان سے خون ناب تہا
ہائے ایسے ناتوان پر تو ہوا تیغ آزما — نشتر فصاد جسکو دشنۂ قصاب تہا
کیون نہ جھکتی زاہد مغرور کی گردن ادہر — خنجر خمدار قاتل صورت محراب تہا
ساغر مل اب کہان وہ شور قلقل اب کہان — نغمہ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تہا

مین نے دکھارات بسمل کو پڑا تھا خاک پر
بستر سنجاب تھا نے بالش کم خواب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسانے ورنہ یان — ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

کچھ نہ کرنا ایک محاورہ ہی جو کوتاہی کرنے کے معنی مین مستعمل ہے کہتا ہی کہ میرے جنون نے نارسائی کی اور اپنی حد پر نہ پہونچ سکا ورنہ حد جنون کے مقام کا ایک ایک ذرہ رشک خورشید عالمتاب تھا۔ مولوی علی حیدر صاحب یہ کہتے ہین کہ جنون نارسانے کچھ نہ کیا یعنی اکتساب فیض سے اور تجاد معشوق سے محروم رکھا ورنہ ایک ایک ذرہ نے اس اکتساب نور کیا تھا کہ رشک وہ آفتاب تھا اس مین حالات ماضی کا خیال کیا گیا ہی اور یہ نا ممکن ہی۔

اگر زیادہ غور کیا جاسے تو یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہین کہ جہان یعنی جس مقام تک جنون پہونچ چکا تھا اُس مقام کا ذرہ بھی روکش خورشید عالمتاب تھا۔

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرون کی تجھے — کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

آج اپنے قیدیون کی تجھے پروا کیون نہین کل تلک تیرے دلمین بھی محبت تھی۔ اس شعر مین خصوصیت سے یہ دو لفظ قابل ذکر ہین تلک یہ اب متروک ہی اور فصحا بجاے اسکے تک، استعمال کرتے ہین۔ باب مہر و وفا فارسی کا محاورہ ہی اردو کی زبان اس کی متحمل نہین ہے

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا — انتظارِ صید مین اک دیدۂ بیتاب تھا

پہلے شعر کے ثبوت مین یہ شعر لکھا گیا ہی اول جو بیان کیا ہی کہ کل تلک تیرا دل بھی باب مہر و وفا تھا کہ تیرے دام کا ہر حلقہ انتظار صید مین ایک دیدہ بیتاب بنا ہوا تھا اس شعر مین مرزا نے چشم معشوق کو اسی کے دام کا حلقہ بنایا ہر ایک جگہ اپنی آنکھون کو معشوق کے دام کا حلقہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے

دل کو آنکھون نے پھنسایا ہے مگر — یہ بھی حلقے ہیں تمھارے دام کے

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے — اُسکے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

گویا غالب کوئی دوسرا شخص ہی جس کو روکا گیا اور جس کا سیل نالہ اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ آسمان کف سیلاب بننے والا تھا۔

دیکھئے اسی سیل گریہ کے مضمون کو اسی غزل مین دوسرے انداز سے باندھ چکے ہین سچ یہ ہی کہ قادر الکلامی اِسی کا نام ہے۔

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب — خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اس شعر کے یہ دونون معنی ہو سکتے ہین کہ خون جگر یار کی پلکون کی امانت تھا۔ اور وہ ایک ایک قطرہ بہانا پڑا یہی معنی مولانا نظم نے لکھے ہین مگر میرے نزدیک یہ معنی اور بھی اچھے ہین اور مناسب حال ہین مجھے حساب دینا پڑا حساب دینا اُس وقت پڑتا ہے۔ اور حساب ہمین ہوتا ہے کہ جہان کوئی غضب وغیرہ پایا جاتا ہے یا کوئی بدنظمی ہوتی ہے اسلوجہ سے مصنف کہتا ہی کہ مین بیقراری ہی مین بہت سا خون جگر بہا چکا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی اس کی یاد مژہ کی کاوش اور محبت نے مجھے چین نہ لینے دیا اور جسقدر مین خون رو چکا تھا اتنا ہی پھر خون رُلایا اور اسی سے احتساب مین مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ گویا یہ شعر تطبیق افسوس کے ہے۔ تھوڑے سے ردو بدل سے یون بھی کہتے ہین کہ ؎

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خونفشاں کیلیے

یعنی اگر اُس کی مژہ کا عشق خون رُلائے گا تو رُلاے مگر مین اپنی مژگان کی عادت کے لئے بھی کچھ بچا رکھون۔

اب مین ہون اور ماتم یک شہر آرزو — توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

تو نے میرے دل کو توڑ کر مجھے مصیبت مین ڈالدیا۔ کیونکہ میرا دل گویا ایک آئینہ تھا جسمین ایک شہر یعنی بہت سی آرزو کی تصویرین تھین۔ اور اس کے مٹنے سے سب مٹگئین اور ایک دل کے ساتھ مجھے ایک شہر کا ماتم کرنا پڑگیا۔ مولانا نظم اس کی یہ شرح لکھتے ہین۔ جو میرے نزدیک صحیح نہین ہین (اور وہ دار کو وار کہتے ہین) قاعدہ ہے کہ آئینہ مین ایک ہی عکس دکہائی دیتا ہے لیکن جب اسے توڑ ڈالو تو ہر ہر ٹکڑے مین وہی پورا عکس معلوم ہونے لگتا ہے اور یہان ہر ہر عکس دیکھ کر ایک ایک آرزو کا خون ہوتا ہے غرضکہ

19

جس آئینہ مین معشوق کے عکس و تمثال کا جلوہ تھا اُس کے ٹوٹنے سے ایک شہر آرزو کا
خون ہو گیا یہ کہا ہوا مضمون ہے ؎

یہ حسن اتفاق آئینہ اسکے روبرو ٹوٹا
نظر آتے کبھی کا ہیکلو اک جا خون نباتے

ایک شہر آرزو مین ویسی ہی ترکیب ہے جیسے یک بیابان ماندگی - اور یک قدم وحشت مین - میرے نزدیک
اس ترکیب کی تمثیل اُن تماثیل سے صحیح نہین - بلکہ یہان کثرت مراد ہے اور وہان وحدت
مقصود ہے -

گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین — دلدادۂ ہوائے سرِ رہگذار تھا

بے انتہا بلیغ شعر ہے اسمین مصنف نے اک سامان عبرت دکھانا چاہا ہے - کہتا ہے کہ مجھے
اسکا بڑا شوق تھا کہ سڑکون اور شاہراہون کی ہوا کھایا پھرون - اور یہ امرا و شرفائے شہر کا
طریق ہے کہ شام و صبح کو ہوا کھانے کے لیئے نکل جایا کرتے ہین تو اب مرنے پر یہ سزا دو کہ میری
نعش کو گلیوں میں کھینچتے پھرو اور اس صورت سے میری نازک دماغی اور میرے شوق کو لوگون
پر اظہار کر کے - دنیائے ناپائدار اور یہان کے تمام شوقون سے انکو عبرت دلاؤ کہ یہ ایسا تھا
اور اب یہ اتنا مجبور اور بے بس ہے یا یہ کہ میری حالت زندگی میں بھی مجنونوں کی تھی بعد مرنے کے بھی ہے
مولانا نظم اس کے یہ معنی لکھتے ہین - ہوا کے معنی آرزو - رہ گذار سے رہ گذار معشوق
مراد ہے - مگر یہان آکر ہوا کے معنی آرزو کے لیے جائینگے - تو دلدادہ جس کے معنی خود آرزومند
اور عاشق کے ہین بیکار ہو جائے گا - اور شعر اک اُن مل بے جوڑ سے زیادہ وقیع نہو گا -

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال — ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا

شرح نظم صاحب ملاحظہ ہو جس طرح تلوار مین جوہر آبدار ہوتے ہین اسی طرح موج سراب کے
ذرے تھے حاصل یہ کہ سرزمین عشق پر تلوار برستی ہے بس - حالانکہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے
کہ موج سراب دشت وفا کی کیفیت نہ پوچھ کہ اُس نے کیا کیا ستم کیے گویا کہ اسکا ہر ایک ذرہ
ایک جوہر تیغ تیز تھا جسنے آرزؤن کا خون کر دیا - سراب اس کو کہتے ہین کہ کہین صاف
شفاف جگہ دیکھ کر کسی مسافر کو پانی کا دھوکہ ہو جائے - اور یہ اکثر رات مین ہو جاتا ہے یہی مصنف
کہتا ہے کہ مین گویا آرام اور محبت کا ایک پیاسا مسافر تھا اور معشوق کی وفا کی صورت پر وجود کل

وفا نہ تھی بلکہ سراب وفا تھا جس پر مجھے صرف وفا کا دھوکا ہی دھوکا تھا مین محبت اور آرام
کی اس مسافر کی طرح تمنا رکھتا تھا جو پیاسا ہو اور اس کو کسی جگہ پر پانی کا دھوکہ ہو اور اُس سے
وہ خوش ہو جائے مگر جب قریب پہونچے اور دیکھے پانی کے وہ زمین دیکھ کر جیتے جی مر جائے
اسی طرح اس سراب دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے جو معشوق کی طرف سے مجھے نظر پڑتی تھی قتل
کر دیا یعنی اس کی جھوٹی تسکین اور وعدہ خلافی نے مجھے مار ڈالا - یا اگر وفا کو معشوق کی وفا سمجھا
جائے تو دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ مجھے اپنی وفا سے کیا کیا امیدین تھین یعنی جذب کی توقع -
اور معشوق کی جانب سے بھی وفا کی امید تھی - مگر وہ صرف ایک سراب نکلا - اور میری وفا بیکار
رہی - اور میرے دشت وفا کے ذرہ ذرہ نے مجھی کو قتل کیا -

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب — دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

ہم سمجھتے تھے کہ غم عشق کچھ کم ہے - مگر کم ہونے پر ایک زمانہ کا غم نکلا یعنی بہت نکلا یا یہ
سمجھ لیجیئے کہ ہم سمجھے تھے کہ غم عشق اب کم ہوا ہے اب ہم کو آرام ملے گا - مگر اب دیکھا تو کم
ہونے پر غم دنیا نے گھیر لیا - گویا ایک آفت سے چھوٹے تو دوسری مین پڑ گئے ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

مگر مرجح پہلے معنی ہین -

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا — آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

چونکہ ہر کام کا آسان ہونا مشکل ہے لہذا ہر آدمی بھی آدمی نہین کہا جا سکتا ؎

آنچہ بر جستیم کم دیدیم و بسیار است و نیست
نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است و نیست

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی — در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا

سیل گریہ میرے کاشانہ کی خرابی چاہتا ہے اور در و دیوار سے ظاہر ہو رہا ہے
کہ اب یہ کوئی دن مین بیابان ہو جائے گا -

واے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو — آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیران ہونا

ہاے شوق کی دیوانگی کہ دمبدم یہ مجکو تیری گلی مین لیجاتا ہے اور پھر آپ ہی آپ حیران ہوتا ہون کہ ہاے مین یہان کیون آیا تھا۔ ایک شعر بالکل اسی مضمون کا مجھے یاد ہے

یہ شوق تھا کہ جنون تھا کہ تیرے کوچہ مین   ہزار بار گئے ہم ہزار بار آئے

جلوہ از بسکہ تقاضاے نگہ کرتا ہے   جوہر آئینہ بھی چاہے ہی مژگان ہونا

چونکہ اُسکے جلوے مین یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر ایک سے ایک نگاہ کا تقاضا کرتا ہے توجب اُس نے آئینہ دیکھا جس مین اُس کے چہرے کا عکس پڑا اور اس کا ظہور ہوا تو گویا وہ اسکا جلوہ ہوا اور اسی سے اس آئینہ کے جوہر مین یہ خاصیت ہوگئی ہے کہ وہ بھی مژگانی کرنے لگا ہے یا اُسکے جلوہ کی خاصیت سے مژگان بنا چاہتا ہے۔ یا آسان ایک یہ بھی معنی ہین کہ چونکہ اسکا جلوہ نگاہ کا تقاضا کرتا ہے تو آئینہ آنکھ بن گیا ہے کہ اُسکو دیکھے اور اس کا جوہر اس آنکھ کی پلکین بننا چاہتا ہے کسی کا ایک شعر پہلے مصرع کے مضمون سے لڑتا بھڑتا ہے۔

چاہا تھا اُسکے جلوہ نے اک وعدہ نگاہ   ہم اپنے دل کو دیکھ کے خاموش ہو گئے

عشرتِ قتل گہ اہل تمنامت پوچھ   عید نظارہ ہی شمشیر کا عریان ہونا

قتل گاہ تک اہل تمنا کے جانے کی خوشی نہ پوچھ گویا قاتل کی تلوار کو دیکھکر انکو ہلال عید کے دیکھنے کی خوشی ہو رہی ہی عید نظارہ۔ ترکیب مقلوب ہی۔ اور یہان مصنف ہلال نظارہ عید کہنا چاہتا تھا۔ مگر معلوم نہین کس وجہ سے نہ کہہ سکا ایک شعر ہی۔ لا اعلم

آؤ تم سے بھی گلے مل لین ہم آج اے حسرتؔ   ہی ہلال عید جو خنجر کف قاتل مین ہی

لے گئے خاک مین ہم داغ تمناے نشاط   تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا

یعنی ہم تو خوشی کی تمنا مین مر گئے خدا کرے تو ہمیشہ خوش وخرم رہے۔

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کھانا   لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

تمنا کا زخم کھانا پارۂ دل کے لیے سامان عشرت اور زخم جگر کے واسطے نمکدان مین غرق

ہونا یعنی اسپر نمک چھڑکا جانا اُسکے لیے سامان لذت ہی۔ زخم کے لیے نمک اور نمک کی وجہ سے لذت اور تمنا کے لیے عشرت لایا گیا ہے۔

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ   ہاے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

میرے قتل کے بعد اُس نے ظلم سے توبہ کر لی ہاے کیا جلد اپنی بُری عادت سے پشیمان ہوا جب کام اختیار سے باہر ہو چکا ہی۔ اگر یہی معنی لیے جائین تو یہ شعر صحیح ملیح اور از راہ تشنیع ہے۔ اسی سے یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہین کہ وہ بڑا زود پشیمان نکلا۔ اور بہت جلد اُس نے توبہ کی مین قتل ہو ہی چکا تھا۔ اور اب رقیبون کی باری آئی تھی کہ وہ پشیمان ہو کر توبہ کر بیٹھا۔ اگر پہلے معانی پسند ہون تو ایک شعر حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کا سنیے جسمین داد فصاحت دی گئی ہی اور یہی مضمون ہے۔ ہاے فرماتے ہین کہ

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب   کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہٴ

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ   جسکی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

اس کے صاف صاف معنی تو یہ ہین کہ اس چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہی جسکی تقدیر مین عاشق کا گریبان ہونا لکھا ہو۔ مگر دراصل یہ قصہ طلب شعر ہے۔ غالب مرحوم جب چوسر بازی کی بدولت قید مین رہے تھے اور کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے تو اسپر ایک مرتبہ یہ شعر کہا

ہم غمزدہ جسدن سے گرفتار بلا ہین   کپڑون مین جوین بخیہ کے ٹانکون سے سوا ہین

اور جسدن اس زندان تیرہ وتار سے نجات پائی کپڑے تبدیل کیے پرانے دھرانے میلے کچیلے کپڑے پھاڑ پھینکے اور ساتھ ہی یہ شعر کہا۔

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا   تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا

رات کو ساقی کے شوق نے وہ قیامت برپا کر رکھی تھی کہ مجکو دریاے شراب تک صورتخانہ خمیازہ یعنی انگڑائی کی شکل پر نظر آتا تھا۔ چونکہ شوق مین ایک انتشار رہتا ہے اور خمار بھی ایک تکلیف دہ چیز ہے اسواسطے شوق کو خمار سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ شوق ساقی کا تھا۔

اسواسطے اس کو خمار کہنا اور بھی اچھا ہے یعنی میری جمائیان اتنی اتنی لمبی تھین کہ وہ دریاے شراب تک پہونچگئی تھین -

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا　　جادہ اجزاے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم وحشت یعنی تھوڑی سی وحشت سیا وحشت کے ایک قدم چلنے سے گویا دفتر امکان کی مین نے سیر کر لی- گویا وہ جادہ جسپر مین نے وحشت مین قدم رکھا جادہ نہ تھا۔ بلکہ وہ جادہ ایک شیرازہ تھا جس مین اجزاے پریشان ہر دو عالم منسلک تھے - اس مین اپنی وحشت کی زیادتی اور عظمت دکھانا مقصود ہی کہ حالانکہ مین ایک ہی قدم چلا یعنی بہت کم میری وحشت کا ظہور ہوا- مگر اس کم وحشت مین مین نے ہر دو عالم کو روند ڈالا- اگرچہ مولانا علی حیدر صاحب نے اس مین کھینچ تان کر تصوف کے معانی پیدا کر دیے ہین مگر مین کہتا ہون کہ یہ مرزا کا خاص مضمون ہی اور ایسے ہی مضامین اور خیالات کا انھون نے کئی جگہ اظہار کیا ہے مثلاً- ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سر دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

اور کئی جگہ علی ہذا-

جادہ کو شیرازہ سے تشبیہ دی ہی اور یہ تشبیہ نہایت نازک ہی اس سے پہلی غزلون مین بھی لکھ چکے ہین- کہ ؎

نظر مین ہی ہماری جادۂ راہ فنا غالب　　کہ یہ شیرازہ ہی عالم کے اجزاے پریشان کا

مانع وحشت خرامیہاے لیلیٰ کون ہی　　خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

جناب نظم صاحب اس شعر کے یہ معنی تحریر فرماتے ہین- کہ مصنف نے صحرا گرد مجنون کی صفت ڈال کر اس کے گھر کا پتہ بتا دیا یعنی مجنون کا گھر تو صحرا ہی اور صحرا وہ گھر ہی جسمین دروازہ نہین پھر لیلی کیون نہین وحشی ہو کر اُس کے پاس چلی آئی کون اُسے مانع ہی-

میرے نزدیک اگر وہ معنی غلط نہین ہین تو نہون مگر مندرجہ ذیل معانی اُس سے زیادہ فصیح ہین اور انکی صحت پر غالب کے طرز بیان کو مین گواہ بناتا ہون-

یعنی اگر مجنون ایسے گھر مین قید تھا۔ یا ایسے گھر مین رہتا تھا کہ جسمین دروازہ نہ تھا- اور

اس سبب سے وہ کہین آجا نہ سکتا تھا- اور اس سبب سے وحشت سے باز رہتا تھا وہ تو مجبور تھا مگر لیلی جس کے گھر مین دروازہ بھی موجود تھا اور جو نکل سکتی تھی اور وحشت خرامی کر سکتی تھی اس کو کون مانع آتا تھا کہ وہ جنگلون مین نہین نکلجاتی تھی- اسپر جذب عشق مجنون کا اثر ہونا چاہیئے تھا- اور مجنون کی قید اور جنون کی وجہ سے اس کو دقت ہونی چاہیے تھی

یہ مصنف کا خاص انداز بیان ہی ان کے متعدد اشعار اس رنگ کے موجود ہین جنمین وہ معشوق کو عاشق کے مقابلہ مین گنہگار قرار دیتے ہین- اہل نظر غور فرمائین ؎

جلوہ گاہ آتش دوزخ ہمارا دل سہی　　فتنہ شور قیامت کسکی آب و گل مین ہے

بنجود بوقت ذبح طپیدن گناہ ما　　دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہ کیست

پوچھ مت رسوائی انداز استغناے حسن　　دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

حسن ہر چند کہ مستغنی ہی مگر اس کے استغنا کی رسوائیان کچھ نہ پوچھئے- ہاتھ مہندی کا اور رخسارہ غازہ کا مرہون احسان ہی اور یہ احسان باعث رسوائی ہی-

نواب مرزا خان داغ دہلوی مرحوم ایک جگہ فرماتے ہین اور کیا خوب فرماتے ہین ؎

اپنی صورت پہ جو نازان ہو تمھارا کیا ہے　　آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بباد　　یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

میرے نالۂ دل نے لخت دل کے اوراق کو یعنی دل صد پارہ کو پریشان کر دیا- گویا نالہ ایک شاعر تھا جس کا دیوان دل پریشان تھا- اُس نے اُس کو جو بحیثیت ایک یادگار تھا اس کو خود برباد کر دیا- بباد دادن فارسی کا محاورہ ہی- اردو مین برباد کرنا-

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا

دوست اقربا میری کیا غمخواری کر سکتے ہین اب میرے ناخن تراش کر مرہم لگا دیا ہے اور اپنی تدبیر پر نازان ہو گئے ہین مین کہتا ہون کہ جب تک یہ زخم بھریگا میرے ناخن بھی بڑھ جائینگے اور مین پھر اس زخم کو نوچ ڈالونگا- ایسے شعر اردو کے لیے مایۂ ناز ہین- اور غالب کو غالب انہین اشعار نے بنا دیا ہی ناطق گرانی کہتے ہین ؎

لذت زود بسکہ دل زا رمن گرفت   ناخن زدم بداغ اگر بہ شدن گرفت

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کبتلک   ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

یعنی استغنا اور بے نیازی کی بھی کوئی حد ہوتی ہی اور اب آپکی بے نیازی حد سے گذر گئی۔ اب کبتک آپ میرا حال دل سنکر کیا کیا کہے جائین گے اور تجاہل عارفانہ سے کام لین گے۔ ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا   کہانتک اے سراپا ناز کیا کیا

؎ اور

حد چاہئے سزا مین عقوبت کیواسطے   آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

حضرت ناصح گر آئین دیدہ و دل فرش راہ   کوئی مجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

اگر حضرت ناصح تشریف لاتے ہین تو بسم اللہ سر و چشم تشریف لائین۔ مگر کوئی للہ مجھے یہ تو سمجھا دے کہ وہ مجکو کیا سمجھائین گے یعنی کیا مجھے انھون نے ناسمجھ خیال کر رکھا ہے مین ناسمجھ نہین ہون سب سمجھتا ہون مگر عشق سے مجبور ہون اس مین میرا کوئی اختیار نہین ہی۔ ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد   پر طبیعت ادہر نہین آتی

اسی مضمون کو ادنی تغیر کے ساتھ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

دل کو سب باتون کی ہی ناصح خبر   سمجھے سمجھائے کو ہم سمجھائین کیا

آج وان تیغ و کفن باندہے ہوے جاتا ہون مین   عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا

یعنی روزانہ وہ ؎ مرزا یاس

خنجر کو جو پاتے ہین تو ہمکو نہین پاتے   اور ہم کو جو پاتے ہین تو خنجر نہین ملتا

مگر دیکھین آج کیا عذر کرین گے کہ تلوار اور کفن سب موجود ہین۔ اسی مضمون کو مولانا عرفی نے نہایت عمدہ طریقہ سے نظم کیا ہے جس کا جواب نہین فرماتے ہین کہ ؎

منم آن سیر زجان گشتہ کہ با تیغ و کفن   تا در خانہ جلاد غزل خوان رفتم

عرفی کے یہان دو لفظ شعر مین ایسے ہین کہ جن سے شعر کا پایا بہت عالی ہو گیا ہی سیر زجان گشتہ اور غزلخوان۔

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی   یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

اگر ناصح نے ہم کو قید کر دیا۔ اچھا یہی سہی۔ مگر کیا اس قید سے وہ جنون جاتا رہے گا جو عشق نے مجھ مین پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے مصرع مین استفہام انکاری و استخباری ہی۔ یعنی نہین چھوٹ سکتے۔ اگر غالب پر الفاظ کے جمع کرنے کی تہمت لگائی جاے تو یہ بھی سمجھ لیجئے کہ چھٹنا اور قید ہونا بھی دونون اچھے لفظ ہین جنکے جمع ہونے سے اک لطف پیدا ہو گیا ہی یہ ایک عام مضمون ہی مگر یہان نہایت خوبی سے ادا ہوا ہے۔

خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون   ہین گرفتار وفا زندان سے گھبرائینگے کیا

ہم زلف کے (جو زنجیر سے زیادہ ہی) غلام خانہ زاد ہین تو زنجیر سے کیا بھاگینگے۔ ہم قید گرفتاری سے کیا گھبرائین گے۔ کہ وفا کے پابند ہین جو قید سے بھی زیادہ ہی یعنی ناصح ہم کو زنجیر اور قید سے کیا ڈراتا ہی ہم کو ان سے زیادہ چیزون سے سابقہ پڑا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہی کہ جب ہم زلف اور وفا کے عاشق ہین تو ان چیزون سے کیا گھبرائین یہ تو اس کا نتیجہ ہین۔

ہی اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسد   ہمنے یہ مانا کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا

دلی سے محبت اٹھ گئی اور یہان غم الفت کہین نہین اس کا قحط ہی تو ہم جو غم الفت کھانے کے عادی ہین یہان رہ کر کیا کھائین کیونکہ وہ یہان نایاب ہی لامحالہ ہم کو یہ شہر چھوڑ دینا پڑے گا۔ کیونکہ ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثے است صحیح   نتوان مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

جناب نظم یون فرماتے ہین۔ ہمین غم کھانے کا مزا پڑا ہوا ہی اور وہی یہان نہین ہی یعنی اس شہر مین ایسے معشوق نہین ہین جن سے محبت کیجئے حسرت صاحب نے بھی یہی شرح لکھی ہے میرے نزدیک اس مین ایک قباحت ہی۔ وہ یہ کہ جناب حسرت صاحب نے محض معشوقون کو خاص کر دیا ہی۔ اور قحط ایک عام وبا ہے یعنی اگر معشوق نہین ہین تو دیگر اعزا اقربا کا

(23)

غم بھی کھانے کو نہین ملتا۔ یہان الفت سے محض عشق مراد نہین ہی بلکہ باہمی تعلقات ہین۔ واللہ اعلم۔ ناظرین جسے چاہین صحیح سمجھین۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت جو وصالِ یار ہوتا — اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ہماری قسمت مین اس سے ملنا نہ لکھا تھا۔ ابتک جیتے رہے اور اُس کے وصل کا انتظار کیا۔ اگر اور بھی جیتے تو بھی انتظار ہی کرنا پڑتا وصل نہوتا۔

اس زمین مین قریب قریب سب مشہور شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین مگر مرزا غالب مرحوم نے دو ایک شعر ایسے کہے ہین جن کا جواب نہین۔

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ہم تیرے وعدہ کرنے سے جیے تو تو نے یہ سمجھکر جھوٹ جانا کہ اگر ہمارے وعدے کا اعتبار ہوتا تو سچ مچ شادی مرگ ہو جاتی۔ دوسرا پہلو یہ ہی کہ ایجان تیرے وعدہ کرنے پر جو ہم جیتے رہے تو تو سمجھ کہ ہم نے اُس کو جھوٹ سمجھا۔ کیونکہ اگر کہین ہم کو اس وعدہ کا اعتبار ہوتا تو ہم خوشی سے مرجاتے بہر حال شعر نہایت عمدہ ہے۔ ایک شعر اسی مضمون کا یاد نہین کس کا ہے

بیم از وفادار و بدہ وعدہ کہ من — از ذوق وعدۂ تو نفر دا الی رسم

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا — کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

چونکہ تو نازک ہے اس لیے تیرا عہد بھی نازک تھا یہ ہم کو اس وجہ سے معلوم ہوا کہ اگر وہ عہد مضبوط ہوتا تو تو اُس کو نہ توڑ سکتا۔ کیونکہ نازک آدمی سے ایسا اہم کام نہین ہو سکتا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو — یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یعنی وہ تیر جسے تو نے آدھا کھینچکر چھوڑ دیا ہے اُسے کوئی میرے دل سے پوچھے یعنی اُس کی لذت سے بس میرا دل ہی واقف ہے کہ اگر یہ نیمکش نہوتا اور تو پوری قوت سے اس کو چھوڑتا تو یہ جگر کے پار ہو جاتا اور خلش کا لطف باقی نہ رہتا۔ یہان تیر نیمکش سے مراد کنکھیون سے دیکھنا ہے۔ یہ شعر مقبول عام ہے۔ اور کوئی شک نہین کہ بیمثل کہا گیا ہے۔ جو کاوش

دیتا ہے۔ اور اُس سے دو جیم جمع ہو گئے ہین۔ اور یہ عیب ہے مگر یہان بُرا نہین معلوم ہوتا۔ چستی بندش اسی کا نام ہے۔ جو کی واؤ کا گرنا غیر فصیح نہین ہے بلکہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ذوق مرحوم ایک جگہ ایسا ہی مضمون دوسرے پہلو سے نظم فرمائے ہین وہ بھی بہت خوب ہے مگر غالب کا شعر مقبول عام ہے اور ایسی جگہ کہنا پڑتا ہے کہ خدا جسکو چاہے عزت دے۔ ذوق

شکر پہ وہ بھی مین اُس بت کو حیا نے رکھا — ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

ایک شعر ذوق مرحوم کے مضمون سے ملتا جلتا منشی امیر احمد صاحب مرحوم کے یہان بہت خوب ہے

شرم کو آپ کی اللہ سلامت رکھے — شوخیون نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دونون شعر غالب کے شعر سے ہم مضمون ہین بلکہ نہین کچھ کچھ فیما بین مشابہت ہے اور یہ محض تیر نیمکش نے مجھے یاد دلا دیے ہین۔

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح — کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

شاعرون کے لیے غمخوار سے غمخوار دوست بھی ایک دشمن ہے اور ناصح کو تو ہمیشہ بُرا بھلا کہا ہی جاتا ہے اُسکا ذکر ہی فضول ہے یہی غالب بھی کہتے ہین کہ یہ کہان کی دوستی ہے کہ دوست مجھے نصیحت کرنے بیٹھ گئے ہین یہ کہان کی دوستی ہے کہ دوست ناصح بنکر میری جان کھائے جاتے ہین۔ کوئی میری غمگساری کرتا کوئی میرے دکھ درد کا علاج کرتا۔

کہون کس سے مین کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے — مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

کس سے کہون اور کیا کہون کہ شب غم کیا چیز ہے اس مین مجھے روز سیکڑون بار موت آتی ہے اور مر نہین جاتا۔ اگر ایک بار مر کر اس عذاب سے نجات پا جاتا تو بہت اچھا تھا مگر ایسا نہین ہے مجھے کسی اور شخص کا ایک شعر یاد ہے جو اگر میرا قیاس غلطی نہین کرتا ہے تو ضرور اسی غالب کے شعر سے ماخوذ ہے

نہ پوچھ ہجر کی راتون کی کاہشین ہمدم — وہ کیا جئے گا جسے موت بار بار آئے

بقول مولانا نظم صاحب یہ شعر حد تحسین سے باہر ہے۔

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

مصنف غم کی سختی اور بُرائی کو ایک دوسری تکلیف دہ چیز سے تشبیہ دیکر بیان کرتا ہے کہتا ہے جسے تم غم سمجھے ہو اگر یہ شرارہ ہو کر پتھر میں چھپ جاتا تو پتھر سے لہو ٹپکتا یعنی پتھر بھی خون کے آنسو بہاتا اور ایسے آنسو بہاتا کہ پھر وہ آنسو تھم نہ سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں آگ کو چھپا سکتے مگر غم کو نہیں چھپا سکتے ہیں۔ پتھر سے تشبیہ دینے میں ایک یہ لطافت مدنظر رکھی ہے کہ سخت دل سے زیادہ سخت دل بھی غم کی برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ یا یہ کہ شرار جو پتھر میں ہوتا ہے اگر یہ غم ہوتا تو پتھر اس کی برداشت نہ کر سکتا اور ہمیشہ اس سے خون ٹپکا کرتا۔

غم اگرچہ جانگسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے — غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

غم اگرچہ جان کا گھلا دینے والا ہوتا ہے مگر اس سے کوئی متنفس بچ بھی نہیں سکتا ہے کیونکہ جب تک دل موجود ہے اور دل کا خاصہ رنج و غم ہے اور وہ اس سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا۔ اب ہم کو عشق نے مار رکھا ہے مگر اس غم جانگسل کو ہم بُرا کیا سمجھیں اگر یہ غم نہ ہوتا تو اور کوئی غم ہوتا غرضکہ جب تک دل ہے غم سے نجات نہیں پا سکتے (یہ) پر کے بجائے اب متروک ہے اور پر بھی بجائے مگر اور لیکن کے غیر فصیح اور قابل ترک ہے دگر میں کچھ بُرائی نہیں ہے مگر اچھا یہ ہے کہ اگر لکھا جائے یعنی۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا — نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہم مر کے رسوا ہوئے کہ جنازہ اٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت پڑی۔ رسوائی یوں ہوئی کہ کوئی نہ ہمارا جنازہ اٹھانے والا ہے نہ مزار بنانے کا کسی کو خیال ہے اس سے ہم بیکس اور خانمان خراب مشہور ہوئے اور دنیا کو ہماری بے خانمانی اور بیکسی کا پتہ چلا اور سب کو ہماری حالت کا اندازہ ہو گیا ورنہ کوئی جانتا تھا کوئی نہ جانتا تھا۔ کاش ہم کہیں دریا میں ڈوب جاتے کہ جنازہ اٹھنے اور مزار بننے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ تو ہمارا حال کسی پر نہ کھلتا اور ہم بدنام نہ ہوتے۔

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یعنی اگر ذات واحد میں دوئی پائی جاتی تو کبھی نہ کبھی تو وہ کسی کو دکھائی دیتا۔ دوچار

ہونے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ کبھی اُس کی کسی سے جنگ ہوتی اور یہ دلیل قرآنی ہے۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اگر آسمان و زمین میں سوائے خدائے پاک کے چند خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔ کیونکہ چند طبیعتیں یا اختیارات مجتمع نہیں ہو سکتیں معترض کر سکتا ہے کہ اگر وہ باہم سلوک کر لیتے تو فساد نہ ہوتا۔ مگر اسکا یہ جواب ہے کہ صلح دو برابر والوں میں نہیں ہو سکتی۔ ایک غالب ہو گا اور ایک مغلوب۔ اور جو مغلوب ہے وہ خدا نہیں ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب — تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب تو نے جو مسائل تصوف بیان کیے یہ ایسے مسائل ہیں کہ کہیں اگر تو شراب خوار نہ ہوتا تو ہم تجھکو ولی کامل سمجھتے۔ یا اگر تو شراب خوار نہ ہوتا تو پورا ولی تھا۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مولانا نظم اس کے معانی یوں بیان فرماتے ہیں کہ رقیب بوالہوس کو نشاط کار و لطف وصل نگار حاصل ہے اب ہمارے جینے کا کیا مزہ رہا مصنف کی اصطلاح میں ہوس محبت رقیب کا نام ہے۔ دوسرا پہلو یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو ہوا و ہوس سے رہائی نہیں ہے اگر مرنا نہ ہوتا تو اس طرح کے جینے میں کوئی مزا نہ تھا یعنی حاصل زندگانی مرنا ہے۔ اور جناب حسرت صاحب نے صرف یہ لکھا ہے نشاط کے معنی امنگ کے ہیں یعنی کام کرنے کی امنگ۔ مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں ہے کہ مصنف کی ایک خاص اصطلاح مقرر کی جائے۔ سیدھے سیدھے یہ معنی ہیں کہ حرص انسانی کو محض کام کرنے کی امنگ اور خوشی اسی وجہ سے ہے کہ مرنا لابدی ہے یعنی آدمی خوش ہوتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ بھی کر لیا اور وہ بھی کر لیا اور میری زندگی میں یہ ہو جائے وہ ہو جائے۔ اگر مرنا نہ ہوتا تو زندگی کا کوئی لطف نہ تھا کیونکہ کسی کو کسی کام کے نبٹانے کی کوئی خوشی نہ ہوتی نہ کسی کے دل میں امنگ باقی رہ جاتی۔ کیونکہ ہر شخص مطمئن ہو کر آج کے کام کو کل پر اور کل کے کام کو پرسوں پر ٹال دیتا۔ اور سمجھتا کہ مرنا تو ہے ہی نہیں جب چاہیں گے کر لیں گے۔ اس صورت میں نہ کوئی کام ہوتا نہ خوشی ہوتی۔ اور جینے کا مزا جو محض خوشی پر منحصر ہے باقی نہ رہتا۔ نہ زیست کا کوئی حاصل ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاصل زندگی موت ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا — کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

پہلے ایک شعر اسی مضمون کا آچکا ہے ؎

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک — ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

نوازشہائے بیجا دیکھتا ہون — شکایتہائے رنگین کا گلا کیا

آپ جو رقیب پر بیجا عنایتیں فرماتے ہیں اور میں انہیں دیکھ کر شکایتیں کرتا ہون اُسکا آپ مجھ سے کیوں گلا کرتے ہیں یہ بیجا نوازشیں دیکھکر کیونکر میں خاموش رہ سکتا ہون یا یہ کہ میں آپ کی بیجا نوازشیں جو میرے حال پر ہوتی ہیں دیکھتا ہون یعنی ظلم و ستم سہتا ہون۔ پھر اس حال میں اگر آپ میری شکایتیں رنگین الفاظ میں کرتے ہیں تو اُن کا تو بھلا کیا گلا کرون گا۔ یا یہ کہ جب میں بیجا نوازشیں دیکھتا ہون تو آپ جو مجھ سے رنگین شکایتیں فرماتے ہیں اُنکا متحمل کیوں نہونگا

نگاہ بے محابا چاہتا ہون — تغافلہائے تمکین آزما کیا

میری خواہش یہ ہے کہ تم مجھ پر بے تکلفانہ نظر ڈالو۔ مگر تم تغافل سے کام لیتے ہو اور میرے ضبط اور تحمل کا امتحان لینا چاہتے ہو۔ اسی غزل میں آگے چل کر اسی مضمون کو نہایت صاف طریقہ سے ادا کرتے ہیں ؎

کیا کس نے جگرداری کا دعوے — شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے — ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

رقیب کا عشق عشق نہیں ہے وہ محض ہوس ہے۔ اور اس کو ناموس وفا کا کچھ خیال نہیں ہے اس کی محبت کی مثال ایک تنکے کے جلنے کی ہے کہ دم بھر جل کر روشنی دیتا ہے پھر کچھ نہیں بقول حضرت ناطق مدظلہ ؎ اہل ہوس کو درد محبت کہاں نصیب۔ بالا نہیں نہیں ملتا پڑا ہوا۔

ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اُس کی وفا کچھ بھی نہیں — چار دن کی چاندنی ہے اور کیا کچھ بھی نہیں

نفس موج محیط بیخودی ہے — تغافلہائے ساقی کا گلا کیا

ہماری ہر سانس دریائے بیخودی کی ایک موج ہے یعنی دمبدم بے ہوشی کا دورہ ہوتا ہے تو ہم کو ساقی کے تغافل کی کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ اور اس کی کیا ضرورت ہے۔

دماغ عطر پیراہن نہیں ہے — غم آوارگیہائے صبا کیا

اگر مجھے پیراہن کے بسانے کا دماغ ہوتا تو صبا کی آوارہ گردی کا غم ہوتا۔ کہ یہ بوئے گل کو پریشان کیوں کرتی پھرتی ہے اگر یہ جمع رہتی تو میرے پیراہن بسانے میں کام آتی۔ مگر جب مجھے پیراہن بسانے ہی کا دماغ نہیں ہے تو صبا کی اس حرکت بیجا کا کیا غم کرون۔ اسی زمین میں نواب مصطفےٰ خان صاحب شیفتہ کی ایک غزل ہے جس کو دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی یہ غزل دیکھکر کہی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انھون نے اس کے مضمون نقل کیے ہیں بلکہ غزل کا انداز بالکل یہی ہے چنانچہ صبا کا قافیہ اُن کے یہان یہ ہے اور اس میں ایک آدھ لفظ ایسا ہے جو میرے خیال کی تائید کرتا ہے ؎

شمیم گل میں بوئے پیرہن ہے — غلط ہے یہ کہ احسان صبا کیا

شیفتہ مرحوم کا شعر بہت بلیغ ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر — ہم اُسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ہر قطرہ سے صدائے انا البحر بلند ہو رہی ہے اور ہر ایک قطرہ اتحاد دریا کا دعویدار ہے اسی طرح ہم بھی اپنے دریا کے ساتھ دعوئے اتحاد رکھتے ہیں ہم اُس میں سے یا اُس سے ہیں ہمارا کیا کہنا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل — کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

شیفتہ اسی قافیہ کو یون فرماتے ہیں ؎

ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال — جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

غالب مرحوم کے یہان نہایت عمدہ طریقہ سے اس قافیہ کو باندھا گیا ہے اور شیفتہ کے یہان بالکل معمولی۔

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ — شہیدان وفا کا خونبہا کیا

تجھے خوف ہے کہ اگر تو میری طرف دیکھے گا تو مین مرجاؤن گا۔ مگر نہین تو خوف نہ کر میری طرف دیکھ اگر مین شہید ہو جاؤن گا تو تجکو خونبہا دینا نہ پڑے گا کیونکہ شہیدان وفا کا خونبہا ہوتا ہی نہین ہے (ادہر دیکھ) ایک محاورہ ہے جو محل تاکید پر مستعمل ہے مگر یہان یہ محاورہ دونون معنی پیدا کرتا ہے اور یہ سب صرف بر محل کی خوبی ہے شیفتہ مرحوم نے بھی قریب قریب یہی مضمون ادا کیا ہے مگر اُن کے یہان بھی شعر کی بندش نہایت چست ہے جو کسی طرح غالب سے کم نہین ہے

فنائے عاشقان عین بقا ہے　　دیت زندون کی کیسی خونبہا کیا

کہتے ہین کہ تو عاشقون کو قتل کر انکا فنا ہونا عین بقا ہے اور جب وہ باقی ہین تو گویا زندہ ہین اور زندہ کی دیت اور خونبہا نہین دیا جاتا۔

سُن اے غارتگر جنس وفا سُن　　شکست قیمت دل کی صدا کیا

اے غارتگر جنس وفا۔ اے صدائے شکست قیمت دل کے شایق سُن مگر شکست قیمت دل مین صدا کہان ہوتی ہے۔ یہان سُن سے دونون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ آ میری بات سُن یا شکست قیمت دل کی صدا سُن جسے تو سُن نہین سکتا۔ مین نے کئی نسخون مین بجائے قیمت کے شیشہ دیکھا ہے اور وہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے شیشہ سے حسن شعر دوبالا ہو جائیگا سن سے یہ معنی مفہوم ہوتے ہین کہ بطور طنز اس کو تعبیر کیا جائے۔ یا کہا جائے کہ لے سُن اگر تجھے دل کے ٹوٹنے کی صدا اچھی معلوم ہوتی ہے تو مین بھی شکست دل کی کچھ حقیقت نہین سمجھتا۔ نظم صاحب نے اپنی شرح مین موخر الذکر معنی لکھے ہین اور یہ بھی۔ کہ تو جو کہتا ہے کہ ہمین شکست دل کی خبر نہین تو کہین شکست دل مین آواز ہوتی ہے جو تجھے سنائی دیتی۔ بہر حال یہ شعر نہایت اچھا ہے۔

کیا کِس نے جگرداری کا دعویٰ　　شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

یعنی مجھے یہ دعویٰ نہین ہے کہ تم مجھ سے جدا ہو جاؤ تو مین صبر کر سکون گا۔ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہین ؎

تم نے کیون وصل مین پہلو بدلا
کِس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیون　　یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

او قاتل او کافر تو ایسا وعدہ کیون کرتا ہے جس مین مجھے صبر کی ضرورت پڑے تیرے نزدیک یہ وعدہ صبر آزما ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک فتنہ طاقت ربا ہے۔ یہ انداز بیان مرزا غالب کا حصہ ہے شیفتہ مرحوم نے بھی اس رنگ مین اسی انداز بیان سے کام لیکر ایک نہایت لطیف قطعہ کہا ہے۔ اور تقلید اور تتبع کا حق جیسا چاہیے ویسا ادا کیا ہے انتہا یہ ہے کہ اگر معلوم نہو تو شاید کوئی معلوم نہ کر سکے کہ شیفتہ کا قطعہ ہے یا غالب کا تفریح طبع ناظرین کے لیے مین اس کو یہان نقل کرتا ہون۔

کہا کل مین نے اے سرمایۂ ناز　　تلون سے ہے تجھکو مدعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیون　　کبھی بے وجہ غیرون سے وفا کیا
کبھی محفل مین وہ بیباکیان کیون　　کبھی خلوت مین یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفرین کیون　　کبھی الطاف جرأت آزما کیا
کبھی وہ طعنہ ہائے جانگزا کیون　　کبھی یہ نغمہ ہائے جانفزا کیا
کبھی شعرون سے میرے نغمہ سازی　　کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی بے جرم یون آزردہ ہونا　　کہ کیا طاقت کہ پوچھون مین خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بھی تسکین　　پئے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا
یہ سب طول اُس نے سنکر بے تکلف　　جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہین تم
کہ باتین عشق مین ہوتی ہین کیا کیا

ہم کو یہان یہ لکھدینا بھی ضرور ہوا کہ فی زمانہ مرزا غالب کے کلام کو عام مقبولیت حاصل ہے اور بڑے بڑے خوشگو اس بات کی کوشش کرتے رہتے ہین کہ غالب کے رنگ کی تقلید کیجائے مگر بدقسمتی سے بہت کم لوگ ایسے ہین جن کو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ غور کرنے پر جہان تک ہم نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مقلدان غالب نے اکثر مغلق الفاظ سے غالب کی تقلید کا بیڑا اٹھایا ہے۔ باقی نہ معانی آفرینی ہے نہ نازک خیالی۔ نہ بندش چست ہے نہ مضامین اعلیٰ ہین اسی سبب سے کہنا پڑتا ہے۔

22607

کلاغی تگ کبک در گوش کرد — تگ خویشتن را فراموش کرد

بعض لوگ ایسے ہین جنھون نے چند الفاظ مین غالب کے اتباع کو ختم کر دیا ہی اور وہی الفاظ اُن کے فیصدی ۹۵ اشعار مین پاے جاتے ہین۔ مثلاً۔ مرکز۔ رنگین کھینچنا۔ تشنج پیدا ہونا۔ خون دل کا سمٹنا۔ اور بہت سے الفاظ جنھین ضرور کہین ہم مفصل لکھین گے۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہی کہ غالب کی اشعار مین درد زیادہ ہے اور محض اسی خوبی سے غالب کی شاعری کو قابل اتباع قرار دیا ہے مگر درد پیدا کرنے کا طریقہ ایک خاص مقرر کر لیا گیا ہے کہ جسقدر مضامین ہون اُن مین موت کا ذکر کیا جاے اور فیصدی ۵ ۷ شعرون مین جنازے اٹھاے جاتے ہین لکھنو کے بعض موجودہ شعرا مین اکثر اسی قسم کے شعر پسند کیے جاتے ہین۔ بلکہ مین اپنے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کو تیار ہون کہ وہ شعر ہی اچھا نہین سمجھا جاتا۔ جہان موت اور نزع کے مصائب نہ بیان کیے جائین بلکہ یہان تک کہدینے مین باک نہین ہے کہ انبساط و انقباض جو شعر کی دو خاص تعریفین ہین ان مین سے انبساط تو بالکل غائب ہے رہا انقباض وہ اور کسی صورت سے پیدا نہین کیا جاتا محض موت کے مضمون لکھدیے جاتے ہین۔ چونکہ ذکر موت ایک ایسا ذکر ہی جس سے ہر شخص کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین اس لیے اسی ذکر اور مضمون کو معیار درد قرار دیدیا گیا۔ اور لطف یہ کہ اسی ایک مضمون کی بنا پر کوئی خود کو غالب کا صحیح متبع اور کوئی میر تقی میر کا مقلد کہکر خوش ہوتا ہے۔

اندھیری راتین گور غریبان پر چراغ کا ٹمٹمانا۔ مرنے کے وقت بالون کا پریشان کرنا وغیرہ وغیرہ چند مضمون ہین۔ میرا روے سخن کسی خاص فرقہ کی طرف نہین ہے بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے محض تقلید کی بنا پر۔ اب متبعان غالب شیفتہ کے کلام کو انصاف سے دیکھین اور اگر مین غلطی پر ہون (حالانکہ کئی دیوان موجودہ شعرا کے میری شہادت کے لیے تیار ہین۔) تو مجھے معاف فرمائین۔

بلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات — عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

یعنی اُسکی عبارت۔ اشارت ادا سب بلائے جان ہین۔ گویا ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

در خور قہر و غضب جب کوئی ہمسا نہوا — پھر غلط کیا ہی کہ ہمسا کوئی پیدا نہوا

یعنی جب ہماری برابر کسی پر قہر و غضب نہین کیا گیا۔ اور ہماری طرح کوئی آفت اور مصیبت مین مبتلا نہین ہوا تو یہ کیا بیجا ہے جو ہم کہتے ہین کہ ہمسا کوئی پیدا نہوا۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

یعنی عبادت اور بندگی مین آزادی نہین چلتی مگر ہم اس میں بھی ایسی آزادی سے کام لیتے رہے کہ اگر خانہ کعبہ کا دروازہ بند دیکھا تو وہان سے واپس چلے آے۔ پھر اور کسی کی تو کیا حقیقت ہے۔ عرفی اسی مضمون کو ایک دوسری طرح سے علی الرغم ظاہر کرتے ہین اور کیا خوب فرماتے ہین ؎

وقت عرفی خوش کہ نکشودند چون در بر رخش — بروز نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

یعنی مین وہان گیا۔ اور اس کے گھر کا دروازہ بند دیکھکر مین نے واپس ہونا یا کسی دوسرے دروازہ پر جانا مناسب نہ سمجھا وہین پڑ رہا۔

اور غالب کہتے ہین کہ مین نے اپنی وضع کو ہاتھ سے جانے نہین دیا در کعبہ بند دیکھکر واپسی مناسب سمجھی مگر اور کسی طرف کا رخ نہین کیا۔ یا وہان رہ کر انتظار دروازہ کھلنے کا نہین دیکھا۔

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا — روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

تو وہ بے نظیر ہے کہ تیری یکتائی کو کوئی نہ مٹا سکا اور کوئی آئینہ سیما معشوق تیرا مقابل پیدا نہ کر سکا۔ خاصہ ہی کہ جب آئینہ مقابل ہوتا ہی تو مدمقابل پیدا ہو جاتا ہی لیکن یہان وہ مسلمہ قضیہ بھی ٹوٹ گیا (آئینہ سیما) جسمین عکس یعنی مدمقابل ہونے کا پورا احتمال تھا وہ بھی کوئی مقابل پیدا نہ کر سکا اس شعر کو اگر وحدت وجود کے بارے مین مان لین تو شاید کچھ بیجا نہو گا یہ ایک عام مضمون ہی یا یہ کہ کوئی تیرا مقابلہ نہ کر سکا۔

کم نہین نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوبان
تیرا بیمار بُرا کیا ہے گر اچھا نہوا

تیرے بیمار کی بیماری بُری نہین ہے اسلیے کہ معشوقون کی آنکھ کو بھی بیمار کہتے ہین اور یہ بھی بیمار ہے تو اس صورت سے یہ اس کا ہمنام ہوا اور ہمنامی کا فخر کچھ کم اس کے لیے مایۂ ناز نہین ہے اس شعر مین انتہائی حسرت ہے اور قائل اپنی بدترین حالت تو معشوق کی ایک چیز سے ہمنام پا کر اسی پر صبر نہین بلکہ ناز کرتا ہے۔

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہوا

یعنی وہ نالہ جو دل سے لب تک نہ آ سکے اک داغ بنکر سینہ مین رہ جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ قطرہ کہ دریا تک نہین پہونچتا ہے خاک مین مل کر رہ جاتا ہے اور داغ کی صورت پیدا کرتا ہے ایسے ہی مضمون کو مصنف نے اک نئے رنگ سے دوسری جگہ یون بیان کیا ہے ؎

نبکہ روکا مین نے اور سینہ مین ابھرین پے بہ پے
میری آہین بخیۂ چاکِ گریبان ہو گئین

نام کا میرے ہے جو دُکھ کہ کسیکو نہ ملا
کام مین میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہوا

مطلب یہ ہے کہ دنیا مین ہزارون دُکھ ہین جن سے اہلِ دنیا ناواقف ہین اور اسی لحاظ سے اُن دکھون کی ہستی کو کوئی مسلم نہین جانتا مگر نہین بہت سے دُکھ ایسے ہین کہ انکو مین جھیلتا ہون اور کوئی نہین جانتا اور بہت سے فتنہ ایسے ہین جو دنیا مین نہین اُٹھے اور دنیا ان کو نہین جانتی مگر وہ میرے کامون مین اُٹھ رہے ہین۔

ہر بُنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب
حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہوا

اس مین استفہام اقراری ہے یعنی عشق کا ذکر کیا جاے اور آنکھون سے جوے خون رواں نہو یہ کیسے ممکن ہے اگر ایسا ہو تو یون کہیے کہ وہ عشق کی داستان کاہے کو ہے امیر حمزہ کی کہانی ہے۔

قطرہ مین دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو مین کل
کھیل لڑکون کا ہوا دیدۂ بینا نہوا

دجلہ ایک ندی کا نام ہے جو بغداد کے نیچے سے نکل گئی ہے اور مجازاً ہر ایک ندی کو دجلہ کہتے ہین اور یہان بھی مصنف کی مراد یہی ہے یعنی اگر دیدۂ بینا ہے تو ہر جزو مین کل اور ہر قطرہ مین دریا ضرور نظر آئے گا جیسے کہ مخلوق سے خالق اور صنعت سے صانع کا پتہ چلتا ہے اور اگر ایسا نہین ہے تو وہ دیدہ بینا نہین ہے اس مین بھی استفہام ہے۔

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اڑینگے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہوا

بڑی زبردست خبر تھی کہ غالبؔ کو سزا دیجائے گی اور اُس کے ٹکڑے کیے جائینگے مگر افسوس کہ یہ تماشا نہوا تماشا دیکھنے ہم بھی گئے تھے اس مین معشوق کا استغنا دکھایا گیا ہے کہ قتل کا وعدہ کیا اور عاشق جانباز وہان خود گیا مگر معشوق نے یہان بھی وعدہ خلافی کی اور اس کے جان لینے مین بھی انکار رہا۔ مولانا نظم صاحب اس کی شرح یون فرماتے ہین اپنی رسوائی اور مورد تعزیر ہونے کا اظہار ہے کہ لوگ اسے تماشا سمجھے ہوے ہین مگر یہ مطلب ہماری سمجھ سے باہر ہے اب دیکھیے کہ کہنہ مشق شاعر نے ایک معمولی پامال مضمون کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ نہایت بلند خیال معلوم ہوتا ہے اگر شعر مین یہ مضمون اس صورت مین لایا جاتا کہ غالبؔ تیرے قتل کا وعدہ کیا گیا تھا اور تو وہان گیا مگر قاتل نے قتل نہ کیا تو شعر جیسا کچھ ہوتا ظاہر ہے غرضکہ ایک رکیک خیال کو چُست بندش انوکھا خیال بنا کر دکھا دیتی ہے۔ ایک فارسی کا شعر اسی خیال سے لبریز ہے مگر سچ یہ ہے کہ جس صورت سے معشوق کی بے اعتنائی کو ایک پیش پا افتادہ مضمون سے شاعر نے حسن بندش کیساتھ پیش کیا ہے وہ ایک تصویر ہے جس کے دیکھنے سے آنکھین سیر نہین ہوتین۔ ملاحظہ ہو ؎

طفیان نازبین کہ جگر گوشۂ خلیل
آید بہ زیر تیغ و شہیدش نمی کنند

اسد ہم وہ جنون جولاں گدائے بے سروپا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشتِ خار اپنا

اسد ہم ایک بے سر و سامان مجنون فقیر ہین کہ وحشت ہم کو صحرا بہ صحرا لیے پھرتی ہے

اور ہمارے پاس پشت خار تک نہیں ہے جس سے اپنی کمر کھجلا لیں چونکہ ہم جنون میں دوڑے پھرتے ہیں تو ہرن ہم سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور انکا سر پنجہ مژگان ہماری پشت کو لگتا ہے اور وہی پشت خار کا کام دیتا ہے۔ معانی آفرینی کی حد ہے تو ہو مگر شعر کو چیستان یا بھول بھلیاں سے زیادہ نہیں کہہ سکتے اور یہ صورت محال کی حد میں ہے۔ یاد رہے کہ غالب کو غالب ان شعروں نے نہیں بنایا بلکہ مہمل گو کا خطاب دلا یا تھا۔ اور یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ معنی آفرینی بھی وہیں تک اچھی ہے کہ شعر لغو نہ ہو جائے۔

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا — بہ خوں غلطیدۂ صد رنگ دعوے پارسائی کا

چونکہ میں باوجود کوشش ہمیشہ درگاہ کریم سے قریب نہ ہو سکا تو اب اسی شرم نارسائی نے کرم کریم کی نذر کرنے کے لیے اس دعوی پارسائی کو تحفہ بنایا ہے جو سو مرتبہ گناہوں کے ہاتھ سے مجروح ہوا یعنی اپنی سو بار کی ٹوٹی ہوئی توبہ کو میری شرم نارسائی درگاہ الٰہی میں معذرت کے لیے پیش کرتی ہے۔ اس شعر کو نہایت بلیغ کر کے کہا گیا ہے واقعی بات اتنی سی ہے جیسے جناب مرزا قوی صاحب فرماتے ہیں ؎

بڑا کریم ہے وہ جرم بخش ہی دے گا — خدا کے سامنے سر اے قوی جھکا دینا

نہ ہو حسن تماشہ دوست رسوا بیوفائی کا
بمہر صد نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا

حسن موصوف تماشہ دوست صفت یعنی حسن دوست جو تماشہ کو دوست رکھتا ہے ہی اس سے کوئی اس کو بیوفائی کا الزام دیکر رسوا نہ کرے بلکہ اسی تماشہ دوستی سے اس کی پارسا کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ سو آنکھیں اور نظریں جو دیکھنے والوں کی اسیر پڑتی ہیں وہ گویا سو مہریں ہیں جو اس کی پارسائی پر وال ہیں اس میں اگر طنز کا پہلو نکالا جائے تو وہ کچھ اچھا نہیں۔

زکات حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا — چراغ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

اے جلوۂ بینش زکوٰۃ حسن ادا کر کہ تیری زکوٰۃ لیکر فقیر کا کاسہ گدائی ایسا چراغ بنجائے

جو آفتاب کا مقابلہ کرے چراغ جلنے سے مراد گھر کی رونق ہے یعنی تو جو اس کے کاسہ میں اپنے حسن کی زکوٰۃ دے گا۔ تو وہ کاسہ اس کے گھر کا چراغ اور اس کے گھر کی رونق بنجائے گا۔ ظاہر ہے کہ فقیر اگر بھیک لیکر گھر جاتا ہے تو اس کے گھر چراغ جلتا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے جو یہاں نہایت بلاغت سے ادا ہو گیا ہے۔ جلوۂ بینش کو دیکھتے ہوئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاسہ گدائی کا استعارہ آنکھوں سے کیا گیا ہے جس سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ اے جلوۂ بینش تو میری آنکھوں کو اپنا جلوہ دکھا کر روشن کر دے۔ خانہ استعارہ ہے دل سے یعنی اگر تیرا جلوہ آنکھوں میں سما جائے تو میرا دل اس نور سے منور ہو جائے۔ نظم صاحب فرماتے ہیں کہ کاسہ گدائی دل سے استعارہ ہے کہتے ہیں کہ اے جلوہ گاہ بینش میرے کشکول دل کو ذکا عرفان دیکر روشن کر دے کہ اس فقیر کے لیے وہ چراغ ہدایت ہو جائے اور آفتاب کی طرح شب تار جہالت کو دن کر دے مگر میرے نزدیک آنکھوں کا استعارہ کاسہ گدائی سے اکثر کیا گیا ہے جیسے آتش کہتے ہیں ؎

آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے — دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلئے

میر تقی میر علیہ الرحمہ ؎

کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس — ہم نے دیدار کی گدائی کی

نہ مارا جان کر بیجرم قاتل تیری گردن پر — رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

تو نے محض بے جرمی کی وجہ سے مجھے قتل نہ کیا اور خیال کیا کہ یہ بیگنہ ہے اس کا خون کون اپنی گردن پر لے۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ جیسے بیگناہ کا خون گردن پر رہے گا اسی طرح آشنائی کا حق گردن پر رہ جائے گا۔ اس شعر میں نہایت ہی نازک خیالی دکھائی ہے جو غالب کا حصہ اور ان کی شاعری کا جوہر خاص ہے ایک شعر میں معشوق کو دوست بنا کر اس طرح اسے قتل کی ترغیب دی ہے ؎

دوست ہو کر دیکھتے ہو تشنہ کامی فراق — تم پلاتے کیوں نہیں تلوار کا پانی مجھے

تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے — مٹا جس سے تقاضہ شکوۂ بیدست و پائی کا

میری زبان کی تمنا بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے جس کے سبب سے بیدست و پائی

کے شکوہ کا تقاضہ مٹ گیا یعنی بیدست وپائی کا شکوہ بار بار میری زبان پر تقاضہ کرتا تھا کہ مجھے بیان کر۔ مگر اب اُس نے مجھے بے زبان دیکھ کر شکایت چھوڑ دی اور وہ تقاضہ نہین کرتا اور میری زبان کی جان بچ گئی اسیوجہ سے زبان بے زبانی کے شکریہ مین محو ہے۔

وہی اِک بات ہے جو یان نفس وان نکہت گُل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگین نوائی کا

میری نفس اور نکہت گل کی اصل ایک جگہ اور ایک سبب سے ہے فرق یہ ہے کہ میرے یہان اُس کا نام نفس یعنی شعر ہے اور چمن مین نکہت گل اُس کا نام ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ اُدہر بہار آئی اور اس کی بو پھیلی ادہر میری غزل گوئی شروع ہوئی مصنف نے بہت صاف الفاظ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے ؎

ہے نشاطِ آمد فصل بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دہان ہر بُت پیغارہ جو زنجیر رسوائی
عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

تیرے جور وجفا اور ظلم کا ہر ایک حسین کے منہ مین شکوہ ہے اور ہر ایک حسین کا دہن گویا ایک حلقہ ہے اور بہت سے حلقون سے زنجیر بنتی ہے تو اس طرح گویا ایک زنجیر رسوائی بنگئی ہے جو تیری نیکنامی کے پاؤن مین پڑگئی ہے۔ دوسرے مصرع مین مصنف اپنے خیال کو اور ترقی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ معشوق کے منہ کو معدوم خیال کیا ہے اور تیرا شکوہ ہر ایک معشوق کے دہن مین ہے تو لازم آیا کہ تیری بیوفائی کا چرچا عدم تک ہے۔

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہون عرض ستمہائے جدائی کا

اے غالب نامہ کو اتنا طول نہ دے۔ ایک مختصر سی یہ بات لکھدے کہ میرے دل مین حسرت ہے کہ مین تیرے سامنے جدائی کے ظلمون کی شکایتین بیان کرون۔ ایک جگہ اسی مضمون کو اس سے اچھے پیرایہ مین صاف الفاظ مین یون فرماتے ہین ؎

مرے دلمین ہے غالب شوق وصل وشکوہ ہجران
خدا وہ دن کرے اُس سے جو مین یہ بھی کہون وہ بھی

گر نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائیگا
بے تکلف داغ مہ مُہر دہان ہو جائیگا

اگر رنج شب جدائی بیان نہوگا تو سمجھ لیجئے کہ داغ ماہ کی میرے منہ پر مہر لگ گئی ہے ظاہر اً کوئی لطیف معنی اس شعر سے مستخرج نہین ہوتے۔

زہرہ گر ایسا ہی شام ہجر مین ہوتا ہے آب
پرتو مہتاب سیل خانمان ہو جائیگا

اگر شب جدائی مین ایسا ہی پتہ پانی ہوتا ہے تو یہ چاندنی میرے خانمان میرے گھر کے لیے سیلاب ہوجائے گی یعنی ممکن ہے کہ جیسے میرا زہرہ آب ہو گیا ہے چاندنی کا بھی زہرہ آب ہو اور وہ میرے گھر کے لیے سیلاب کا کام دے۔ یا یہ کہ شب ہجر کی ہیبت ایک بارونق اور باعث تسکین شے کو بھی میری بربادی کا باعث ثابت کرے اور یہ تباہی کی اور معین اور مددگار ثابت ہو۔

لے تو لون سوتے مین اسکے پاؤن کا بوسہ مگر
ایسی باتون سے وہ کافر بدگمان ہو جائیگا

میری محبت بالکل بے غرضانہ ہے اور مین اسے اُس کی آنکھون مین پاک اور بے لوث ثابت کرنا چاہتا ہون اگرچہ حالت خواب مین مجھے بوسہ کا اختیار باقی ہے مگر اُس کی بدگمانی کا خیال مانع آتا ہے۔

دلکو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائیگا

ہم سمجھے تھے کہ ہم اپنے دل کو وفا کرکے تباہ اور برباد اور صرف کرینگے مگر اُسنے امتحان ہی مین اُس کا خاتمہ کردیا۔ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

وان گئے بھی ہم تو اُن کی گالیون کا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف دربان ہوگئین

سب کے دلمین ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھپہ گویا اک زمانہ مہربان ہو جائیگا

ہر ایک کے دلمین تیری جگہ ہے اگر صرف تو مجھ سے راضی ہوگیا تو سارا زمانہ مجھ سے

راضی ہو جائے گا یہ شعر تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور مصنف نے اس میں امثال اور محاورہ کی وجہ وجیہ بیان کی ہے کہ خدا مہربان تو سب مہربان یعنی تیری مہربانی سے سب کے مہربان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تو سب کے دل میں ہے اور ناراضی ہونا محض دل پر موقوف ہی تو جب تیرا تمام عالم کے دل پر قبضہ ہے تو ان کے تمام افعال و حرکات پر بھی قبضہ ہے ؎

سائیں انکھیاں پھیریاں تو بیری ملک جہان
ٹک اک جھولا مہر کا تو لاکھوں کریں سلام

گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط — شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

اگر تیری نظر گرم یعنی نظر عتاب اسی طرح ضبط کی تعلیم دیتی رہی۔ جیسے کہ مجھکو دیتی ہے تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ شعلہ خس و خاشاک میں اس طرح چھپ جائے گا جیسے خون رگوں میں۔ حاصل یہ ہے کہ تیرا عشق تیرا غم ایک شعلہ ہے اور میرا دل خس سے مشابہ ہے۔ محض تیری نگاہ گرم کی تعلیم ضبط سے میں اس کو دل میں چھپائے ہوئے ہوں۔ نگاہ گرم سے مراد نگاہ عتاب ہے ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

لیٹنا پرنیاں کا شعلہ آتش میں آساں ہے — مگر مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

ایک جگہ اسی ضبط کے مضمون کو یوں ادا کیا ہے ؎

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

یوں تو ضبط کے مضامین غالب کا حصہ ہیں مگر قابل غور یہ بات ہے کہ ایک قادر الکلام شاعر کس کس طرح ایک ہی مضمون کو نئے ڈھنگ سے ظاہر کرتا ہے۔

باغ میں مجکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر — ہر گل تر ایک چشم خونفشاں ہو جائیگا

یعنی میرا حال ایسا زبون ہے اور میں ایسا واجب الرحم ہوں کہ اگر تو مجھے باغ میں لیجائیگا تو ہر پھول میرے حال کو دیکھکر روئے گا۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ مجکو باغ میں نہ لیجا۔

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو — ابتلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

اگر میرا تیرا انصاف حشر میں بھی نہ ہو تو بڑا افسوس ہے ابتک تو اس امید پر خوش ہوں کہ وہاں انصاف ہو جائے گا۔ ذوق مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

یہ وہ شعر ہے کہ مرزا غالب اس کو پڑھ کے سر دھنتے تھے ایک نہایت شوخ مضمون جناب شمس لکھنوی کا ایسے ہی مضمون کا ہے بہت ہی خوب فرمایا ہے ؎

بروز حشر شہیدوں کو ہی بڑا دعوے — مزا تو ہے جو نہ ثابت ہو جرم قاتل پر

اس کی سادگی و شوخی حد تحسین سے باہر ہے۔

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ — دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

اسد تو بھی خود ہوشیار آدمی ہے خیال کر کہ کیا فائدہ ہے جو تو ناداں سے دوستی کرتا ہے مشہور مثل ہے کہ ناداں کی دوستی جی کا زیاں۔

درد منت کش دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

میرا نہ اچھا ہونا برا نہیں ہے اچھا ہے کہ اگر اچھا ہو جاتا تو میرے درد پر دوا کا احسان ہوتا اور کسی کا احسان میری غیور طبیعت کو پسند نہیں ہے۔ ایک جگہ احسان کے بارکی یوں مذمت فرماتے ہیں ؎

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم — اے خانماں خراب نہ احساں اٹھایئے

ایک جگہ یہ فرماتے ہیں ؎

نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم — کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

سعدی فرماتے ہیں ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بہ پائمردی ہمسایہ در بہشت

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو — اک تماشہ ہوا گلا نہ ہوا

میں تم سے گلا کرتا ہوں تو تم رقیبوں کو کیوں جمع کرتی ہو میرا گلا گلہ نہ ہوا بلکہ ایک تماشہ ہو گیا۔ اگرچہ قاعدہ ہے کہ چار آدمیوں کو جمع کر کے کسی بات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں مگر

مصنف کا رشک اس بات کی اجازت نہین دیتا۔ رشک کے مضامین غالب کے یہان نہایت ہی عمدہ عمدہ طریقہ سے نظم ہین جن کا جواب نہین ہے مثلاً ؎

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون　　ہر اک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدہر کو مین
اپنی گلی مین مجکو نہ کر دفن بعد قتل　　میرے پتہ سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے　　مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

وغیرہ وغیرہ۔ ایک میرا شعر ہے ؎

کرتے ہین شب وصل وہ دشمن کی برائی　　مین کہتا ہون آخر وہ تمہین آہی گیا یاد

ہم کہان قسمت آزمانے جائین　　تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

ہم اب اپنے مقدر کی کہان آزمایش کرنے جائین جب تو نے ہی ہماری گردن پر اپنے خنجر کو نہ آزمایا یعنی ہماری خوش قسمتی اسی پر موقوف ہے کہ تو ہمکو قتل کر دے۔

کتنے شیرین ہین تیرے لب کہ رقیب　　گالیان کھا کے بے مزا نہ ہوا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرے لب بہت شیرین ہین کہ رقیب کی گستاخیون پر تو نے اُسے گالیان بھی دین مگر وہ اُن سے بے مزا یعنی ناراض نہوا۔ شیرین۔ اور کھانا۔ مزا وغیرہ مناسب الفاظ ہین جو نہایت خوبی سے جمع ہو گئے ہین۔ اور سا آورد سے پاک معلوم ہوتے ہین۔ یہان تک الفاظ مناسب کا جمع کرنا حسن شاعری ہے اور اس سے بڑھ کر عیب ہو جاتا ہے اور اس کا ذکر ہی فضول ہے جیسے کوئی صاحب فرماتے ہین ؎

مرغ دل کو توڑے ہے بلی ترے دروازہ کی　　زحمت تن کو کاٹے ہے جو ہا تمھاری ناک کا

لاحول ولا قوۃ۔ نواب مصطفےٰ خان کے یہان ایک شعر اسی مضمون کا ہے جو نہایت بلاغت سے کہا گیا ہے ؎

دشمن پس دشنام بھی ہے طالب بوسہ　　محو اثر لذت دشنام نہ ہو گا

یعنی دشمن بعد گالیون کے بھی بوسہ کی تمنا کرتا ہے کیون نہ کرے آخر لذت دشنام کا اس پر کچھ اثر ہو گا نہو گا کیونکہ گالیان تیرے شیرین لب سے نکلی ہین اور وہ شیرین ہین اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ چھیڑ کر اور بھی گالیان کھائے یا کمبخت دشمن محو اثر لذت دشنام نہوا۔ وہ بوالہوس ہے

ورنہ تیری گالیان بوسہ سے کچھ کم ہین یا یون سمجھ لیجئے کہ ؎

غصہ مین ترے ہم نے عجب لطف اُٹھایا　　اب تو عمداً اور بھی تقصیر کرین گے

ہے خبر گرم اُنکے آنے کی　　آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

اُن کے آنے کی بڑی گرم خبر ہے مگر آج ہی میری بے سروسامانی رنگ لائی ہے کہ اور دن خیر بوریا تو ہوتا تھا آج بوریا بھی ندارد ہے۔ اگرچہ مضمون رکیک ہے لیکن حسن بیان نے چمکا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ سب دن چنگی تیوہار کے دن ننگی۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی　　بندگی مین مرا بھلا نہوا

یہ شعر غالب کے مغلق شعرون مین سے ہے جس کی شرح جناب نظم صاحب نے ان دو الفاظ مین فرمائی ہے (وہ) اشارہ ہے غرور حسن کی طرف فقط حالانکہ اس مین قلب ماہیت کا الزام عاید ہوتا ہے کیونکہ حسن مذکر اور خدائی مونث ہے یعنی حسن نمرود کی خدائی تھی۔ مگر مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب مین اس شعر کے معنی یہ لکھے ہین یعنی میری بندگی کیا نمرود کی خدائی تھی کہ اس سے مجکو سوا نقصان کے فائدہ نہ پہونچا۔ میرے نزدیک یہ معنی ہین کہ خدا جس کی مین نے عبادت کی کیا وہ نمرود تھا اور کیا اُس کی خدائی نمرود کی خدائی تھی کہ میرا بھلا نہ ہوا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مین نے جان آفرین کو اپنی جان دیدی۔ مگر کیا ہرج ہے یہ اُسی کی دی ہوئی تھی میری چیز نہ تھی سچ بات تو یہ ہے کہ مجھ سے کچھ حق ادا نہوا۔

زخم گر دب گیا لہو نہ تھنبا　　کام گر رک گیا روا نہوا

اگر ہمارا زخم دب گیا تب بھی لہو بدستور جاری رہا۔ کام اگر رک گیا مراد ہے وہی زخم کے دبنے سے تب بھی میری حاجت روائی نہین ہوئی۔ یعنی لہو نہ تھما۔ تھنبا متروک ہے تھما مستعمل ہے حسرت صاحب نے اس کی یہ شرح فرمائی ہے۔ کام جب رک جاتا ہے تو روا نہین ہوتا۔ اس لحاظ سے زخم کے دب جانے پر چاہیے تھا کہ لہو بھی روان نہوتا لیکن

یہان ایسا نہین ہوا اور زخم کے دَب جانے پر بھی لہو جاری ہے۔ خیال میرا اور اُن کا قریب قریب یکسان ہے لیکن شرح الفاظ مین فرق ہے۔

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لیکے دل دلربا روانہ ہوا

روانہ قافیہ معمولہ ہے۔ اسے متقدمین نے عیوب شعر مین شمار کیا تھا۔ لیکن فصحائے متاخرین اُس کو حسن شعر سمجھتے ہین مگر بقول جناب نظم صاحب شعر قافیہ معمولہ سے سست ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ انداز رہزنی ہے یا طریق دلستانی ہے کہ معشوق دل لیکر روانہ ہو گیا دیکھئے قافیہ نے شعر کو بالکل بھدا کر دیا ہے۔

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین — آج غالب غزل سرا نہ ہوا

یہ غزل شاید پیش طرح پڑھی گئی ہو۔ اور دوسرے مصرع مین شاید طرح سے مراد ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا — گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اس کو میری تنگدلی کی شکایت ہے یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا کا اضطراب سما گیا۔ مرزا نے تنگدلی کی اکثر شکایت کی ہے۔ ایک آدھ شعر ہم یہان لکھ چکے ہین۔ اور آیندہ لکھیں گے۔ مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر صاحب بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے۔ صفائی وغیرہ وہان بھی نہین ہے مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہون ؎

دل آسودۂ ما شور امکان در نظر دارد — گہر دزدیدہ است ایجاز بان موج دریا را

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اسمین ایک عالم کا شور سمایا ہوا ہے۔ گویا موتی مین دریا بھر کا اضطراب ہے۔

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب — مگر ستمزدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا

یعنی مین جانتا ہون کہ تو اور میرے خط کا جواب لکھے یہ امر غیر ممکن ہے۔ مگر میری خامہ فرسائی کا ذوق کب مانتا ہے۔ خوامخواہ لکھنا پڑتا ہے۔ اور رات دن بیٹھا ہوا

خط لکھا کرتا ہون۔ ایک جگہ اور فرماتے ہین کہ ؎

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھون — مین جانتا ہون جو وہ لکھین گے جواب مین

ایک شعر میر حسن صاحب مرحوم کا بالکل اسی مضمون کا ہے ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہیں لکھنے کا وہ — پر تقاضہ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

حنائے پائے خزان ہے بہار اگر ہے بھی — دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا

اول تو بہار کا وجود ہی دنیا مین نہین ہے اور اگر ہے بھی تو وہ خزان کے پاؤن کی مہندی ہے یعنی خزان کی زیب و زینت کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ ہستی دنیا عدم کے لیے ہے۔ بوجہ رنگینی کے بہار کو حنا کہا گیا ہے۔ دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ عیش دنیا فانی ہے اور کلفت خاطر دائم اور باقی ہے۔ دوسری شرحون مین کہا گیا ہے کہ بہار اگر ہے بھی تو وہ مہندی کی لالی ہے چار دن مین جاتی رہے گی پھر خزاں ہی کا قدم درمیان رہیگا۔ میرا ایک شعر ہے۔ آسی

بہار باغ جہان مین خزان کا عالم ہے — شگفتہ ہونا ہے غنچہ کا ٹوٹنا دل کا

غم فراق مین تکلیف سیر باغ نہ دو — مجھے دماغ نہین خندہ ہائے بیجا کا

مین فراق کے غم مین مبتلا ہون ہمدمو مجکو سیر باغ کی تکلیف نہ دو مجھے پھولون کی بیجا ہنسی اچھی نہین معلوم ہوتی۔ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے — کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہون — کرے ہے ہر بُن مو کام چشم بینا کا

اگرچہ نظارۂ حسن مین میرا ہر بُن مو چشم بینا کا کام کر رہا ہے مگر اب تک حسن کی محرمی حاصل نہین ہے یعنی کُنہ ذات تک رسائی نہین ہے۔ ہر بُن مو کو چشم بینا اس وجہ سے کہا ہے کہ جب ہر شی آئینہ ظہور قدرت ہے تو بُن مو بھی اسی مین داخل ہے جیسے کہ ایک جگہ حمد کے موقعہ پر علامہ فیضی لکھتے ہین کہ ؎

در ہر بُن مو کہ سے نہی گوش — فوارۂ فیض اوست در جوش

دل اُس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا

ہم نے اپنا دل پہلے ہی بے مانگے اُس کی ناز و ادا کے حوالہ کر دیا۔ ہمیں حسن کے تقاضہ کی برداشت ہی نہیں ہے واضح ہو کہ حُسن اور چیز ہے اور ناز و ادا اور چیز ہے۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ادا و ناز حُسن کو ہم دل نہ دیتے تو حُسن ہم سے دل لینے کا تقاضہ کرتا۔ مگر ہم نے اسے گوارا نہیں کیا اور حسن کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ ناز و ادا حسن کا تقاضہ ہے مطلب میرا اور اُن کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدار حسرتِ دل ہے — مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

اے ہمدم یہ نہ کہہ کہ میں اتنا ہی روتا ہوں جتنی میرے دل میں حسرت ہے۔ اپنے دل کی حسرت اور اپنے آنسوؤں کا مجھے اندازہ ہے یعنی یہ کہ مجھے اور زیادہ رونا چاہئے حسرت کو رونے کی وجہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور وجہ گریہ بھی۔ دریا دل سے استعارہ ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُسکو یاد اسد — جفا میں اسکی ہے انداز کار فرما کا

یعنی جب آسمان کو دیکھتا ہوں تو مجکو وہ یاد آ جاتا ہے جس نے اُسے جفائیں سکھائی ہیں اور جو بانی جور و جفا ہے۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں ؎

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی — فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا — خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

گرفتگی و بستگی و تنگی و ضبط نفس حیرت کے لوازم ہیں اور جب ہر قطرہ میں حیرت کے سبب سے یہ صفات پیدا ہوئے تو وہ موتی بن گیا۔ اور پیالہ میں جو لکیر تھی وہ عقد مروارید ہو گئی۔ اس بیان سے فقط حیرت کی شنگرف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن یہ مضمون کہ یہ حیرت حسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوئی مصنف کے ذہن میں

رہ گیا۔ شرح نظم صاحب۔

جب ساغر مے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے مے بہ فرط حیرت منجمد ہو گئے اور گوہر بن گئے اور خط جام رشتۂ گوہر کی مانند ہو گیا۔ شرح حسرت صاحب

پہلی شرح میں بالکل بعید از قیاس معنی پہنا کر مصنف کو۔ المضمون فی بطن الشاعر کا الزام دیا ہے اور کئی اک الفاظ بیکار چھوڑ دیئے۔ دوسری شرح میں بھی وہ باتیں ہیں جنکا ثبوت الفاظ شعر سے نہیں ملتا میرا خیال یہ ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے۔ قطرۂ مے کا کام حیران کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرور۔ اور روح پرور ہے خط جام مے کو اُس کی روح پروری نے رشتۂ گوہر بنا دیا ہے۔ اس سے فقط مدح شراب مقصود ہے۔

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا — غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

میرے عشق کا جو اس کو اعتبار ہو گیا ہے اُس نے مجکو تباہ کر دیا۔ کیونکہ آہ غیر نے کی مگر چونکہ اُسکو میرے عشق کا اعتبار تھا اُسنے سمجھا کہ میں نے آہ کی ہے اور اسی لیے مجھپر وہ خفا ہوا اور اس طرح سے کوئی کرے اور کوئی بھرے والا مضمون ہو گیا۔

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا — تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

جب اُس نے سفر کا ارادہ کیا اور محمل باندھا۔ تو میرا دل نہایت بیقرار ہوا اور محمل سے ہر ذرہ۔ یا عام ذرہ ذرہ پر شوق نے ایک دل باندھ دیا اور محمل کے ساتھ بھیجدیا یعنی ذرات محمل میرے دل طپاں سمجھے۔ ذرہ کی چمک اور دل کی تپش کا عالم یکساں ہے مطلب یہ ہے کہ اُن کی محمل کے ساتھ ہی دل تپاں بھی رخصت ہوا اور ؎

جو گریا رجائے گا تو اپنا ہے سفر پہلے

عمل کیا۔

اہل بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخی ناز — جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

دیکھنے والوں نے حیرت کدۂ شوخی ناز میں جوہر آئینہ کو طوطی بسمل قرار دیا ہے یعنی آئینہ کے جوہروں کی سبزی جو متحرک معلوم ہوتی ہے اور بعض وقت بعض رُخ سے دکھائی دیتی ہے

وہ گویا طوطی ہے جسے ناز کی شوخی نے بسمل کر دیا ہے اور وہ تڑپ رہی ہے۔ جوہر کی حرکت اور کبھی کسی رخ سے دکھائی دینا کبھی کسی رخ سے دکھائی دینا۔ طوطی بسمل کے ساتھ وجہ شبہ ہے۔ آئینہ کا کام حیران کرنا ہے۔ تو آئینہ گھر یعنی پشت آئینہ گویا حیرت کدہ ہے جہاں وہ طوطی بسمل تپاں ہے چمن بیتاب جون طاؤس بسمل میں بھی یہی تشبیہ ہے۔

عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا — یاس وہ اپنے یک عربدہ میدان مانگا

ہمت کی عاجزی نے سائل کے دل کو ایک طلسم بنا دیا ہے جسمیں امید و بیم لڑ رہی ہیں اور ہر ایک غالب ہونا چاہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ سوال کرنا بہت برا ہے اور یہ کم ہمتوں کا کام ہے جس سے دل طلسم بیم و امید بنجاتا ہے۔ میرا ایک صاف سا شعر ہے اگرچہ اس میں دوسرا پہلو ہے۔ آسی ؎

بلائے جان ہوئی سائل کو منت تاثیر — جسے کوئی نہ سنے اس صدا کا کیا کہنا

نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب — گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

میں اپنے تشنگی کے ذوق کے مضمون کو ادا نہیں کر سکا۔ اگرچہ دریا کو بھی ساحل قرار دیدیا یعنی میرے ذوق میں وہ تشنگی ہے کہ اس نے دریا کو بھی ساحل بنا دیا۔ میں یہ بھی کہہ چکا۔ مگر یہ بھی کم ہے اب بھی اپنی تشنگی ذوق و شوق کی حالت کما حقہ بیان نہیں کر سکا۔

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں — گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بڑا افسوس ہے بڑا تعجب ہے کہ میں بزم مے سے یوں پیاسا چلا آؤں تھوڑی دیر کے مان لیجئے کہ میں نے توبہ کر لی تھی اس لیے ساقی سے سوال نہ کیا۔ مگر ساقی نے خود مجھکو کیوں نہ پلا دی۔ اس قسم کے مضمون کے دو شعر شیخ علی حزیں کے یہاں بھی ہیں جو درج ہیں

حیف شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم — پیش ابر کرم پیر مغاں اینہمہ نیست
ما اگر افسردہ ایم صبا را چہ میشود — رہ گم نکردہ بوئے گلے تا دماغ

ہے اک تیر جسمیں دونوں چھدے پڑے ہیں — وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

مجھے کسی کا ایک شعر یاد آتا ہے۔ اسی کو اسکی شرح سمجھ لیجئے یا معنی یا سرقہ یا نقل۔

…ب ہیں اک تیر میں سفتہ جگر و دل دونوں — گئے وہ دن کہ تھا بیمار سے بیمار جدا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں — جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

یعنی عاجزی اور درماندگی میں اگر کوئی تدبیر ہو سکے تو جب جانوں ورنہ جب ضرورت …تھی تو سب تدبیریں خیال میں آتی تھیں مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اچھے ہوشیار بیوقوف …اتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے ؎

…ب آنکھ تھی بند دیکھتے تھے سب کچھ — جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

…ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا — بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا گھر رونے سے ویران ہو گیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ گھر جہاں اب …ہے اگر دریا نہ ہوتا تو ویران ہوتا۔ غرضکہ ہر حالت میں ویران ضرور رہتا۔ ایک جگہ کہتے ہیں

…ب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے — خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

…ل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے — کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

میں تنگی دل کی کیا شکایت کروں۔ اگر میرا دل تنگ نہ ہوتا۔ تو اس کی شگفتگی اور واشدگی …نی کے درجہ پر پہونچ جاتی۔ یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے جیسا پہلا شعر ہے کہ۔

…ں کو الغرض ہے مصیبت ہی ہر طرح — ہو وہ سبک جو تیری نظر میں گراں نہ ہو

…ں عمر ورع بار تو دیتا بارے — کاش رضواں ہی در یار کا درباں ہوتا

…س سے در یار کی درباں کی سنگدلی کا اظہار مقصود ہے کہتا ہے کہ وہ ایسا سنگدل … عمر ہم عشق یار میں مبتلا رہے۔ مگر وہ ہم کو اس کے گھر میں جانے کی اجازت نہیں …ش بجائے اس کے رضواں اس گھر کا درباں ہوتا کہ عمر بھر عبادت کرتے تو اس …ن ہمیں داخل تو ہونے دیتا۔ مگر یہاں تو ہنوز روز اول کا مضمون ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۔ ڈبویا مجکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ شعر مذاق تصوف میں کہا گیا ہے یعنی صوفیہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ سب اُس سے یا اُسمیں سے ہیں تو اس میں سے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ لایتجزی ہے بلکہ سب اُس سے ہیں۔ اور وہ سب سے پہلے بھی تھا اور بعد کو بھی رہے گا۔ کیونکہ صنعت سے صانع کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صنعت کے نہونے سے صانع کی ہستی میں فرق نہیں آسکتا وہ بدستور رہے گی۔ اس لیے مصنف کہتا ہے کہ جب کوئی مخلوق نہ تھی تب بھی خالق موجود تھا۔ اور اگر کچھ نہوتا تب بھی خالق ہوتا۔ کیونکہ لاشے سے شے ہو نہیں سکتی پہلے نہ تھا تو بعد کو کہاں سے آیا۔ مگر مجکو میری ہستی نے ڈبو دیا اور کھو دیا۔ یعنی عین ذات یا اپنے مبدء سے علیحدہ کر دیا۔ کاش میں نہوتا۔ تو کیا بگڑ جاتا۔ صرف اس ہستی نے مجھے جدا کر دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

ما ہما عین خودیم اما خود از وہم دوئی ۔ درمیاں ما و غالب ما و غالب حایل است

حکیم ہمام کہتے ہیں کہ فنا کے بعد پھر اپنے مبدء سے مل جائیں گے فرماتے ہیں ؎

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام ۔ آنہم امید کہ روزے زمیاں برخیزد

ہوا جب غم سے یوں بیحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا ۔ نہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

جب غم نے اس کو بیحس کر دیا تھا تو اب میرا سر جو کٹ گیا ہے اُس کے کٹنے کا کیا غم ہو نہ کٹتا تو وہی بدستور زانو پر رکھا ہوتا۔

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے ۔ وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

غالب کو مرے ہوئے مدت ہو گئی مگر اب بھی اس کی بحث و تحقیر کی عادت یاد آتی

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا ۔ یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

باغ کا ایک ذرہ زمین بھی بیکار نہیں ہے یہاں تک کہ یہاں جادہ بھی چراغ لالہ کی بتی ہے داغ کو چراغ کے ساتھ اکثر استعارہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مفہو

پیدا ہوتا ہے کہ روشوں کی پٹریوں نے باغ کی رونق کو اور چار چاند لگا رکھے ہیں یعنی جادہ باعث فروغ چراغ لالہ ہے اگر داغ کو چراغ نہ مانا جائے اور داغ بھی مانا جائے تو فتیلہ سے مراد وہ بتی ہوگی جو زخم میں رکھتے ہیں تیسرے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کثرت نشوونمائے لالہ اسقدر ہے کہ جادہ رگ گل لالہ بن گیا یعنی وہ بالکل پھولوں میں چھپ گیا ہے۔

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل ۔ کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

بلبل کے حال پر پھول ہنس رہے ہیں کیونکہ عشق کو اطبا نے خلل دماغ کہا ہے یا یہ کہ عشق کی کسی کی نظروں میں وقعت نہیں ہے ؎

ن سنتا ہے زمانہ میں کسی کا درد دکھ ۔ نالۂ بلبل پہ گل بھی خندہ زن ثابت ہوا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے ۔ تریاکی قدیم ہوں دود چراغ کا

یہ نشۂ فکر سخن سے میں ابھی سرشار نہیں ہوا ہوں بلکہ ہمیشہ چراغ کے دھوئیں کی افیون کھاتا رہا ہوں یعنی میں نے ہمیشہ راتوں کو فکر سخن میں صرف کیا ہے ؎

دود چراغ خوردہ شب اور وہ ام بہرہ زر ۔ معذورم ار نماندہ دماغ مرا تری

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے ۔ پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

یہ نہیں ہے کہ ہم قید عشق سے کبھی آزاد ہی نہیں ہوئے مگر ہمارا دل ہی فراغت کا دشمن ہے وہ آپ گرفتار ہوتا ہے اور اس کو گرفتاری کا شوق ہے پھر ایسی حالت میں ؎

یوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم ۔ آپ اٹھالاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی ۔ کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

بے شراب کے آشوب ہوشیاری کے برداشت کرنے کی کسے طاقت ہے اسی لیے میرے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کھینچکر صفحۂ دل پر سے اُسے کاٹ دیا۔ خط کھینچ دینے کے بجائے خط ایاغ کھینچ دینا ایک لطیف معنی رکھتا ہے یعنی اُس کے مقابلہ پر اس کو ترجیح دی اور حسن خیر

کی وجہ سے ترجیح دی اسی کے خطاسے آشوب آگہی کو رد اور باطل کیا یعنی ہوشیاری کے مقابلہ پر میں نے بیہوشی کو اچھا سمجھا دنیا میں بے عقل اور بیہوش بنکر رہنے کو شعرا اچھا جانتے ہیں۔ خود غالب فرماتے ہیں کہ ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ۔۔۔ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

حالی فرماتے ہیں ؎

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت ۔۔۔ فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

دیوانہ باش تا غم تو دیگران خورند

بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار ۔۔۔ یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

نشہ بھی آنکھوں میں ہوتا ہے نظر بھی آنکھ میں ہوتی ہے مصنف کہتا ہے کہ خون دل کے بغیر مجھے اپنی موج نگاہ یعنی نظر غبار معلوم ہوتی ہے جو باعث تکلیف ہے۔ خون دل کو شراب سمجھا ہے اور آنکھ کو میکدہ قرار دیا ہے یعنی یہ میکدہ تلاش شراب میں خراب ہو رہا ہے۔ مے وہی خون دل ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ بغیر مے کے اس میکدہ میں خاک اُڑ رہی ہے۔

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل ۔۔۔ ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل ہے تو ابر بہار کس کے دماغ کے لئے خمکدہ ہے وہ بھی تیرے ہی لیے ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ میرے سرور دل کا مایہ بساط جو کچھ ہے وہ تیرے حسن کا ہرا بھرا شگفتہ باغ ہے۔ ابر بہار سے مستی کا دماغ میرے دماغ کو نہین ہے۔

وہ مری چین جبیں سے غم پنہاں سمجھا ۔۔۔ راز مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا

میری چین جبین سے اس نے میرے غم پنہاں کو معلوم کر لیا اور خط کے بے ربط مضمون کو عنوان کی خرابی سے سمجھ گیا چین جبین کی تشبیہ عنوان سے نہایت بدیع

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز ۔۔۔ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

جب سے کہ میں نے اپنے آئینہ (یعنی دل کو) گریبان سمجھا ہے اسی وقت سے اسکے چاک کرنے میں مصروف ہوں۔ گویا جبھی سے اس آئینہ پر صیقل کر رہا ہوں مگر اب تک یہ پورے طریقہ سے صاف نہیں ہوا۔ یا یہ گریبان آتنا پھٹا ہے کہ ایک الف کا نشان بن گیا ہے آزاد قلندر منش لوگ اپنے سینہ پر ایک الف کا نشان کھینچ لیا کرتے ہیں یعنی صفائی دل خاطر خواہ حاصل نہیں ہوئی۔ بیش نہیں فارسی کی زبان ہے۔ اُردو میں آنا کچھ اچھا نہیں ہے غالب نے ایک جگہ اور انہیں الفاظ کا دوسرے مضمون میں اعادہ کیا ہے فرماتے ہیں ؎

دور کن نقش دوئی از ورق سینہ ما ۔۔۔ اے نگاہت الف صیقل آئینہ ما

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ ۔۔۔ اسقدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

میری گرفتگی دل کی شرح نہ پوچھ۔ مختصر یہ ہے کہ میرا دل غموں سے اس قدر تنگ ہو گیا کہ میں اپنے دل کو قید خانہ سمجھتا ہوں۔ اور قید خانہ بھی ایسا تنگ قید خانہ کہ جس کی شرح (جس کے معنی کھلنے کے ہین) بھی نہیں ہو سکتی۔ یا لفظ شرح کی بھی اس میں گنجایش نہیں۔ اور یہ سب علایق دنیوی کے سبب سے ایسا ہوا۔ مرزا یاس عظیم آبادی نے جو غالب کے طرز بیان اور وقت پسندی کے سخت ترین مخالف ہین۔ اور جنھوں نے مرزا کی زبان کو دیوزاد کی زبان کہا ہے اپنی صاف زبان میں یوں اس کی شرح کی ہے ؎

زندگی کشمکش رنج و محن میں گذری ۔۔۔ چار دیوار عناصر کو میں زندان سمجھا

حالانکہ مرزا غالب کے یہاں زندان سمجھنے کے مناسب الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً گرفتاری تنگی وغیرہ۔ مگر یہاں یہ کچھ نہیں ہے صرف چار دیوار ہے جس سے زندان کے ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے مگر ہم اس بات کی داد دیے بغیر نہین رہ سکتے کہ غالب کے الفاظ و خیال کو خوب بدل دیا ہے۔

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام ۔۔۔ رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ حیراں سمجھا

میری بدگمانی نے اس کا چلنا پھرنا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ چلتے وقت جو اس کے رُخ پر

ینہ آیا تو پسینہ کے قطروں کو میں نے رقیب کی حیران آنکھیں سمجھیں یعنی میں سمجھا کہ وہ اسکو
رہا ہے۔ قطرۂ عرق میں فک اضافت ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میرا معشوق اتنا
ان ہے کہ سرگرم خرام بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ چلتے وقت جو شرم یا حرکت سے اس کو پسینہ
ہے اس پسینہ کے قطرہ قطرہ کو وہ دیدۂ حیران عاشق جانتا ہے۔

سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا — نبض خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا

میں نے اپنے عجز ہمت سے یہ سمجھ لیا کہ وہ بد مزاج ہے۔ گویا تنکے کی نبض دیکھی اور شعلہ
حال معلوم کر لیا یعنی ہمت خود کرنے کی کچھ نہیں تھی اور الزام اس کو دیا۔ نبض خس سے
عجز ہمت اور شعلہ سوزاں سے اس کی بد خوئی کا استعارہ کیا ہے۔

عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی — ہر قدم سایہ کو میں اپنا شبستاں سمجھا

عشق کے سفر میں میرے ضعف نے راحت طلبی کا پہلو اختیار کیا اور ہر قدم سایہ
میں نے سمجھا کہ یہی میرا گھر ہے۔ اور یہی میری منزل ہے اور اس صورت میں مجھے قدم
پر ٹھہرنا پڑا۔ قاعدہ ہے کہ راہ میں جب مسافر تھک جاتا ہے تو اس کو آرام کی تلاش
تی ہے۔ ایک شعر اسی مضمون کا غالباً مرزا داغ مرحوم نے فرمایا ہے ؎
ے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے — بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

گریزاں مژہ یار سے دل تا دم مرگ — دفع پیکان قضا اسقدر آساں سمجھا

میرا دل مرتے وقت تک اس کے مژہ سے گریز کرتا رہا۔ حالانکہ مژۂ یار پیکان قضا
جس کا روکنا اور دفع کرنا غیر ممکن تھا۔ مگر اس بے وقوف نے اس کا دفع کرنا ایسا
ان سمجھا اور آخر نہ بچ سکا۔ یہ تا دم مرگ سے پتہ چلتا ہے۔

دیا جان کو کیوں اسکو وفادار اسد — غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

اس کو وفادار سمجھ کر دل اس کو کیوں دیا۔ اسد یہ تمھاری بھی غلطی ہے کہ تم نے ایک
کو مسلمان سمجھا۔ میں یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظم صاحب نے علاوہ گزشتہ

بہت سے شعروں کے اس شعر میں بھی جان اور دل کے لفظ سے مرزا مرحوم پر ضلع جگت کا الزام
لگایا ہے میں کہتا ہوں کیا ایسے ہی مناسب الفاظ کہ جن کی نشست اس خوبی سے واقع
ہوئی ضلع جگت سمجھے جاتے ہیں۔ یوں کافر اور مسلمان کا لفظ بھی اس میں موجود ہے۔ اگر
ایسا ہی خیال کیا جائے تو شاید کوئی صاف سے صاف شعر بھی اس سے خالی نہو گا ؎
کشتۂ دل خویشم کہ از ستمگراں یک سر — دید دلفریبہا الفت مہربانیہا
اس میں ایک لفظ حشو قرار دیا جا سکتا ہے۔

دل جگر تشنۂ فریاد آیا — پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا

میرے دل اور جگر کو پھر فریاد کی تشنگی پیدا ہوئی اور اس تقریب سے پھر دیدۂ تر
یاد آگیا کہ یہ تشنگی رونے ہی سے بجھے گی۔ آیا دوسرے مصرعہ کا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ
ہے۔ اردو میں ہوا اس کے بجائے بولیں گے۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقت سفر یاد آیا

ہنوز قیامت یعنی میرے اضطراب کو تسکین نہیں ہوئی تھی کہ تیرا وقت سفر یاد آگیا
اور قیامت میں قیامت برپا ہو گئی۔ داغ ؎
ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا — پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

سادگیہائے تمنا یعنے — پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

میری آرزوئیں کتنی سادی ہیں کہ اسی نیرنگ نظر کو جس نے مجھے تباہ کر دیا یاد کرتی ہیں
میرا شعر ہے ؎
ہمیں تو دیکھئے جس نے کیا ہے ہم کو تباہ — تباہ ہو کے بھی ہم اس نظر کو دیکھتے ہیں
دوسرے معنی نیرنگ سے یہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیرنگ جادو۔ اور افسوں وغیرہ کو
کہتے ہیں تو اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ میری سادہ تمنائیں خیال کرتی ہیں کہ شاید
وہ نیرنگ نظر ہمارا کچھ کام بنا دے گا۔ اُن کی سادہ لوحی اس سے ظاہر ہے کہ انکو اس
نیرنگ کا علم بھی ہے مگر پھر بھی یہی خواہش بیجا ہے۔

عذر واماندگی اے حسرت دل — نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

اے حسرت دل تیرے تقاضہ پر چاہتا تھا کہ نالہ کرون مگر مجھے اس وقت اپنا جگر
ستہ یاد آگیا۔ اس لیے مین نے فریاد نہ کی پہلے مصرعہ مین قبول کر۔ اور دوسرے مصرعہ
ن کہ محذوف ہے۔

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی — کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

ہماری زندگی یون بھی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی رہے تیرا راہ گذر فضول یاد آیا کہ اسکو
دکر کے مین مر گیا مرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب ہم اس رہ گذر پر گذر نہین سکتے اور کبھی رات دن
ں رستہ کو روندا کرتے تھے حسرت صاحب یہ شرح لکھتے ہین کہ جب کامگاری ممکن ہی
ہین ہے تو تیرا رہگذر بیکار ہی یاد آتا ہے یعنی جب وہان بھی بحالت ناکامی بسر ہوگی تو
ں کا یاد آنا عبث ہے یون بھی زندگی کسی نہ کسی طور پر گذر ہی جاتی۔
نظم صاحب فرماتے ہیں تیرا راہگذر یاد آنے سے میری زندگی گذر گئی اور یہ بات اچھی
دی کہ مین زندگی سے بیزار تھا لیکن اس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ و قلق ہوا کہ کاشکہ
یاد آیا ہوتا تو زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی۔
ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہم کو زندگی بار تھی اور تیرا راہگذر یاد آیا جہان جاکر ہمارا
رجانا مسلم ہے یون بھی کسی نہ کسی طرح مر ہی جاتے جب مرنا کسی نہ کسی صورت ضرور ہے تو
ہان اور وہان برابر ہے اس کا یاد آنا عبث ہے ؎
فا کیسی کہان کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستان کیون ہو

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی — گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

داروغہ بہشت رضوان سے میری لڑائی ہوگی اور بڑی لڑائی ہوگی اگر تیرا گھر مجھکو
ہشت مین یاد آیا۔ کیونکہ مین بہشت پر تیرے گھر کو ترجیح دیتا ہون۔ یا یہ کہ مین بمقابلہ
شت کے تیرے گھر کو ترجیح دون گا۔ اور وہ مجھ پر خفا ہوگا۔ یا رضوان بہشت مین جب
را گھر نہ دے سکیگا تو مین لڑون گا۔ دو شعر اور اسی قبیل کے مرزا نے فرمائے ہین ؎

کرتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

کم نہین جلوہ گری مین ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہین

آہ وہ جرأت فریاد کہاں — دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

دل مین جو پہلے فریاد کی جرأت تھی وہ اب کہان ہے۔ اسی لیے مین دل سے تنگ ہو گیا
اور اب اپنا جگر یاد آتا ہے جس مین فریاد کی طاقت زیادہ تھی۔

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال — دل گم گشتہ مگر یاد آیا

میرا خیال پھر تیری گلی مین چلا ہے شاید دل گم گشتہ کے ڈھونڈھنے کو جاتا ہے اور
اس کا گم ہونا اور وہان کسی جگہ رہ جانا اس کو یاد آتا ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جس جنگل مین وحشت مین مین جا نکلا ہون وہ بہت ہی ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر
اپنا گھر یاد آرہا ہے کہ وہ بھی ویرانی مین اس سے مشابہ ہے یا یہ کہ اس جنگل کی ویرانی دیکھکر
جی چاہتا ہے کہ گھر لوٹ چلین۔
مومن مرحوم کہتے ہین کہ ؎
جائین وحشت مین سوئے صحرا کیون — کم نہین اپنے گھر کی ویرانی

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ — سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

یعنی ہم وہ آشفتہ سر تھے کہ کبھی اپنے سر دیا کا ہوش نہیں رہا اور یہ حالت کچھ آج
نہین بلکہ بچپن مین بھی ایسے ہی تھے انتہا یہ ہے کہ شوخی سے ہم نے مجنون کے سر مین
مارنے کو جب پتھر اٹھایا ہے تب اپنا سر یاد آیا اور پھر وہ پتھر اپنے ہی سر مین مار لیا۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا — آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

اس شعر مین وہ جامع الفاظ ہین جن سے اس قدر عبارت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ یعنے معشوق کچھ دیر مین عاشق کے پاس پہونچا ہے اور عاشق اس سے دیر مین آنے کی شکایت کرتا ہے اور معشوق کہتا ہے کہ ہان تاخیر ہوئی جس کے جواب مین عاشق پھر کہتا ہے کہ تاخیر ہوئی تو کچھ تاخیر کا سبب بھی تھا یا بلا وجہ تاخیر ہوئی۔ پھر وہ جواب دیتا ہے کہ ہم آرہے تھے اسپر عاشق پھر کہتا ہے کہ آتو رہے تھے مگر اس تاخیر سے جو باوجود عزم مصمم کے آپ کے آنے مین ہوئی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آپ کو روک بھی رہا تھا اور روکنے والا سوا اس کے جس سے آپ کی بے تکلفی ہو کوئی نہین ہوسکتا ۔ سراج لکھنوی

مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور
آپ نے تاخیر کی اور جان کر تاخیر کی

تمسے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ — اسمیں کچھ شائبۂ خوبی تقدیر بھی تھا

صرف تم ہی میری تباہی کے باعث نہیں ہو بلکہ اس مین میری تقدیر بھی شامل ہے گویا ۔ غالب ۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر مین — تیرے سوا بھی ہمپہ بہت سے ستم ہوئے

یہ شعر بہت اچھا ہے اس مین حد عشق اور ادب حسن کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں — کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

مصنف نے عجب انداز سے اپنی یاد دلائی ہے کہتا ہے کہ مین وہ ہون جسے کبھی شکار کرکے تو نے اپنی فتراک مین باندھا تھا ۔ ایک میرا شعر ہے ؎

یاد کرا دیں وہ ہون جسے بھولا ہے تو — اب تو پہچان کے اے وعدہ فراموش مجھے

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد — ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا

اس شعر پر مرزا یاس نے ایک مرتبہ ان الفاظ سے اعتراض کیا تھا اک رنج گرانباری تھا مگر کچھ اک رنج کے کیا معنی کچھ بھی اور اک بھی یہی استادی اور قادر الکلامی ہے اس کا جواب یون دیا گیا ہے کہ یہان لفظ کچھ اور ایک پر اعتراض ہے کہ دونون ایک ہی معنی

بتا رہے ہین اور اس طرح یکجائی استعمال مین کوئی ایک ضرور حشو ہوگا لیکن اگر عالیجاہ کو شعر کا مطلب سمجھنے اور باریکیون پر خیال کرنے کی عادت ہوتی تو یہ اعتراض نہ سوجھتا شاعر کہتا ہے قید کی حالت مین تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد ہے اور ہان اک گرانباری زنجیر کا اور بھی رنج تھا مگر زیادہ نہین کچھ یونہی سا اب دیکھئے تو دونون لفظ ہم معنی نہین رہے اور شعر مین ایک خوبی پیدا ہوگئی جو بلا اجتماع کے ممکن نہین تھی ۔ از گلدستہ خیال فروری ۲۶ء

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا — بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یہ کیا کہ آپ جلوہ دکھا کر آنکھوں کے آگے سے اوجھل ہوگئے مین صرف دیدار ہی کا مشتاق نہ تھا بلکہ میرے لب تقریر کے بھی تشنہ تھے لہذا چاہیے تھا کہ آپ کچھ بات بھی کرتے اس ایک جھلک دکھانے سے تو صرف ایک بجلی سی آنکھون کے آگے کوند گئی جسنے اور آنکھون کو خیرہ کر دیا اور کچھ نتیجہ نہوا ۔

یوسف اسکو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی — گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

اس کا حسن یوسف کے حسن سے زیادہ ہے ۔ مین اس کو یوسف کہوں اور وہ کچھ نہ کہے بس یہ سمجھو کہ یہ خیریت ہوئی ۔ ورنہ اگر اس بات پر وہ خفا ہو جائے تو بجا ہے اور مجھکو سزا دے تو درست ہی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سمجھے کہ مجھے غلام بنایا ۔ تو اسپر اس کا غصہ درست ہے میرا شعر ہے ؎

وہ یون ہی اک تو اے دل نام سے یوسف کے چڑھتے ہین
اور اک تم ہو کہ یوسف کہہ کے ثانی اور کہتے ہو

دیکھکر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا — نالہ کرتا تھا و لے طالب تاثیر بھی تھا

غیر کو دیکھ کر میرا دل کیون نہ ٹھنڈا ہو کہ مین نے اس کو روتے دیکھا اور ساتھ ہی اپنے دعا کے اثر کا طالب تھا ۔ تو اس سے میرا جی خوش ہوا کہ اس کی نالہ و آہ بھی بے اثر ہے اور تو اس سے بھی ناراض ہے ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی — گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

پیشہ میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کو نام ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جوانمیر بھی تھا

جاہلانہ مثل مشہور ہے کہ پیشہ حبیب اللہ اسی بارہ میں مصنف کہتا ہے کہ فرہاد کا پیشہ کوہکنی وغیرہ تھا۔ اور عاشقوں میں کوئی پیشہ ہونا اک عیب ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ فرہاد کے لئے پیشہ کوئی عیب نہیں تھا کیونکہ کوہکنی جو اس کا پیشہ تھا وہ محض معشوق کے انقیاد اور فرمانبرداری کے لئے تھا ورنہ وہ بھی ایک ہم ہی جیسا آشفتہ سر تھا۔ اگرچہ بجائے ہم ہی کے ہمیں لکھنا صحیح ہے مگر اس جگہ ہم ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جوانمیر وہ جو جوان مرجائے۔

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

ہم مرنے کو کھڑے ہی تھے یار تلوار لیکر ہمارے پاس نہیں آیا تھا نہ سہی آخر اس کے پاس کوئی تیر تو تھا دور ہی سے کھینچ کر مارتا اور ہمارا کام تمام کر دیتا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

محض ظرافت کی راہ سے یہ شعر لکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ جو کراماً کاتبین نے لکھ دیا بس وہ پتھر کی لکیر ہوگئی آخر جب انھوں نے لکھا تو اس وقت کوئی ہمارا آدمی بھی تھا۔ کیونکہ ہر معاملہ فریقین کے سامنے طے ہوتا ہے اور جب ہی کوئی دستاویز وغیرہ لکھی جاتی ہے۔

ریختی کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

ریختی۔ ریختہ اردو کی شاعری کو کہتے ہیں یعنی غالب اردو کی شاعری کے کچھ تنہا تم ہی استاد نہیں ہو پہلے زمانہ میں کوئی استاد میر بھی تھا۔ میر سے میر تقی مراد ہیں۔ ایک جگہ اور بھی کہتے ہیں ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

لب خشک در تشنگی مردگاں کا زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

میں اُن لوگوں کا جو پیاس میں مرگئے ہیں لب خشک ہوں اور میں وہ محروم رنجیدہ

دل ہوں کہ دل آزردوں کا زیارت گاہ ہوں —

ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

میں اُن لوگوں کا دل ہوں جنھوں نے وفا کا فریب کھایا ہے اور آخر میں اُن کے ارمان مایوسیوں سے بدلے ہیں اسی طرح میں بھی سراسر بدگمانی اور یاس بنا ہوا ہوں اور گویا انھیں کا دل ہوں ؎

سر بسر یاس ہوں میں اور ہمہ حرماں ہوں میں شاید اپنے دل مایوس کا ارماں ہوں میں

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہوا تھا

اے ستمگر تو کسی کا بھی دوست نہ ہوا تھا اوروں (یعنی غیروں) پہ تو نے وہ ظلم کئے ہیں جو مجھ پر بھی نہیں کیے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ میں مطمئن تھا کہ تو اوروں پر ظلم نہیں کرتا اور سب ظلم سب میرے ہی لیے ہیں مگر یہ خیال بھی غلط نکلا۔ بہت سے نئے ظلم۔ یا بڑے ظلم تو نے مجھ پر نہیں کیے اور غیروں پر کیے اور مجھے محروم رکھا۔ اسی بنا پر یہ شکایت کی گئی ہے۔ جیسے کہ داغ مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کھانے کے لئے وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے

مرزا یاس نے اعتراض کیا ہے کہ اس شعر کی ردیف بیکار ہے اور اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ بھی کی جگہ ہے اکثر نسخوں میں دیکھا گیا ہے۔ اس صورت میں ردیف بیکار نہیں رہتی۔ مگر ہمارے نزدیک ہے صحیح نہیں ہے بھی صحیح ہے اور ردیف بیکار نہیں ہے۔ کیونکہ شاعر کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ راز مجھ پر اب کھلا ہے کہ پہلے میں تجھے سمجھا ہوا تھا کہ تو اوروں کا دوست ہے مگر نہیں تو کبھی کسی کا بھی دوست نہیں ہوا تھا۔

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے خورشید ہنوز اسکے برابر نہ ہوا تھا

ماہ نخشب ایک چاند تھا جسے حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقنع نے سیماب وغیرہ سے بنایا تھا یہ چاند ایک کنویں سے نکلا کرتا تھا اور اس کی روشنی چار فرسنگ تک ہوتی تھی۔ پھر بھی وہ اصلی چاند کے مقابلہ میں بالکل ماند تھا۔ اسی طرح شاعر کہتا ہے کہ

خورشید ہنوز میرے مہر انور میرے معشوق کے حسن وجمال کے برابر نہین ہوا تھا اور اُسکے مقابلہ مین اُس مین ابھی روشنی پیدا نہوئی تھی کر دست قدرت نے اس کو ناقص چھوڑدیا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے　　آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہوا تھا

جس کی جتنی ہمت ہے اتنی ہی توفیق الٰہی اسکی مدد کرتی ہے دیکھ لیجئے کہ جو قطرہ گوہر بننے کو پسند نہین کرتا وہ آنکھون مین رہتا ہے۔ ورنہ اگر موتی ہوتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کانون تک یا تاج شاہی تک پہونچتا ہے۔

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہون　　یعنی سبق شوق مکرر نہوا تھا

مین بیوقوف یار کی رنجیدگی سے خوش ہون کہ میرا عشق مکرر نہوا تھا یعنی لڑائی ہوکر صلح نہین ہوئی اور وہ وحشتین اور وہ محبتین نئے سر سے تازہ نہین ہوئین اور یہ بھی میری سادگی ہے کہ رنجیدگی ہی سے خوش ہون۔ داغ ایک جگہ فرماتے ہین ؎

بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

جبتک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم　　مین معتقد فتنۂ محشر نہوا تھا

قیامت کو قامت سے اکثر تشبیہ دیتے ہیں اور یہ مضمون پامال ہے کہتا ہے کہ جبتک قد یار مین نے نہ دیکھا تھا اُس وقت تک مجھے قیامت کا اعتقاد نہین ہوا تھا۔ ایک جگہ یون فرمایا ہے ؎

ترے سرو قامت سے اک قد آدم　　قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہین

امیر اور داغ مرحوم کے مشہور مطلع انھین مضامین مین کہہ گئے ہیں۔

امیر
سایہ مین اک بلند قامت کے
فتنہ سب سوگئے قیامت کے

داغ
عشق مین اک بلند قامت کے　　ہم گلے مل گئے قیامت سے

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سر دامن بھی ابھی تر نہوا تھا

اس مین اپنے کثرت معاصی کا اظہار مقصود ہے کہ گناہ کا دریا خشک ہوگیا اور میرے دامن کا ایک کونا بھی نہ بھیگا تھا یعنی جتنی معاصی تھے اُن سب کا ارتکاب مین کر چکا اور ابھی میرے دل کی ایک ذرا سی بھی حسرت نہین نکلی۔ آزاد مرحوم لکھتے ہین کہ استاد ذوق مرحوم شعر مذکور بہت پسند کرتے تھے۔

جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل　　آتشکدہ جاگیر سمندر نہوا تھا

جیسی کہ داغ جگر سے میری تحصیل جاری ہے یعنی اُس کی بدولت گرم نالہ وآہ کرتا ہوں اسی طرح آتشکدہ سے بھی سمندر کو فائدہ نہوا تھا۔ یا جب سے آتشکدہ داغ سے میری تحصیل جاری ہے کہ آتشکدہ مین سمندر کا وجود بھی نہوا تھا ؎

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اُس زمانہ سے　　کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا　　رشتہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

وہ موصوف خلوت فروز کسوت ناموس صفت۔ رات کہ وہ خلوت فروز مجلس ناموس محفل مین تھا تو فانوس کے لئے شمع کا ہر ایک رشتہ خار لباس بنا ہوا تھا یعنی شمع سے اس کو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ شرمندہ تھا۔

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا　　کسقدر یارب ہلاک حسرت پابوس تھا

جس جگہ عاشق شہید ہوا تھا۔ وہان کوسوں تک جو مہندی اُگتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے دل مین تیرے قدم چومنے کی حسرت تھی اور بہت حسرت تھی یہ جو مرنے کے بعد بھی نہین گئی اور اس کی خاک سے حنا اُگتی ہے کہ شاید اسی بہانے پابوسی نصیب ہو یہ مضمون مختلف طریقون سے باندھا گیا ہے شاید آتش مرحوم کا شعر ہے۔

بجائے سبزہ کنگھی اُگ رہی ہے میرے مدفن پر

یا خود غالب مرحوم ایک جگہ فارسی مین فرماتے ہین ؎

لالہ و گل دمد از طرف مزارش پس مرگ　　تا چہا در دل غالب ہوس روے تو بود

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو　　دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

محبت کا حاصل سوائے آرزوؤن کے خون ہونے کے ہم نے کچھ نہین دیکھا۔ دو ٹکڑے ہوئے دل گویا لب افسوس تھے یہ تشبیہ بدیع ہے جس کا اُردو کے شاعرون کے یہان ملنا دشوار ہے۔

کیا کہون بیماری غم کی فراغت کا بیاں ۔۔۔ جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

مین بیماری غم کی فراغت کا کیا بیان کرون اُس نے مجھے بہت سے جھگڑون سے آزاد کر دیا کیونکہ غذا جب ہضم ہوتی ہے تو اس کو کیلوس کہتے ہین پھر جو اُس سے خلاصہ حاصل ہوتا ہے وہ جگر مین ہضم ہوتا ہے اُس کو کیموس کہتے ہیں مگر خون کھانے مین کبھی کیلوس اور کیموس کا جھگڑا پیش نہین آتا۔ ہمیشہ خون دل کھاتا ہون اور وہ ہضم ہو جاتا ہے۔ کیا کرون کی جگہ کیا کہون لکھا گیا ہے اس مین شاید مصنف نے کچھ مصلحت رکھی ہو ورنہ اردو کا محاورہ بیان کرنا ہے نہ کہ بیان کہنا۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے ۔۔۔ صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

آپ ہم کو طعنے دیکر کہتے تھے کہ ہم تو کسی پر عاشق نہو جائین ہمین تو کسی کا حسن فریفتہ کر لے مگر یہ باتین جبھی تک بھین جبتک آئینہ نہ دیکھا تھا اب جو آئینہ دیکھا اور اُس مین اپنا حسن لاثانی نظر آیا تو اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور عاشق ہونا ہی پڑا۔ اسمین معشوق کے حسن کا کمال ظاہر کیا ہے وہ ایسا حسین ہے کہ آپ بھی اپنے پر عاشق ہو گیا۔

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارئیے ۔۔۔ اُسکی خطا نہین ہے یہ میرا قصور تھا

اس سے یہ دو نون معنی مفہوم ہوتے ہین کہ غریب قاصد کو میرا پیغام پہونچانے پر آپ کیون قتل کرتے ہین یہ اُس نے از خود نہ پہونچایا تھا بلکہ ساری میری خطا تھی کہ مین نے اُسکو بھیجا تھا مجھی کو قتل کیجئے۔ دوسرے یہ کہ عاشق بوجہ رشک کے یہ نہین دیکھ سکتا کہ معشوق اپنے ہاتھ سے کسی اور کو قتل بھی کرے اس لیے وہ اُس کو جتا رہا ہے کہ میری خطا ہے اس کی خطا نہین مجھی کو قتل کیجئے یا دوسرے کا قصور بھی اپنے سر رکھے لیتا ہے گردن زدن فارسی کا محاورہ ہے اور گردن مارنا اُس کا ترجمہ ہے اور یہی اُردو کا بھی محاورہ ہو گیا ہے

اگر اس جگہ یہ کہدیا جائے کہ گردن نہ کاٹئے تو کیسا بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے فارسی کے محاورات ترجمہ ہو کر بجنسہ اُردو کے محاورے ہو گئے ہین۔

عرض نیاز عشق کے قابل نہین رہا ۔۔۔ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

عرض ظاہر کرنا۔ نیاز عاجزی یعنی مین اس قابل نہین رہا کہ عشق کے عجز و نیاز کو ظاہر کر سکون کیونکہ یہ سب کچھ دل کی بدولت تھا کہ دل عشق کا مسکن تھا مگر وہ عشق کے صدمے اٹھاتے اٹھاتے مٹ گیا اور اس طرح میری مایۂ ناز چیز میرے ہاتھ سے جاتی رہی اسی زمین مین میرا مطلع ہے۔

روتا ہون یون کہ شوق بھرا دل نہین رہا ۔۔۔ یعنی مین تیرے ظلم کے قابل نہین رہا

مومن مرحوم نے بھی بہ تبدیل قافیہ اس زمین مین مطلع خوب کہا ہے

دل قابل محبت جانان نہین رہا ۔۔۔ وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیان نہین رہا

جاتا ہون داغ حسرتِ ہستی لیے ہوئے ۔۔۔ ہون شمع کشتہ درخور محفل نہین رہا

مین حسرت ہستی کا ایک داغ اپنے ساتھ لیے جاتا ہون گویا مین ایک بجھی ہوئی شمع ہون جو محفل کے قابل نہین ہے۔ اسمین مصنف نے دو تین ایسی نازک باتین بیان کی ہین جو بے مثل ہین ہستی کا استعارہ محفل سے کیا ہے مرنیوالا ابھی جب مرتا ہے تو اُس کے دل مین بھی حسرت زندگی کا داغ ہوتا جو اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور شمع کو بھی شعرا پر داغ کہتے ہین جب وہ بجھتی ہے تو وہ داغ اپنے ساتھ لیجاتی ہے شمع کشتہ کو بھی اٹھا دیا جاتا ہے اور مردہ بھی اٹھا دیا جاتا ہے مردہ بھی کوئی فائدہ بزم ہستی کو نہین پہونچاتا اور شمع کشتہ بھی کسی فائدہ کے پہونچانے کے قابل نہین رہتی۔ ایسے شعرون پر اُردو کی شاعری جس قدر ناز کرے کم ہے مرزا ثاقب لکھنوی کا ایک شعر ہے جس مین وہ غالب کے اس شعر کے تمام مطلب کو اگرچہ بیان نہین کر سکے مگر شعر کے اچھے ہونے مین شبہ نہین ہے

ٹھہری نہ کوئی شے بھی جب ساتھ جانے والی ۔۔۔ ہستی کی انجمن سے اک داغ لیچلا مین

ایک میرا شعر ہے

لیچلا باغ جہان سے گل داغ ہستی ۔۔۔ پئے یاران عدم مل گئی سوغات مجھے

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین — شایان دست و بازوئے قاتل نہین رہا

میرے نزدیک تو مصنف اس مین صرف اپنی گرانجانی کا اظہار کرتا ہی اور دست و بازوئے قاتل جس سے نزاکت دست و بازو مراد ہی اس کی تائید کے لیے الفاظ موجود ہین مگر نظم صاحب نے اس کی یہ شرح لکھی ہی کہ میرا حال ایسا غیر ہوا ہی کہ وہ مجھے صید زبون سمجھتا ہی یہ معنی بھی بعید از قیاس نہین ہین اس مضمون کو ایک جگہ نظیری یا فیضی کہتا ہے ؂

آن شکارم من کہ ہم لایق بہ کشتن نیستم — شرم می آید مرا زانکس کہ صیاد من است

بر روئے شش جہت در آئینہ باز ہے — یان امتیاز ناقص و کامل نہین رہا

بر روئے مقابل شش جہت سے مراد دنیا مجازاً کیونکہ دنیا کی چھ طرفین ہین زیر بالا مشرق مغرب شمال جنوب یعنی دنیا کے مقابلہ پر ہر طرف آئینہ خانہ کھلا ہوا ہی اور اس سے ناقص و کامل سب حیران ہین یعنی اسرار قدرت کے سمجھنے مین تمام عقلمند اور بیوقوف حیران ہین ؂ غالب

ہر ذرہ محو جلوہ حسن یگانہ ایست — گوئے طلسم شش جہت آئینہ خانہ ایست

واکر دیے ہین شوق نے بند نقاب حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا

میرے جذب چشم شوق نے حسن کو بالکل بے پردہ کر دیا ہے اور میرے اور اس کے درمیان مین اب کوئی حجاب حائل نہین ہی۔ اگر ہے تو صرف نگاہ ہی جس سے مین اسکو دیکھ رہا ہون۔ نگاہ کو اس لیے حائل کہا ہی کہ وہ اس کے جمال جہان آرا کو دیکھ نہین سکتی

سعدی رح ؂

درمیان من و دلدار حجاب است ہمام — آنہم امید کہ روزے زمیان برخیزد

مرزا قوی لکھنوی۔

اب دور کیا ہین جلوہ جانان کی لذتین — اک پردہ رہ گیا ہے تو وہ بھی نگاہ کا

دل سی ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں — حاصل سوائے حسرت حاصل نہین رہا

میرے دل سے وفا کرنے کی خواہش مٹ گئی کیونکہ وہان یعنی معشوق کی سرکار مین سوائے اس کے نتیجہ کی حسرت کے اور کچھ وفا کا حاصل نہین ہی یعنی حسرت حاصل نما ہی۔

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہین رہا

اسد مین عشق کے ظلم سے نہین ڈرتا مگر افسوس یہ ہی کہ جس دل سے عشق کے ناز اٹھاتا اور ظلم سہتا تھا اب وہ مٹ گیا۔ غالباً مصنف نے پہلے یہی مصرع کہا ہی اور اسی کی وجہ سے تمام غزل لکھی ہی پہلا مصرع مین مگر بمعنی شاید لیا جاے تو یہ مطلب ہوگا کہ شاید مین دل کی وجہ سے بیداد سے ڈرتا تھا اب دل ہی نہین پھر خوف کیسا۔

رشک کہتا ہی کہ اسکا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کسکا آشنا

میرا رشک کہتا ہی کہ افسوس اس کو غیر سے محبت ہی اور عقل کہتی ہی کہ وہ بیوفا کسکا آشنا ہی وہ جیسے تیرے ساتھ بیوفائیان کرتا ہی اسی طرح دوسرون کیساتھ کرتا ہوگا۔

ذرہ ذرہ ساغر مے خانہ نیرنگ ہے — گردش مجنوں بہ چشمکہائے لیلا آشنا

دنیا کا ذرہ ذرہ بوقلمونی اور دگر گونی کے میخانہ کا ایک ساغر ہی جو انسان کو حیران و بیخود بنا دیتا ہی دیکھئے جو گردش مجنون کے لیے گردش یعنی تکلیف وہ ہی وہی گردش لیلیٰ کی آنکھون مین بھلی معلوم ہوتی ہی اور انکو پیاری ہی آسی

عالم کا ہر ذرہ جو گردش و انقلاب مین مبتلا ہی یہ نیرنگ فلک کے اشارہ سے ہے۔ یہان لفظ ساغر سے معنی گردش نے تراوش کی اور اسی حالت سے نیرنگ کو میخانہ سے تعبیر کیا ہے اس کے بعد بر سبیل تمثیل کہتے ہین کہ مجنون کی گردش لیلیٰ ہی کے اشارہ سے ہے۔ از شرح نظم صاحب۔

جس طرح گردش مجنون چشم لیلےٰ کے اشارہ کی پابند تھی اسی طرح دنیا مین ذرہ ذرہ نیرنگی عالم کا تابعدار ہی حسرت۔

مین یہ نہین سمجھا ہون کہ تابعداری اور پابندی وغیرہ کے معنی کس لفظ سے مترشح ہوتے ہین۔

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

عاجزوں کے نازش کا سامان پیدا کرنے والا شوق ہے ذرہ کو شوق صحرا بنا دیتا ہے اور قطرہ کو دریا کر دیتا ہے یعنی شوق ذرہ کو صحرا اور قطرہ کو دریا سے ملا دیتا ہے اور صحرا و دریا سے مل کر وہ خود اس لقب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

میں ہوں اور میرا دل ہے جو سلامتی اور عافیت کا دشمن ہے اور آوارگی کا دوست ہے آفت کا ٹکڑا محاورہ ہے۔

شکوہ سنج رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہیئے میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شکایت نکرنا چاہیئے تیرا رفیق آئینہ ہے یعنی اپنے بناؤ سنگار کی وجہ سے اس کو دیکھتا ہے اور میرا رفیق زانو ہے یعنی میں ہمیشہ فکر سے سر بزانو رہتا ہوں آئینہ کو زانو سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ لہذا دونوں برابر ہیں۔

کوہکن نقاش یک تمثالِ شیریں تھا اسد سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

کوہکن عاشق صادق نہ تھا بس ایک شیریں کی تصویر کا نقاش تھا ورنہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ پتھر سے سر مارے اور آشنا پیدا نہ ہو۔ ایک جگہ کوہکن پر اور بھی آوازہ کسا ہے جو گزر چکا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

عشق و مزدوریٔ عشرت گہ خسرو کیا خوب ہم کو منظور نکونامی فرہاد نہیں

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا ہو گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

ہمارا رازداں ہمارا رقیب ہو گیا۔ کہ ہمارے معشوق کا ذکر اپنی زبان سے کرتا ہے یعنی ہم کو اتنا رشک ہے کہ اسکا ذکر اور اسکا نام کسی اور کی زبان سے سننا نہیں چاہتے یا یہ کہ من حب شیًا فاکثر ذکرہ۔ سے میر

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

رشک سے یا تیرے نام کے اثر سے۔

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب آج ہی ہوا منظور اُنکو امتحاں اپنا

اگر ان کی غیر سے بے تکلفی نہوتی تو وہ دشمن کی بزم میں اتنی شراب کیوں پیتے اگر یہ خیال کروں کہ انھوں نے اپنا امتحان کیا ہوگا کہ دیکھوں میں کتنی شراب پی سکتا ہوں تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہی اُنکو اپنا امتحان کیوں منظور ہوا کبھی میرے یہاں تو اتنی شراب نہ پی پس معلوم ہوا کہ یہ سب میری بدقسمتی ہے اور کچھ نہیں۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

ہمارا مکان عرش پر ہے جس سے ہم اُس کی پورے طریقہ سے ماہیت نہیں معلوم کر سکتے اور اس کو دیکھ نہیں سکتے جیسے کہ آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی اس لیے کیا اچھا ہوتا اگر ہمارا مکان عرش سے ادھر ہوتا۔ کہ کسی بلندی کو ہم منظر بناتے اور اُس کی سیر کرتے مگر اب تو اُس سے اونچی کوئی جگہ ہی نہیں کہ اُسے ہم منظر بنائیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی کنہ سے بے خبر ہیں۔

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالینگے بارے آشنا نکلا اُنکا پاسباں اپنا

اچھا ہوا کہ اُنکا دربان ہمارا دوست نکلا اب وہ جسقدر ہم کو ذلیل کرے گا ہم اُس کو مذاق میں ٹالیں گے اور دنیا کی نظروں میں سُبک نہوں گے اور کہتے رہیں گے کہ ہمارا ان کا ہمیشہ سے مذاق ہوتا ہے۔

دردِ دل لکھوں کبتک جاؤں انکو دکھلا دوں انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

میرا درد دل ایسا نہیں ہے کہ اُس کو لکھ سکوں۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ جا کر اُنھیں اپنی زخمی انگلیاں اور خامۂ خونچکاں دکھا دوں کہ لکھتے لکھتے میری یہ حالت ہو گئی اور کچھ نہیں لکھ سکا ابھی ایک دفتر باقی ہے۔ یا یہ کہ اُن سے کہوں کہ میں اپنا درد دل کیونکر لکھوں کہ میری انگلیاں اور میرا قلم میری درد انگیز داستان لکھنے سے موثر ہو کر خونچکاں ہو گئیں۔

گھستے گھستے مِٹ جاتا آپنے عبث بدلا   ننگ سجدہ سے میرے سنگِ آستان اپنا

آپنے اس شرم سے کہ مجھ سے بدنصیب نے اُس پر سجدے کیے ہین اپنا سنگ آستان بدل دیا ناحق بدلا وہ پتھر میرے سجدہ کرتے کرتے خود گھِس جاتا - ایک جگہ یون فرماتے ہین ؎

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھِسے گا   ہون در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

تا کرے نہ غمازی کرلیا ہے دشمن کو   دوست کی شکایت مین ہم نے ہمزبان اپنا

یعنی دشمن بھی دوست کی شکایت مین ہمارا ہمزبان ہے اور یہ ہماری چالاکی ہے کہ ہم نے اُس کو ملا لیا ہے اب یہ ہماری شکایت اُس سے نہین کرسکتا کہ وہ تجھے بُرا کہ رہا تھا -

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے   بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

آسمان ہنرمندون کا دشمن ہوتا ہے مگر ہم ایسے کہان کے عقلمند اور ہنرور تھے کہ آسمان ہمارا دشمن ہوگیا - غالبًا ہم سے اُس کی یہ دشمنی بے وجہ اور بے سبب ہے - مولانا عرفیؔ فرماتے ہین کہ ؎

ازمن بگیر عبرت و کسب ہنر مکن   با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

سُرمۂ مفت نظر ہون مری قیمت یہ ہے   کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

مین وہ سرمہ ہون جس کی قیمت اگر ہے تو یہ ہے کہ خریدار کی آنکھ پر میرا احسان رہے سرمۂ مفت نظر کی طرف اضافت تشبیہی ہے اور ایسی اضافت کو اضافت مجازی بھی کہتے ہین - اس شعر مین غالبًا اپنے کلام کی طرف اشارہ ہو جس کا فیض عام ہے -

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم   تیرے چہرے سے عیان ہو غم پنہان میرا

مجھے رونے کی اجازت دے ایسا نہو کہ میرے اس ضبط کا اثر تیرے دل پر بھی پڑے اور میرا غم تیرے چہرے سے ظاہر ہونے لگے - کیونکہ میرے دل کو تیرے دل سے تعلق مخفی ہے میرے مکرم اُستاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطقؔ کا ایک شعر ہے جس مین نہایت صفائی کے

ساتھ عاشق و معشوق کے تعلق باہمی کو عجیب طریقہ سے بیان کیا ہے ؎

مری گواہی کو محشر مین آپ تو آئے   تری نظر سے ٹپکتا ہوا لہو آئے

غافل بوہم ناز خود آرا ہی ورنہ یان   بے شانۂ صبا نہین طرّہ گیاہ کا

غافل انسان کو اپنی خود آرائی کا وہم ہوگیا ہے اور کسی کام کے بننے پر وہ گمان کرتا ہو کہ یہ کام مین نے بنایا - مگر دراصل دنیا مین ایک کام بھی ایسا نہین ہے جو بغیر حکم الٰہی کے بنتا ہو - قدرت الٰہی ہر چیز کی خبر گیران ہے - یہان تک کہ گھاس جیسی بے قدر چیز کی مشاطگی کے واسطے بھی اُس نے صبا کو مقرر کردیا ہے - خود آرائی سے یہان عام کاروائی اور کارروائی مراد ہے اور اُسی لفظی رعایت کی وجہ سے دوسرے مصرع مین اُن چیزون کا ذکر کیا گیا ہے جو حسن کو نمایان کرنے والی ہین علامہ فیضی ایک جگہ لکھتا ہے کہ ؎

بے جنبش امراو بہ دستان   برگے نہ چمد درین گلستان

سعدیؒ فرماتے ہین کہ ؎

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد   از کمان دار بیند اہل خرد

بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ   صید ز دام جستہ ہو اس دام گاہ کا

بزم شراب سے عیش کی تمنا نہ رکھ کہ رنگ (یعنی عشرت) ایک ایسا شکار ہے جو اس دام گاہ یعنی بزم شراب سے پھڑک کر نکل گیا ہو - حاصل یہ کہ عیش نے بھی یہان رہنا باعث کلفت سمجھا - اور اب وہ یہان نہین مل سکتی یہ بھی معنی نکل سکتے ہین کہ عیش کبھی دنیا مین تھی مگر اب وہ اُٹھ گئی -

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے   شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

رحمت الٰہی اگر ہماری اس شرم کو جو ہمین گناہ کرنے سے ہے اور جس کی وجہ سے ہم گناہ کا عذر کرتے ہوئے بھی شرماتے ہین قبول کرے تو کچھ عجب نہین ہے پہلے ایک جگہ ایسا ہی خیال یون ادا کرچکے ہین ؎

بے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا   بخون غلطیدۂ صد رنگ دعوٰی پارسائی کا

واقعہ یہ ہے کہ ایک قادر الکلام شاعر ایک ہی خیال کو مختلف صورتون مین ایسے بیان کر جاتا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہین-

مقتل کو کس نشاط سے جاتے ہین ہم کہ ہے
پرگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مین مقتل مین عجب خوشی کے ساتھ جاتا ہون کہ میری نگاہ کا دامن گل زخم کے خیال سے لبریز ہے ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہین ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سرپاؤن سے ہے دو قدم آگے

جان در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

ہوا بمعنی خواہش اور شوق- یعنی اسد کی جان ایک نگاہ گرم کی خواہشمند ہے اور تیرے دادخواہ کا وکیل پروانہ ہے جیسے وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جاتا ہے اسی طرح تیرا دادخواہ بھی جلنے کا متمنی ہے پروانہ کو وکیل اس لیے بنایا ہے کہ وہ شمع کی نگاہ گرم سے جل جانے کی معشوق کے سامنے نظیر پیش کرے-

جور سے باز آئے پر باز آئین کیا
کہتے ہین ہم تجکو منہ دکھلائین کیا

ظلم سے وہ باز آ گئے سگر کیونکر ظلم سے باز آ سکتے ہین یعنی اب باز آ کر کہتے ہین کہ ہم تجکو کیا منہ دکھائین کہ ہم نے تیرے اوپر بہت ظلم کیے ہین یہ بھی گویا ایک ظلم ہے- حاصل یہ کہ معشوق اگر چاہے بھی تو ظلم ترک نہین کر سکتا-

رات دن گردش مین ہین سات آسمان
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

ہم کسی کام کے ہونے نہونے سے کیون گھبرائین سات آسمان گردش مین ہین اُن کے پھرنے اور گردش کرنے کا آخر کوئی نتیجہ ضرور ہوگا اور جو کچھ ہونا ہوگا وہ ضرور ہو کر رہیگا یا یہ کہ ہم جو زندگی سے گھبرا کر مرنے کی تمنا کر رہے ہین یہ فضول ہے سات آسمان رات دن گردش کرتے ہین آخر اُن کی گردش سے عمر ضرور تمام ہو جائے گی- ایک جگہ فارسی مین یہی مضمون لکھا ہے فرماتے ہین ؎

ہفت اختر و نہ چرخ خود آخر بچہ کار اند
برقتل من این عربدہ با یار روا نیست

اسکا دوسرا مصرع دہوکہ مین ڈالتا ہے کہ یہ مضمون دوسرا ہے مگر نفس مطلب بالکل ایک نکلتا ہے فرق یہ ہے کہ یہ خیال مکمل ادا ہوا اور دو مین غیر مکمل ہے ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

منشی امیر اللہ تسلیم نے اس مضمون کو نہایت ہی اچھے طریقہ سے ادا کیا ہے اگرچہ بادی النظر مین دہوکا ہوتا ہے کہ کچھ اور معنی ہین- مگر دراصل مطلب یہ ہے ؎

آسمان گردش مین ہین میرے ستانے کیلئے
چکیان تو چل رہی ہین ایک دانہ کے لئے

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھین لگاؤ
جب نہو کچھ بھی تو دہوکا کھائین کیا

اگر اُس کو ہمارے ساتھ دشمنی بھی ہو تو بھی ہم اپنے دل کو سمجھا لین کہ اُس کو ہم سے محبت ہے مگر جب وہان نہ عداوت ہے نہ محبت پھر کیونکر دہوکا کھائین ایک جگہ فرماتے ہین کہ

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

وارستہ اس سے ہین کہ محبت ہی کیون نہو
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیون نہو

ہو لئے کیون نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یارب اپنے خط کو ہم پہونچائین کیا

نامہ بر کو خط دیکر ہم اُس کے ساتھ کیون ہو لیے یا اللہ یہ ہمین کیا ہو گیا کیا ہم اپنے خط کو آپ پہونچائین- اس سے کمال رشک اور جنون کا اظہار دونون مطلب لیے جا سکتے ہین-

موج خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے
آستان یار سے اُٹھ جائین کیا

چاہے ہم قتل ہی کیون نہ ہو جائین مگر اُس کے در سے نہ اُٹھین گے کیا تحقیر کے لئے ہے کہ کیا اس ڈر سے ایسا کرین ایک اور جگہ فرماتے ہین ؎

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسد
اس مین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھئے دکھلائین کیا

تمام عمر ہم نے مرنے کی راہ دیکھی اب دیکھئے مرنے کے بعد ہم کیا رنگ دکھاتے ہین یا یہ کہ عمر بھر انھون نے ہم کو مرنے کی راہ دکھائی اب دیکھئے مرجانے پر ہم کو کیا دکھاتے ہین-

موخرالذکر مضمون پر مولانا نظم اور حسرت صاحب دونون متفق ہین مگر مجھے شعر کے مصرع اولیٰ کو دیکھتے ہوے ان معانی کا یقین نہین آتا۔

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے   کوئی بتلائے کہ ہم بتلائین کیا

وہ لوگون سے میری بینوائی اور عشق وغیرہ کا تذکرہ سنکر پوچھتے ہین کہ غالب کون ہے اب کوئی ہمین یہ بتاے کہ اُسے ہم کیا بتائین کہ غالب کون ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتا ہے ؎

زمردم یار می پرسد کہ عالی کیست طالع بین   کہ عمرم در محبت رفت وکار آخر رسید اینجا

مگر غالب کے مصرع ثانی کا جواب نہین ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہین سکتی   چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

لطافت کا بغیر کثافت کے لطف نہین آسکتا۔ آئینۂ باد بہاری ایک نہایت ہی لطیف شے ہے مگر بغیر زنگار چمن کے اُس کا جلوہ نہین ہوسکتا۔ اور اُس کا مزا نہین ہے جلوے کے لغوی معنی ظاہر ہونے کے ہین اُس لحاظ سے شعر کا یہ مطلب ہے کہ لطافت کا اظہار بغیر کثافت کے نہین ہوسکتا جب تک زنگار چمن (سبزہ زار) نہو اُس وقت تک آئینہ باد بہاری کو کوئی نہین دیکھتا۔ حاصل یہ کہ یہ دونون باہم متعلق اور لازم وملزوم ہین ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر   تغیر آب برجاماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

یا یون کہئے آئینہ باد بہاری پر زنگ لگا تو سبزہ زار پیدا ہوا۔

حریف جوشش دریا نہین خودداری ساحل   جہان ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

حریف ہم پیشہ کو کہتے ہین چونکہ دو ہم پیشہ اکثر ایک دوسرے پر تفوق اور امتیاز ڈھونڈھنے کی وجہ سے دشمن ہوجاتے ہین اس لیے بے تکلف اس کے معنی مجازی دشمن کے قرار دیدیے گئے ہین یہان یہی معنی مقصود ہین چنانچہ کہتے ہین کہ ساحل اگرچہ خوددار ہے مگر اسکی خودداری جوشش دریا کی حریف بن کر مقابلہ نہین کرسکتی ایسے ہی جس بزم مین تو ساقی ہو

وہان ہوشیاری کا دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے۔ گویا دعویٰ ہوشیاری ایک ساحل خودداری ہے۔ اور تیری ساقی گری جوشش دریا ہے۔ اس جوشش کے سامنے اُس ساحل ہوشیاری کو مجبوراً غرق آب ہونا پڑتا ہے۔ ایک جگہ علی الرغم یون فرمایا ہے

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی   جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

شرح اس کی پہلے لکھی گئی ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہوجانا   درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

قطرہ جب دریا مین مل جاتا ہے تو بظاہر فنا ہوجاتا ہے کیونکہ پھر اُس کو کوئی قطرہ کے نام سے نہین پکار سکتا مگر یہ فنا دراصل اُس کی بقا کا موجب ہے کیونکہ ظاہر ہے بالکل علیحدہ رہ کر وہ مٹ جاتا اور اب دریا مین مل کر وہ مٹ نہین سکتا صرف اس کا نام تبدیل ہوگیا ہے۔ اسی صورت سے جب درد حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو بظاہر فنا کردیتا ہے مگر دراصل وہ درد کی دوا ہوجاتا ہے اور فنا کرکے عالم بقا مین پہونچا دیتا ہے۔ سید محمد حسین کوثر لکھنوی کا شعر ہے ؎

آخر غم فراق ہی راحت فزا ہوا   جب درد بڑھ گیا تو وہی اک دوا ہوا

تجھ سے قسمت مین مری صورت قفل ابجد   تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہوجانا

قفل ابجد اُس تالے کو کہتے ہین جسے بنانے والا کوئی کلمہ لکھدیتا ہے جب اُس کلمہ کے حروف کو متفرق کردیتے ہین تو وہ قفل بند ہوجاتا ہے۔ اور جب انھین حرفون کو جمع کرکے وہ کلمہ بناتے ہین جو واضع نے اسپر کندہ کیا ہے تو قفل کھل جاتا ہے اسی طرح مصنف اپنی قسمت کو اس سے مشابہ کرتا ہے کہ میری قسمت مین یہ لکھا تھا کہ جب تیرے ملنے کی تدبیر بن پڑے تب ہی تو مجھ سے جدا ہوجائے کسی اور شاعر نے اس کا چربہ اُتارا ہے ؎

قفل ابجد کی طرح تھی مری قسمت شاید   بنتے ہی بات کے ہوتا ہے وہ عیار جدا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت مین تمام   مٹ گیا گھسنے مین اس عقدہ کا وا ہوجانا

کشمکش فکر علاج مین دل تمام ہوگیا۔ گویا کھولنے کی فکر مین یہ گرہ مٹ گئی اور ناخن تدبیر نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دل کی عقدہ سے نہایت اچھی تشبیہ ہے۔

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ ۔۔۔ اس قدر دشمن اَرباب وفا ہو جانا

تو پہلے ہماری وفا کے بدلہ مین ہمپر جفا کرتا تھا مگر تونے جب دیکھا کہ ہم جفا کو بھی خوشی سے برداشت کرتے ہین تو تونے جفا سے بھی ہاتھ اٹھا لیا اُف ارباب وفا یعنی اور سچے عاشقون سے اس قدر دشمنی۔ اللہ اللہ ازراہ استعجاب کہا گیا ہے۔ ایک جگہ اور بھی فرماتے ہین ؂

ہم کو حریص لذت آزار دیکھکر ۔۔۔ واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا ۔۔۔ باور آیا ہمین پانی کا ہوا ہو جانا

یہ مسئلہ کہ پانی ہوا ہو جاتا ہے ہماری سمجھ مین نہ آیا تھا۔ اور ہم کہتے تھے کہ ایک عنصر دوسرا عنصر کیونکر بن سکتا ہے۔ مگر اب ہم کو یقین آگیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ ٹھیک اور صحیح ہے پانی ہوا ہو سکتا ہے۔ پہلے جب ہم مین طاقت تھی تو نالہ کرتے تھے مگر اب ضعف کی حالت مین ہم نالہ نہین کرسکتے صرف آہ ہو سکتی ہے تو معلوم ہوا کہ وہی پانی (نالہ) اب ہوا (آہ) کی صورت مین بدل گیا ہے ایک جگہ ہوا کو پانی اس صورت سے بنایا ہے ؂

زشرم بے اثری ہا فغان من آب است ۔۔۔ ز نالہ کار بہ اشک افتاد و دل خون باد

فغان سے مراد آہ و نالہ ہے جو ایک ہوا ہے دریا ہوائی کیفیت ہے اس مین اشک و نالہ کی تفریق سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے یہان رونے کو جس مین آنسو بھی ہوتے ہین نالہ نہین کہا ہے۔ بلکہ مراد آہ و فغان سے ہے اگرچہ یہ ایک جدا اور نیا مضمون ہے مگر مناسب محل سمجھ کر لکھ دیا گیا۔ ایک جگہ مرزا ثاقب اسی زمین مین ایک شعر مین مسئلہ استحالہ عناصر یون بیان کرتے ہین ؂ خاک بھی اس دل ویران کی ملیگی نہ کہین ۔۔۔ مجھے معلوم نہ تھا آتش کا ہوا ہو جانا
یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ غالب کی تقلید کی گئی ہے مگر جس خوبی سے کہ یہ مضمون غالب کے یہان ادا ہوا ہے مرزا ثاقب اس صورت سے ادا نہین کر سکے مطلع ہمین ثاقب صاحب نے خوب فرمایا ہے اگرچہ ہمین بھی غالب کا تتبع ظاہر ہے ؂ دل کا دیا گیا وفا ہے کہ فنا ہو جانا ۔۔۔ درد کو حکم قضا کہ دوا ہو جانا

دل سے مٹنا ترے انگشت حنائی کا خیال ۔۔۔ ہوگیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

میرے دل سے تیرے انگشت حنائی کا خیال مٹنا ایسا سخت دشوار ہوگیا جیسے کہ گوشت سے ناخن کا جدا ہونا دشوار ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ نہایت مناسب ہے

ہے مجھے ابر بہاری سے برسکر کھلنا ۔۔۔ روتے روتے غم فرقت مین فنا ہو جانا

میرے لیے روتے روتے غم فرقت مین فنا ہو جانا ایسا باعث انبساط ہے جیسے ابر کو برس کر کھلنا۔ واضح ہو کہ برس کر کھلنا اوس جگہ بولتے ہین جب ابر خوب برسا ہو۔ اس شعر مین تجدید پیدا ہوگئی ہے۔

گر نہین ہے گل تر کو ترے کوچہ کی ہوس ۔۔۔ کیون ہے گرد رہ جولان صبا ہو جانا

اگر گل تر کو تیرے کوچہ مین جانے کی ہوس نہین ہے تو کیا سبب ہے کہ وہ ہوا کی گرد راہ بنتی ہے یعنی وہ ہوا مین کیون شامل ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فعل اُس کا محض اس لیئے ہے کہ چونکہ صبا کا ہر جگہ گذر ہوتا ہے اور یہ اُس کوچہ مین بھی جائیگی تو اس بہانہ سے مین بھی وہان پہونچ جاؤنگی۔

تا کہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل ۔۔۔ دیکھ برسات مین سبز آئینہ کا ہو جانا

اگر تو چاہے کہ ہوا۔ یعنی خواہش اور عشق کے اعجاز کو دیکھے تو برسات مین آئینۂ فولادی کو دیکھ کہ اُسپر زنگ لگ جاتا ہے۔ یہ زنگ محض جذب عشق صیقل کی وجہ سے ہے کہ زنگ لگنے گا تو صیقل ضرور کیجائیگی۔ نیز اس مین آئینۂ معشوق بھی اور عاشق بھی دونون طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب ۔۔۔ چشم کو چاہئے ہر رنگ مین وا ہو جانا

جلوۂ گل میرے دل مین اشتیاق دید پیدا کرتا ہے لہذا آنکھ کو ہر صورت مین کھل جانا چاہیئے اور گلہائے رنگارنگ کی سیر کرنا چاہیئے۔ یعنی انسان کو ہر فن مولا بنکر زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

یا یہ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ تقاضہ کرتا ہے کہ آدمی چشم بینا سے اُسکو دیکھے اور صانع حقیقی کو پہچانے - یا یہ کہ آنکھ باغ جہان کے ہر رنگ کو دیکھے -

(ردیف ب)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب   دے بطے کو دل و دست شنا موج شراب

پھر وہ وقت آیا کہ بطے (یعنے صراحی جو بہ شکل بط ہو) پرواز کرے اور بطے کو جو شناوری بطے کو دوست رکھتا ہے - شنا کرنے یعنی تیرنے کے لیے موج شراب یا دریاے مواج شراب عنایت کرے - ظاہر ہے کہ بط ایک دریائی جانور ہے اور وہ اکثر تالابون جھیلون دریاؤن وغیرہ مین رہتا ہے - حاصل یہ کہ پھر فصل بہار آئی چاہئے کہ شراب کا دور چلے - بطے کی بال کشائی کو دور شراب سے استعارہ کیا ہے -

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن   سایۂ تاک مین ہوتی ہی ہوا موج شراب

ارباب چمن (باغ کے سر سبز درخت) سیہ مست - بہت مست - تاک انگور کی ٹٹیان مطلب یہ ہے کہ جوانان چمن جو سیہ مست ہو رہے ہین اسکی وجہ نہ پوچھ - بات یہ ہے کہ سایۂ تاک کی ہوا موج شراب کا اثر رکھتی ہی - چونکہ یہ اُس سایہ تلے ہو کر گذرے ہین اسوجہ سے بدمست ہو ہو کر جھوم رہے ہین - سیہ مست اسوجہ سے کہا ہے کہ درختون کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے اور یہ تشبیہ بے مثال ہے

جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے   سر سے گذرے پہ بھی ہی بال ہما موج شراب

حالانکہ پانی مین غرق ہو جانا باعث موت ہے مگر یہان معاملہ برعکس ہے کہ اگر موج شراب سر سے بھی گذر جائے تو گویا جسکے سر سے وہ موج گذرے اُسکے سر پر سے ہما گذرا جس کا سایہ پڑنا اور سر سے گذرنا رسائی بخت کی دلیل ہے - موج شراب کا سر سے گذرنا - نشہ چڑھنے یا اُس کے پیچھے تباہ ہونے کے بھی معنی پیدا کرتا ہے -

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہی اگر   موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب

یہ برسات وہ موسم ہے کہ اسکی بہار سے جب بہت سی کیفیتون اور بہت سی اشیا مین انقلاب پیدا ہو جاتا ہی تو اس بات کو دیکھتے ہوے کیا تعجب ہی کہ ہوائے بہار فیض موج ہستی کو موج شراب بنادے - چونکہ ہوائے بہار بھی نشاط آور ہے اور شراب بھی باعث سرور ہے اسواسطے مبالغہ مین یہ صورت پیدا کی گئی - موج ہستی اس لیے کہا گیا کہ دنیا بھی گذران ہے - اور یہ تشبیہ بالحرکت ہے جو نہایت لطیف ہے -

چار موج اُٹھتی ہین طوفان طرب سے ہر سُو   موج گل موج شفق موج صبا موج شراب

طوفان طرب سے ہر طرف چار موجین اُٹھتی ہین اور انکا ہر طرف جوش ہے - موج گل یعنی چار طرف رنگا رنگ پھول کھلے ہوے ہین (موج شفق) آسمان پر ہر طرف شفق پھولی ہوئی ہے (موج صبا) ہر طرف نسیم خوشگوار اٹھکھیلیان کرتی پھرتی ہی اور جا بجا شراب کا دور ہے - مصنف نے اس شعر مین بہار کی تصویر کھینچ دی ہی

جس قدر روح نباتی ہی جگر تشنۂ ناز   دے ہی تسکین بدم آب بقا موج شراب

روح نباتی یعنی سبزہ جسقدر جگر تشنۂ ناز ہے یعنی سبزہ جسقدر لہلہانا چاہتا ہے - اور نمو اور ناز کی خواہش رکھتا ہے اُسیقدر موج شراب اپنے آب بقا کے گھونٹون سے اُسکو تسکین اور تقویت دیتی ہی -

بسکہ دوڑے ہے رگ تاک مین خون ہو ہو کر   شہپر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب

بادہ شراب انگور کی بیلو مین خون ہو ہو کر دوڑ رہا ہے - تو گویا اُس کا وہ دوڑنا پرواز کرنا ہے اور یہ رنگینی پر پرواز ہے جو بیلونکے پتون وغیرہ پر ظاہر ہے تو گویا یہ رنگ موج شراب ہے - مولانا نظم نے لکھا ہے کہ لفظ خون مین اعلان نون فصیح ہے - اور اکثر فصحا بغیر اعلان اسکو استعمال بھی نہین کرتے - مگر میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے دونون صورتون مین فصیح ہے - عرفی ایک جگہ کہتا ہے - ~

خون کہ از مہر تو شد شیر دہ طفلی خوردم ہمچنان خون شد و از دیدہ برون می آید
اسیطرح سیکڑون شعر مل سکتے ہین دل راحت پسند زحمت تلاش کو فضول سمجھتا ہے

موجۂ گل سے چراغان ہے گذرگاہ خیال ہے تصور مین زبس جلوہ نما موج شراب

چونکہ میرے تصور مین موج شراب جلوہ نما ہے اور موج شراب اپنی رنگینی کی وجہ سے مثل موجۂ گل ہے اور موج گل چراغان سے مشابہ ہے تو میرے گذرگاہ خیال مین گویا چراغان کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے —

ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب

یعنی موج سبزہ اور موج شراب نے ایک جہان کے اوپر کیفیت فصل کا طوفان ظاہر کر دیا ہے ۔ طوفانی طوفان ظاہر کرنیوالے حاصل یہ کہ ان دونون نے دنیا مین نشاط وطرب کا طوفان اُٹھا رکھا ہے —

شرح ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسم گل رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب

موسم گل عجیب چیز ہے جس سے ہنگامۂ ہستی کی شرح ہو رہی ہے ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بہار کی نشاط اور خوشگواری بھی چند روزہ ہے اور ہنگامۂ ہستی کی پائداری اور خوشی کا وجود بھی بے بقا ہے اسواسطے موسم گل اُسکی شرح ہے ۔ موج شراب نہایت اچھی چیز ہے جو قطرہ کو دریا سے ملا دیتی ہے یعنی بے خود و مدہوش کرکے فنا سے مشابہ کر دیتی ہے ۔ اور فنا روح کو اُسکے مرجع کیطرف لوٹا دیتی ہے جسکی تفصیل ؎

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا مین گذر چکی ہے

موج شراب کا قطرہ کو دریا مین ملا دینا ۔
ایک لطف رکھتا ہے جو طبع سنجیدہ پر پوشیدہ نہین ہے ۔

ہوش اُڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

اسد جلوۂ گل کو دیکھکر میرے ہوش اُڑے جاتے ہین اور اس سے پتہ چلتا ہے

کہ شراب کے دور کا وقت آ پہونچا ہے یا یہ کہ اسد ذرا جلوۂ گل کو دیکھ میرے تو ا...
دیکھکر ہوش و حواس غائب ہوئے جاتے ہیں لہذا شراب پینی چاہیئے ۔

(ردیف ت)

افسوس کہ دیدان کا کیا رزق فلک نے جن لوگون کی تھی درخور عقد گہر انگشت

دیدان کیڑونکو کہتے ہین اس صورت مین یہ معنے پیدا ہوتے ہین کہ افسوس جن لوگو...
انگلیان سلک گہر کے قابل تھین اُنکو فلک کینہ جو نے فنا کرکے کیڑونکا رز...
دیا جیسے کہ ایک جگہ خاقانی فرماتے ہین ؎

بسے بادام چشمان را کہ دیدی اندرین دنیا بگرد خانۂ چشمش ز موران کاروان ...
شہنشاہے کہ بر قصرش ہزاران پاسبان بودی کنون بر قبۂ گورش کلاغان پاسبان ...

اور اکثر نسخون مین بجائے دیدان کے دندان دیکھا گیا ہے ۔ اس صورت مین یہ مطلب نکلتا ہے کہ افسوس آسمان نے ان عقلا کی انگلیان جو عقد گہر کی قابل تھین د...
رزق بنا دیا ہے ۔ یعنی وہ اسکے انقلاب سے انگشت بدندان ہین ۔ یا اسکے ...
اپنی انگلیان چباتے ہین —

کافی ہے نشانی تری ۔ چھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگ...

سفر کے وقت نشانی کے لیے چھلا وغیرہ دیتے ہین مصنف کہتا ہے کہ مجھے تیری ...
نشانی کافی ہے کہ تو نے مجھے خالی انگلی دکھا دی اور نشانی نہ دی ۔ یا شوخی...
انگوٹھا دکھا دیا ۔

لکھتا ہون اسد سوزش دل سے سخن گرم تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگ...

اسد سوزش دل کی وجہ سے مین سخن گرم لکھتا ہون (سخن گرم خوبی سخن سے ...
اور یہ گرم سخن اس لیے ہین کہ کوئی میرے حرفون پر انگلی نہ رکھ سکے ۔ یعنی ع...
نہ کر سکے ۔ اس شعر مین صرف رعایتونکی گرم بازاری ہے ۔ ایک جگہ مومن م...

یون فرماتے ہین ؎
ہر خط پہ نکتہ چین کو ہے وہم و گمان تیغ
کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے

پھر ایکروز مرنا ہے حضرت سلامت
رہا گر کوئی تا قیامت سلامت

اگر کوئی قیامت تک زندہ رہا تو کیا پھر بھی اکروز مرنا ضرور ہے بقول شخصے ؎
جب غا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایکدن

جگر کو مرے عشق خونابہ مشرب
لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

عشق جسکا مشرب خون پینا ہے۔ میرے جگر کو ہمیشہ خداوند نعمت لکھتا ہے۔ اسلئے کہ اس نے اسی کے خون سے پرورش پائی ہے۔ مشرب اس جگہ اگرچہ اردو ہے مگر بہت مناسب واقع ہوا ہے۔

علی الرغم دشمن شہید وفا ہون
مبارک مبارک سلامت سلامت

علی الرغم دشمن یعنی بخلاف دشمن کے مین شہید وفا ہون۔ اسی پر خود کو مبارکباد دیتا ہے۔ یعنی دشمن شہید وفا نہین ہوا ہے اور مین شہید و فا ہون۔ مبارک سلامت پورا جملہ مبارکبادی کا ہے مولانا نظم نے اپنی شرح مین یہ لکھا ہے۔ کہ مبارک اسوجہ سے کہ رقیب کے خلاف مراد ہے اور سلامت اسوجہ سے کہ شہید وفا زندۂ جاوید ہے ۔۔

نہین گر سر و برگ ادراک معنے
تماشائے نیرنگ صورت سلامت

اگر دریافت معنی کا سامان نہین ہی تو نہ سہی۔ نیرنگی صورت یعنی ظاہری اجسام وغیرہ کا دیکھنا ہی غنیمت ہے۔ کہ اثر کو دیکھکر موثر کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یعنی عشق مجازی زینہ ہے عشق حقیقی کا۔

کھلتے ہی کھولتے آنکھین غالب
یار لائے مری بالین پہ اُسے پر کس وقت

کھولتے ہی کھولتے آنکھین بند ہو گئین یعنی موت آگئی۔ یارون نے مجھپر احسان کیا کہ کوشش کرکے اُسکو میری بالین پر لائے مگر اب وقت نکل چکا تھا۔ لانا بیکار ثابت ہوا۔ اسی مضمون کو یون کہا گیا ہے ؎
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے

آمد خط سے ہوا ہی سرد جو بازار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست

خط کے نکلنے سے بازار حسن دوست سرد ہو گیا۔ شاید خط رخسار حسن کی شمع کشتہ کا دھوان تھا۔ اسمین سبزۂ رخسار کی برائی کی گئی ہے۔ شیخ شیراز بھی ایک جگہ اسی موقع پر فرماتے ہین ؎

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است
داند آنکس کہ این سخن گوید

یعنے از روے نیکوان خط سبز
دل عشاق بیشتر جوید

بوستان تو گندنا زار یست
بسکہ برمے کنی و مے روید

ایک جگہ یون فرماتے ہین ؎
گر دست بجان داشتمی ہمچو تو بر ریش
نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ بر آید

اے دل نا عاقبت اندیش ضبط شوق کر
کون لا سکتا ہی تاب جلوۂ دیدار دوست

اے نا عاقبت اندیش دل اپنے شوق دید کو ضبط کر۔ کوئی ایسا ہے کہ جلوۂ دوست دیکھ سکے یہ تلمیح ہے قصہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کیطرف۔ اس قسم کے شعر بہت سے ہین اور یہ مضمون قریب قریب تمام شعراء ہند کا کہا ہوا ہے۔

خانہ ویران سازئ حیرت تماشا کیجیے
صورت نقش قدم ہون رفتۂ رفتار دوست

دیکھئے حیرت نے کیسا میرا گھر اجاڑا ہے کہ مجھکو نقش قدم کی مانند وارفتۂ رفتار دوست بنا دیا ہے وارفتہ بمعنے آوارہ۔ اور مجنون رفتار کے عشق مین وارفتہ ہونا ایک نہایت لطیف مناسبت لفظی ہے۔ تماشا کردن فارسی کا محاورہ ہے۔ جس کا اردو مین ترجمہ کر دیا ہی۔ مگر اردو مین۔ دیکھنا۔ ملاحظہ کرنا۔ موجود ہی۔ اور وہ اچھا ہے

عشق مین بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے — کشتۂ دشمن ہون آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

اگرچہ مین دوست کا بیمارِ عشق تھا - اور اُسی مین مجھکو مرنا چاہیے تھا - مگر میری محرومی قسمت دیکھیے کہ اُس مین مرا تو دشمن کے ہاتھ سے مرا یعنی دشمن کے رشک مین مجھکو موت آئی - اور اِس صورت مین کشتۂ دوست کے خطاب سے مفتخر نہو سکا -

چشمِ ما روشن کہ اُس بیدرد کا دِل شاد ہے — دیدۂ پُرخون ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

چشمِ ما روشن - دلِ ما شاد - خوشی کے محل پر بولتے ہین - چونکہ وہ بیدرد ہمارے رنج اور ہمارے دُکھ سے خوش ہے ہم اِس سے نہبت خوش ہین - گویا ہمارا دیدۂ پُرخون اُسکے لیئے - شراب کا لبریز ساغر ہے - یہ ظاہر ہے کہ چشمِ ما روشن محض رعایت لفظی کے لحاظ سے لایا گیا ہے - مگر اِس محل پر نہایت مناسب ہے - دوسرے مصرعہ مین ہر محذوف ہے - اور یقیناً ایسا حذف بقول جناب حسرت موہانی نہایت ناگوار ہے -

غیر یون کرتا ہے میری پُرسش اُسکے ہجر مین — بےتکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

یہ ایک قطعہ ہے - واضح ہو کہ مُصنّف کے زمانہ تک غزل مین قطعے لکھے جاتے تھے - مگر آجکل یہ رواج بہت کم ہو گیا ہے - اور بعض شعرا اسکو عیوب شاعری سے سمجھتے ہین - مگر یہ وہ لوگ ہین جو محض تک بندی کر لیا کرتے ہین اور جنکو یہ بھی معلوم نہین ہی کہ ایک وہ زمانہ تھا جب غزلین مسلسل لکھی جاتی تھین اور مقطع وغیرہ کسی چیز کی بھی پروا نہ کیجاتی تھی شاعری محض اظہار جذبات کا ایک آلہ تھا اور وہ سب قیود سے آزاد تھی اب تو شاعری کا یہ رنگ ہی کہ لفظ لفظ مین ذم کے پہلو نکالے جاتے ہین اور یہ حالت خصوصیت سے لکھنؤ مین پائی جاتی ہی - حالانکہ جو لوگ ایسے اعتراضات کرتے ہین وہ خود یہ بھی نہین جانتے کہ ذم کس جانور کا نام ہے اور تنافر کس چڑیا کو کہتے ہین - مثال کے لیے لیجیے - کہ غالب کے اسی شعر مین (غیر یون کرتا ہے) کو کھُلے ذم سے تعبیر کیا جاتا - حالانکہ اگر یہی ناانصاف فرقہ غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دنیا مین کوئی شعر بھی ایسا نہ ملے گا کہ جسمین یہ پہلو نہین نکالے جا سکتے - اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ امرالقیس علیہ

جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے - خرابیٔ اخلاق دوسرے کو بھی بُرا سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے - ایکدن کا ذکر ہے کہ مین نے اپنے ایک دوست کے سامنے مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر پڑھا ؎

کیون چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے — پوچھین گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا

شعر سُنکر فرمایا کہ اسمین ذم ہے - آگے اُنھون نے جو کچھ وجہ بیان فرمائی میرا قلم اُسکو نہین لکھ سکتا مین کچھ کا کچھ لکھنے لگا - حالانکہ ابھی شعر کا مطلب بیان نہین کیا گیا - غیر میری حالت کی اسطرح پُرسش کرتا ہے جیسے کوئی دوست کسی دوست کا حال پوچھتا ہے -

تاکہ مین جانون کہ ہے اُسکی رسائی واں تلک — مجھکو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

اور یہ پرسش حال کچھ از راہ مہربانی نہین ہے بلکہ مطلب کچھ اور ہے یہ جتانے کے لئے کہ مین یہ سمجھون کہ اُسکی وہان تک رسائی ہے اسواسطے دوست کے وعدۂ دیدار کا مجھکو پیغام دیتا ہے -

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ — سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

جب مین اُس سے اپنے ضعف دماغ کی شکایت کرتا ہون - یعنی یہ بات کہتا ہون کہ خاموش رہ میرا دماغ بہت ضعیف ہے مجھے کوئی بات سننے کی تاب نہین ہے تو وہ اور بھی زلف مشکبوئے یار کے قصہ کو طول دیتا ہے اور چھیڑتا ہے - سر کرنا - فارسی محاورہ ہے شروع کرنے کے معنے مین اُردو مین غیر فصیح ہے زلف کو شعرا مشکبو - اور عنبرین لکھتے ہین اس لحاظ سے شکوہ ضعف دماغ پر اُس کا قصہ چھیڑنا لطف سے خالی نہین ہے -

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر — ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

اگر مجھکو چپکے چپکے روتے دیکھ پاتا ہے تو اُسکی شوخ گفتاری کا تذکرہ کرتا ہے -

مہربانی ہاے دشمن کی شکایت کیجئے — یا بیان کیجیے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

اسحالت مین دشمن کی ان مہربانیون کی جو وہ میرا جی جلانے کے لیے کرتا ہے شکایت کرون - یا لذت آزار دوست کا شکریہ کرون کہ وہ اس کا آنا ہمراز ہوگیا-

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ — ہے ردیف شعر مین غالب زبس تکرار دوست

مجھے اپنی یہ غزل دل سے پسند ہے کیونکہ غزل کی ردیف مین بار بار لفظ دوست جو مجھکو پیارا ہے زبان پر آیا ہے بائے مومن

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا — کہ ہر اک بات مین ناصح تمھارا نام لیتا تھا

(ردیف ج)

گلشن مین بند و بست برنگ دگر ہے آج — قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

یعنے آج باغ مین عجیب طریقہ سے انتظام کیا گیا ہے - قمری کو (جو ایک مرغ نوا سنج چمن ہے) بھی اندر نہین جاسکتی اور اس کا طوق اسکے واسطے حلقۂ بیرون در بنا ہوا ہے حلقہ بیرون در سے اندر کے جانے کی روک ٹوک مراد ہے - شیخ علی حزین فرماتے ہین ؎

عجب نبود کہ جوہر حلقۂ بیرون در گردد — چنین کائینہ حسن تو لبریز صفا گردد

یعنے میرا آئینہ حسن صفا آج لبریز ہو رہا ہے عجب نہین ہے کہ جوہر آئینہ حلقہ بیرون در بنجاوے -

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغان کے ساتھ — تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

آج ہم جب نالہ کرتے ہین تب ہی ایک دل کا ٹکڑہ اس فغان کے ساتھ آتا ہے شاید آج ہمارے نفس نے کمند بنکر اثر فغان کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہمارے آہ و نالہ مین اثر ہوا ہے کیونکہ ہم مدت سے چاہتے تھے کہ کسیطرح موت آئے آج اسکے کچھ آثار ظاہر ہوئے ہین دوسری شرحونمین اسطرح اس شعر کے معنے بیان کئے گئے ہین تار نفس کے کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ اُلٹا ہے کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے اثر آہ کے اس اُلٹے نتیجہ کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے میرے نزدیک ایک

سیدھے سادے مطلب کو چھوڑ کر تادیل سے کام لینا فضول ہے نیز دوسرا مصرعہ طنز یہ بھی ٹھہرایا جاسکتا ہے - باقی ان معنونکو بھی غلط نہین کہا جاسکتا موخر الذکر معنی سے ملتا جلتا میرا ایک شعر ہے ؎

نہین کوئی سہارا اب نوید اے مرگ مایوسی — مری آنکھونکو خود دعوی ہی میری لگدازی کا

ایک جگہ داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بیڈھب ہے — تپک رہا تھا کئی دن سے آبلہ دل کا

داغ کا شعر مترادف المعنی ہونیکی حیثیت سے نہین لکھا گیا یاد آیا اور قلم اسکے لکھنے سے باز نہ رہا-

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل — سیلاب گریہ درپے دیوار و در ہے آج

اے عافیت اور اے انتظام خیریت اسی مین ہے کہ یہان سے نکل بھاگو میرے آنسوؤنکا سیلاب آج در و دیوار گرانے کے لئے تیار ہے اس شعر کی تعریف نہین ہوسکتی اور یہ غالب کا خاص انداز بیان ہے ؎

خراب خانۂ دل اور موج سیل سرشک — تم اپنی یاد سے کہدو کہ اب یہان نہ رہے

لو ہم مریض عشق کے تیماردار ہین — اچھا اگر نہو تو مسیحا کا کیا علاج

کہا جاتا ہے کہ مریض عشق کی تیمارداری کے لیے کوئی نہین ہے تو ہم اسکی تیمارداری کے ذمہ دار ہوتے ہین مسیحا اس کا علاج کرین مگر جو مسیحا کے علاج سے وہ اچھا نہو تو پھر انکا کیا علاج کیا علاج ایک محاورہ ہے جسکے معنے یہ ہین کہ انکو کیا سزا دیجانے جو یہان بہت ہی برمحل صرف ہوا - ذوق مرحوم بھی کچھ ایسا ہی فرماتے ہین ؎

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج — کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

(ردیف جیم فارسی) چ

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہین انتظار ساغر کھینچ

بزم آرزو سے باہر نہ جا اور آرزو کرنی نہ چھوڑ اگر شراب نہین کھینچ سکتا یا کھینچنے کو نہین ملتی تو ساغر شراب کا انتظار کر شراب کھینچنا محض فارسی کا محاورہ ہے اور انتظار کھینچنا اردو اور فارسی زبانمین مشترک ہے یعنی ؎

گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی — کچھ نہ کچھ چھیڑ چلی جائے اسد

کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ — برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ

میری سعی تلاش دید معشوق کی سرگرمی کی حالت نہ پوچھ گویا حسرت دیدار نے مجھے حیران کرکے آئینہ بنا دیا ہے اور اس آئینہ مین بجائے جوہر کے وہ کانٹے ہین جو دوڑ دھوپ مین میرے تلوؤن مین چبھے ہین تو بجائے حال پوچھنے کے انکو میرے تلوؤن سے کھینچ لے خود ہی تجھپر میری سعی و کوشش کا حال آئنہ ہوجائیگا گویا صورت ببین عالم مپرس کا مضمون ہے یا ؎

خود دیکھ لو فقیر کی صورت سوال ہے

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل — کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

اے دل تو جو پڑے پڑے انتظار دیکھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انتظار نہین ہے بلکہ راحت طلبی کا ایک بہانہ ہے۔ لہذا اٹھ اور اس بستر کے ناز اٹھانے سے کنارہ کر ظاہر ہے کہ پڑے رہنے مین بستر کی ضرورت ہوگی اور یہ بستر کا ناز اور احسان سمجھا گیا ہے مصنف نے اسمین مختلف معنی پیدا کیے ہین یعنی اٹھ صحرا نوردی کر یا اس بستر کا ناز کھینچنے سے مر رہ کیونکہ انتظار موت سے بدتر ہے یا یہ کہ ایک آرام طلبی کی صورت ہے اسی صورت سے انتظار نہ کر تا مجھے انتظار یار ہی کافی ہے بستر وغیرہ کی کچھ ضرورت نہین ہے وغیرہ وغیرہ۔

تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس — بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

نرگس تجھکو حسرت سے دیکھ رہی ہے کہ تو شراب کیون نہین پیتا اور چونکہ تجھ مین حیا و شرم کا مادہ ہے اس لیے بے حجابانہ اسکے ہوتے شراب نہین پی سکتا مگر مین تجھے بتاتا ہون کہ میرا رقیب یعنی نرگس کور دل اور کور چشم ہے اسواسطے تجھے مے نوشی مین تکلف نہ کرنا چاہیے

نرگس کو بوجہ اسکے حسرت سے معشوق کی طرف نظارہ کرنیکے رقیب قرار دیا گیا بوجہ آنکھ سے مشابہ ہونے کے اسکو کور چشم اور بے نور ہونے کے سبب سے کور دل بتایا گیا اصرف بد دعا کے لیے یہ لفظ استعمال کئے گئے اس شعر مین دوسرا مصرعہ بہ استثنائے ردیف فارسی ہے آخری مصرعہ مین ب سببیہ اور قسمیہ دونون صورتین پیدا ہوسکتی ہین اور یقیناً ایسے مصرعونکی یا شعرونکی اردو زبان متحمل نہین ہوسکتی مگر مصنف پر فارسی کا رنگ غالب تھا اس لیے انکو مورد اعتراض ٹھہرانا بیجا ہے کیونکہ وہ خود فرماتے ہین ؎

فارسی بین تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ — بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من ست

بہ نیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز — نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ

تیرا خنجر ناز و ادا جو میرے پردۂ زخم جگر مین امانت ہے اسکو اپنے نیم غمزہ سے کھینچ لے اور ودیعت ناز کا حق ادا کر۔ نیام مین سے جب خنجر یعنی الف نکالین گے تو نیم بچ جائے گا صاف یہ ہے کہ مین نے مدت تک اسکو نیام پردۂ زخم جگر مین امانت رکھا ہے۔ اب اس خنجر کو اس نیام سے نکال اور مجھے میری مزدوری۔ جو نیم نگاہ ہے حوالہ کر۔

مرے قدح مین ہے صہبائے آتش پنہان — بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

میرے پیالے مین شراب نہین ہے بلکہ آتش پنہان ہے لہذا کباب بھی سمندر کے دل کے دسترخوان پر لگانے چاہئین کہ سب سامان مناسب جمع ہوجائے ایک بعید از قیاس معنی یہ ہین کہ سمندر کا اول نون ہے جسکے معنے نفی کے ہین اس صورت مین یہ معنے ہوئے میرے دسترخوان پر کباب نہ رکھ کیونکہ در اصل جسکو تو شراب سمجھا ہے وہ شراب نہین ہے شراب کی تشبیہ آگ سے بوجہ سرخ ہونے کے مشہور ہے۔ سفرہ بمعنے دسترخوان۔ سمندر وہ کیڑہ جو آگ مین پیدا ہوتا ہے۔ کباب کھینچنا محاورہ نہین ہے اگرچہ فارسی مین چیزین چننے کے لیے کشیدن ہی بولتے ہین مگر اردو مین اچھا نہین معلوم ہوتا اور قطعاً غیر مانوس ہے

حسن غمزہ کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد — بارے آرام سے ہین اہل جفا میرے بعد

غمزہ ابرو و چشم سے معشوق کے اشارہ کرنے کو کہتے ہین۔ غمزہ ہر وقت حسن سے کام لیتا تھا

اور اُسے تکلیف مین رکھتا۔ جب اُس حُسن و غمزہ نے مجھے قتل کر دیا ہے تب حسن اس کشاکش سے چھوٹا ہے خیر غنیمت ہے کہ ظالمونکو میرے مرنے سے آرام ملا۔ اور اب کسی کو قتل کرنے کی ضرورت نہین رہی اسکا حاصل یہ ہے کہ ظالمون کے ظلم مجھ پر ختم ہوگئے۔ اور میرے عشق کا کمال یہ ہے کہ اگرچہ مین جان سے جاتا رہا مگر پھر بھی اونکو چین اور آرام سے دیکھکر مجھے خوشی ہوتی ہے۔

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

میرے بعد دُنیا مین کوئی فرد عہدۂ عشق کے قابل نہین رہا اور انداز و ادا معزول ہوگئے کیونکہ جب کوئی عاشق ہی نہین پھر غمزۂ ادا کس کام کے ہین۔ اسی زمین مین آتش مرحوم نے بھی اسی مضمونکو ادا کیا ہے فرماتے ہین ؎

ہوگیا سلسلہ مہر و محبت برہم
نازنین بھول گئے ناز و ادا میرے بعد

یہ ایک توارد ہے۔ کیونکہ مضمون بالکل پامال اور عام ہے مگر غالب نے مناسب الفاظ جمع کرکے شعر مین جان ڈالدی ہے اور یہ مانا ہوا مسئلہ ہے ع
لفظیکہ تازہ است بہ مضمون برابر ست

شمع بجھتی ہی تو اُسمین سے دُھوان اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

چونکہ مین آتش عشق کے سوز و گداز سے جل بجھا ہون تو شعلۂ عشق میرے غم مین سیہ پوش ہوگیا جیسے کہ جب شمع بجھ جاتی ہی تو اُسمین دُھوان اُٹھتا ہے تو گویا وہ دھوان نہین ہے بلکہ وہی شعلہ ہے جو شمع کے جل بجھنے کے بعد سیہ پوش ہوگیا ہے۔ میرا ایک شعر ہے ؎

دلِ مرحوم کا غم کرتے ہین سب تیرے سوا
شب غم تک نظر آتی ہے سیہ پوش مجھے

خوں ہے دلِ خاک مین احوالِ بتان پر یعنی
اُنکے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

میرا دل خاک مین ملنے کے بعد (یعنی قبر مین) معشوقون کا حال دیکھکر نہایت غمگین اور رنجیدہ ہے کہ اُنکے ناخونکو میرے بعد حنا کی احتیاج ہوئی۔ یعنی جب تک مین زندہ تھا وہ میرے دل کے خون سے اپنے ناخن اور ہاتھ رنگتے تھے۔ اور معشوقون کا خون مین ناخن اور

ہاتھ وغیرہ رنگنا ایک مشہور مضمون ہی۔ اس شعر مین دل کا خون ہونا۔ ایک مناسب ٹکڑا ہے جس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ مٹ جانے کے بعد بھی دل خود کو اس قابل بناتا ہے کہ اُنکے ناخونکے کام آسکے۔ جناب نظم اور حسرت صاحب نے اس شعر کے معنے یہ بیان کیے ہین کہ معشوقون نے میرے سوگ مین مہندی لگانا چھوڑ دیا۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہین ہین۔ ایک جگہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

بہ خون عزیزان فرو بردہ چنگ
سر انگشت ہا کردہ عناب رنگ

یہ شعر میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔

درخور عرض نہین جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سُرمہ سے خفا میرے بعد

عرض خود کو کسی پر ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جوہر بیداد کو اب کوئی جگہ اپنے اظہار کیلیے مناسب نہین معلوم ہوتی۔ لہذا نگہ ناز نے سرمہ لگانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ مین جو تختۂ مشق ستم ناز تھا اب باقی نہین رہا۔ اس شعر مین عرض اور جوہر رعایت لفظی کے سبب سے لائے گئے ہین۔ مگر وہ عرض جو جوہر کی ضد ہے عرض بروزن مرض برائے مفتوح ہے اور یہ بسکون راہے۔

ہے جنون اہل جنون کے لیے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریبان سے جُدا میرے بعد

میرے ساتھ جنون عشق دُنیا سے اُٹھ رہا ہے چاک گریبان (یعنی گریبان کا پھٹنا) ایک آغوش واشدۂ وداعی ہے جو گریبان سے میرے بعد جُدا ہوتا ہے۔ حاصل یہ رسم جنون اہل جنون مین میرے بعد باقی نہ رہے گی۔ اور اب کسی گریبان کو پھٹتا ہوا نہ دیکھوگے۔ یہ مضمون تو نہین ہی مگر ایک جگہ مصنف نے کھلے ہوئے پھول کو بھی آغوش وداع کہا ہے ؎

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

ساقی بار بار صلا دیتا ہے۔ اور پکارتا ہے کہ کوئی ہے۔ جو مے مرد افگن عشق کا حریف بنے

مگر کون حریف ہوتا ہے - کسی مین یہ ہمت باقی نہین ہے - کہ شراب عشق پیئے - یہ دونون معانی لفظ مکرر سے پیدا ہوتے ہین - کہ ایکبار ساقی بطور سوال یہ مصرعہ پڑھتا ہے اور دوبارہ بطریق مایوسی - اسی مضمون کا ایک شعر مرزا فاخر مکین کا ہے کہتے ہین کہ ؎

زن سیرتان دور جہان را خبر کنند ساقی گرفت ساغر مرد آز ماے ما

یعنے ساقی ساغر شراب مرد آزما کا ساغر لیے ہوئے کہتا ہے زمانہ کے نامردونکو خبر کردو کہ کوئی ایسا ہے جو اس شراب کو پیئے - زن سیرت -- کہکر یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ زن سیرت مرد آزما ساغر کو نہین پی سکتے - ایک جگہ علامہ فیضی فرماتے ہین ؎

گر دفنا شدند حریفان بزم عشق بر خاک ریز جرعۂ مرد آز ماے ما

یعنے جو اس شراب مرد آزما کے پینے والے تھے وہ گرد فنا ہوگئے یعنی خاک مین مل گئے اب کون ہے جو اس شراب کو پی سکے - لہذا کسی سے اسکے پینے کا متوقع نہ رہنا چاہئے اسے زمین پر ڈالدو - خاک پر ڈالنے سے یہ نزاکت پیدا کی گئی ہے کہ اسکے پینے والے بھی خاک مین ملے ہوئے ہین - اب بھی اگر پیئے گی تو انکی خاک ہی اسکو پی سکے گی - فیضی کا شعر نہایت بلیغ اور نازک ہے -

ایکمرتبہ نظیری بھی اسی راستہ سے ہوکر نکل گئے ہین مگر ذرا بچے بچے فرماتے ہین ؎

کا نظیری در رضا غم خوردن وخوش بودنست دارم ئے مرد آز ما خوش باد شیخ و شاب ما

انھون نے رضا کو شراب مرد آزما بتایا ہے -

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہین دنیا مین کوئی کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

مین اس غم سے مراجاتا ہون کہ میرے مرنے پر جو مہر و وفا کو ایک صدمہ عظیم پہونچے گا - کوئی انکا تعزیت کرنیوالا بھی نہین ہے -

آئے ہے بیکسئ عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

یہ شعر بھی قریب قریب پہلے شعر کے مضمون سے ملتا ہوا ہے - کہ میرے بعد سیلاب بلا یعنی عشق کس کے گھر جائے گا اسمین بے کسی کے لفظ کی تعریف نہین ہو سکتی - ان دونون شعرو نکے مضمون سے ملتا ہوا ایک شعر مومن مرحوم کا ہے جسمین درد کے ساتھ انکی شوخی بیان قابل تعریف ہے ؎

تو کہان جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے ہم تو کل خواب عدم مین شب ہجران ہونگے

(ردیف رائے مہملہ ر)

بلا سے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار نگاہ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار

اگرچہ میری نظر کے سامنے در و دیوار ہین اور تیرا جمال دیکھنے کو روکتے ہین مگر کچھ پروا نہین ہے میری نگاہ شوق کے لیے یہی در و دیوار بال و پر کا کام دینگے اور ضرور میری نگاہ کو وہان پہونچا ئینگے بال و پر بننے کی یہ وجہ ہے کہ رکاوٹون سے شوق مین اور ترقی ہوگی جناب بیخود دہلوی کا ایک شعر ہے خوب فرمایا ہے ؎

دیکھ لیتی ہین پس پردہ تجھے ہین کچھ ایسی بھی نگاہین خاص خاص

وفور اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ کہ ہو گئے میرے دیوار و در در و دیوار

یعنی طوفان اشک نے میرے گھر کو زیر و زبر اور درہم و برہم کرکے یہ رنگ کر دیا ہو کہ جہان دیوار تھی انکو توڑ کر در بنا دیے اور جہان در تھے وہان مٹی جمکر دیوارین بن گئین

نہین ہے سایہ کہ سُن کر نوید مقدم یار گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار

جنکو دیوارون کا سایہ سمجھے ہوئے ہو یہ دراصل سایہ نہین ہے بلکہ یار کے آنیکی خوشخبری سُنکر چند قدم در و دیوار استقبال کو گئے ہین -

ہوئی ہے کس قدر ارزانئ مئے جلوہ کہ مست ہے ترے کوچہ مین ہر در و دیوار

مئے جلوہ کو تو نے کس قدر ارزان کر دیا ہے کہ در و دیوار تیرے کوچہ مین مست ہو رہے ہین بظاہر مستی کا کوئی ثبوت نہین معلوم ہوتا - محض ادعا ہے -

جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار

اگر تجھے میرے سودائے انتظار کی خریداری کی خواہش ہے تو آ - کیونکہ میری نظرین تجھے

ڈھونڈھنے کے لیے ہر در و دیوار پر پڑ رہی ہین تو کثرت نظر سے در و دیوار دو کان متاع نظر بن گئی ہین۔

وہ آ رہا مرے ہمسایہ مین تو سایہ سے　　ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

وہ میرے قریب جو آ کر رہا ہے تو میرے مکان کا سایہ اُسکے مکان کے سایہ کی بلائین لیتا ہے (ہمسایہ مین آ رہا) اگرچہ زبان عوام ہے مگر صحیح نہین ہو سکتا مُصنّف محض دوسرے مصرع کے سبب سے لکھ گئے ہین۔

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی　　ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

ہمیشہ بغیر تیرے گھر کی آبادی میری نظر مین کھٹکتی ہے اور اپنے در و دیوار کو دیکھکر میرے آنسو نکل آیا کرتے ہین کسی چیز کے آنکھ مین کھٹکنے سے آنسو نکلنا مسلم ہے معمولی شعر ہے۔

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے　　کہ گر پڑے نہ مرے پانوٗن پر در و دیوار

کونسا ایسا دن ہوا ہے کہ مین رویا اور در و دیوار نہین گرے۔ عجب نہین کہ مُصنّف یہ کہنا چاہتا ہو کہ جب مین نے رونے کا سامان کیا در و دیوار نے خوشامد کی کہ نہ رو ورنہ ہماری خیریت نہین۔

نہ پوچھ بیخودیٔ عیشِ مقدمِ سیلاب　　کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

عیش مقدم سیلاب سے میرے گھر کے در و دیوار بیخود ہو کر گر پڑے ہین اور ناچ رہے ہین ظاہر ہے کہ سیلاب مین کوئی چیز کہین کوئی چیز کہین تیرتی ہوئی پھرا کرتی ہے مُصنّف نے ایک شعر اس مضمون کا اور بھی کہا ہے ؎

مقدم سیلاب سے کیا دل نشاط آہنگ ہے　　خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

مگر اسمین اور شعر اول الذکر مین یہ فرق ہے کہ وہان مُصنّف اپنے دل کی خوشی کا مقدم سیلاب سے اظہار کرتا ہے اور یہان در و دیوار کا نظم صاحب نے اس شعر کے معنے بھی پہلے شعر کی طرح بیان کیے ہین اور خیال مین کوئی فرق نہین دکھایا۔

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانے مین　　حریف رازِ محبّت مگر در و دیوار

غالب اگرچہ تیرے رموز اور راز محبت کا سننے والا سوائے در و دیوار کے کوئی نہین مگر پھر بھی یہ بات کسی سے نہ کہہ لوگ تجھے دیوانہ خیال کرینگے کہ در و دیوار بھی کہین راز محبّت سنتے ہین یا در و دیوار سے باتین کرنا یہ کوئی عقلمندی ہے یا تجھے اظہارِ راز محبت کا الزام دینگے۔

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر　　جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

جب تیرے دروازے پر بغیر تیرے اجازت کے بے حیا ہو کر مین نے گھر بنا لیا تو کیا تو اب بھی میرے گھر کو بتائے بغیر نہ سمجھے گا اور یہ الزام دیتا رہے گا کہ ہمین تیرا گھر ہی نہین ملتا۔

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن　　جانون کسیکے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

یعنے یہ ظلم دیکھئے کہ مجھ مین ضعف سے جب طاقت سخن باقی نہین رہی ہے تب وہ لوگون سے کہتے ہین کہ مین اسکی تمنا پوری کر دون تو کیونکر کرون مجھے کسی کے دل کا حال کیا معلوم ہے ایک جگہ نئے انداز سے مصنف اس مضمون کو یون بیان کرتا ہے ؎

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسشِ حال　　کہ یون کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہیے

عجب نہین کہ زمانہ حال کا کوئی شاعر موہوم "سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ" مین ذم کا پہلو نکالے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا۔

چھوڑونگا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا　　چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مین اس بت کافر کا پوجنا نہ چھوڑونگا چاہے خلق مجھے ہمیشہ کافر کہے جائے۔ خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی ہے کند　　آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جسکا جہان مین　　لیوے نہ نام کوئی ستمگر کہے بغیر

تقدیر سے میرا ایسے شخص سے کام پڑا ہے جسکو دنیا مین سبھی ظالم کہتے ہین۔ نظم صاحب لکھتے ہین

لیوے دیوے کھوے دلی کی زبان مین بہت ہے یہ بقاعدۂ صرف بھی غلط ہے
متروک بھی لیکن لیوے دیوے ہووے بھی گو قیاساً صحیح ہی مگر ترک ہوتا جاتا ہے حذا
نے کیا مطلب ہے کہ اسی کو صحیح کہتے ہین اُسی کو غلط فرماتے ہین مین کہتا ہون کہ یہ الفاظ
غ اور آمیر کے زمانے سے متروک ہوے ہین۔ غالب کے زمانے تک بے تکلف نظم
ے جاتے تھے دوسرے یہ غلط العام فصیح تیسرے یہ کہ محاورہ مین قیاس اور صرف و نحو کا
ل نہین ہے ۔

ی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم　　سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

ہم جو دشمنون کو جواب نہین دیتے ہین اس کا یہ سبب نہین ہے کہ ہم کسی سے دبتے ہین
کسیکا ہمکو ڈر ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دل مین کسیکی شکایت ہی نہین ہے اور ہم
ماف باطن ہین اگر ایسا نہو تو بلا سے قتل ہی کیون نہ ہو جائین مگر کہے بغیر نہ رہین گے
مولانا ناطق گلاوٹھوی فرماتے ہین ؎

تی نہین تو ایک وہی خوئے دشمنی　　ہم ورنہ دشمنون سے کسی طرح کم نہین

دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہمکو معشوق کی صرف اک محبت ہے ہمارے دل مین کوئی
تمنا نہین ہے اگر کوئی تمنا ہو تو مرین یا جئین ضرور کہہ گذرین ۔

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام　　چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

مقصود گرچہ ناز و غمزہ ہے مگر گفتگوے شاعرانہ مین دشنہ اور خنجر کہے بغیر کام نہین چلتا ہے
یعنے بغیر استعارہ و تشبیہات کے شاعری کا کوئی لطف نہین۔ ایسی حالت مین
بس شاعر یہی بکنے لگتا ہے ؎

دو چشم تو زیر ابروانند　　دندان تو جملہ در دہانند

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

چاہے مشاہدۂ حق کی ہی گفتگو کیون نہو مگر شاعری مین اُنھین بادہ و ساغر ہی کہنا
پڑتا ہے یہ شعر بھی مثل شعر سابق کے ہے ۔

بہرا ہون مین تو چاہیئے دونا ہو التفات　　سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

اگر مین بہرا ہون تو آپکو دونا التفات چاہیئے کیونکہ جب تک بات مکرر نہین کہی جاتی مین
سُنتا نہین ہون ۔
اس شعر کی نسبت ایک بزرگ مجھ سے فرماتے تھے کہ آخر مین جب مرزا غالب دربار مین مشاعرہ
شریک ہونے لگے تھے تو بادشاہ انھین سے شوری کرتے تھے انکا دستور تھا کہ غزل خود
ولیعہد بہادر سے سُنا کرتے تھے اور جو شعر اچھا ہوتا تھا صرف اسپر داد دیتے تھے ایک مرتبہ
بادشاہ کوئی غزل سُنا رہے تھے کہ اسمین ایک اچھا شعر پڑھا مگر ادھر سے نہ داد دی گئی
نہ کوئی ہون ہان ہوئی کیونکہ مرزا شراب پیئے ہوئے تھے۔ بادشاہ خود سخن سنج اور سخن فہم تھے
یہ بے محل سکوت ناگوار گذرا تیور پر بل پڑا۔ ادھر مرزا بھی اداشناس تھے۔ تاڑ گئے
دربار مین یہ حکماً جو باتین کرتے تھے وہ نظم مین ہوتی تھین۔ لہذا فوراً نظم کر کے فرمایا ؎

بہرا ہون مین تو چاہیئے دونا ہو التفات　　سنتا نہین ہون بات مکرر کہے بغیر

شاہ عالم پناہ مُسکرائے دوبارہ شعر پڑھا۔ اور حسب دلخواہ داد لی۔ خدا جانے کہانتک
صحیح ہے کہانتک غلط ہے۔ ہان البتہ مقطع یہ ضرور بتاتا ہے کہ یہ غزل دربار مین پڑھی
گئی ہے۔

غالب نہ کر حضور مین تو بار بار عرض　　ظاہر ہے تیرا حال سب اُنپر کہے بغیر

دیکھئے اپنے حال کو کس صفائی سے عرض کیا ہے۔ یہ بھی ایک معنوی خوبی ہے۔ ایسے
ہی ایک جگہ شکریہ کا نیا پہلو ہے ؎

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا　　وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

کیون جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھکر　　جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

کیا اچھا ہوتا کہ رُخ یار کی تاب دیکھکر مین جل جاتا کہ مجھکو یہ صدمے نہ اُٹھانے پڑتے مین
اپنی طاقت دیدار سے جل رہا ہون کہ اس نے اسکے جمال جہان سوز کو دیکھ لیا اور مین
جل نہ گیا۔ یا یہ کہ انتہاے رشک کی حالت بیان کی گئی ہے۔ کہ میری آنکھون نے اُسکو

کیون دیکھا مین جل کیون نہ گیا۔ آخری مضمون کا مرزا نے دو تین جگہ اعادہ کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یا ؎۔ تکلف بر طرف نظارگی مین بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہائے شرربار دیکھکر

چونکہ مین رات دن آتشین نالے کرتا ہون اس لحاظ سے لوگ مجھے آتش پرست کہنے لگے حالانکہ مین آتش پرست نہین ہون ایک جگہ کہتے ہین ؎

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہون اُس بت بیداد گر کو مین

کیا آبروئے عشق جہان عام ہو جفا
رُکتا ہون تم کو بے سبب آزار دیکھکر

آپ بے سبب آزار ہین اسواسطے مین اب اپنے آپکو آپ کے عشق سے روکتا ہون۔ کیونکہ مین تو عاشق ہون مجھ پر تو یون جفائین کرتے ہو۔ مگر رقیب جو عاشق نہین ہے تم اُسپر بھی میری طرح ظلم کرتے ہو جو بالکل بے سبب ہے لہذا مین اجتناب کرتا ہون کہ عاشق اور بوالہوس مین اسطرح سے کوئی فرق باقی نہین رہتا۔ اور میرے عشق کی آبرو پر دھبہ آتا ہے ایک جگہ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ مرحوم بالکل یہی مضمون نہایت درد انگیز لہجہ مین فرماتے ہین ؎

کس توقع پہ جئین شیفتہ مایوس کہ ہم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہین ہین

نواب مرزا داغ فرماتے ہین ؎

شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہمکو حریص لذت آزار دیکھ کر

افسوس صد افسوس یار نے ظلم سے بھی ہاتھ اٹھالیا۔ کہ مجھکو حریص لذت آزار دیکھا اور اب مین اس سے بھی محروم ہون۔ ایک شعر پہلے اسی قسم کا لکھا جاچکا ہے ؎

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

موج مے تیری رفتار مستانہ دیکھکر لرز رہی ہے کہ اس سے ایک عالم کے دل پامال ہونگے۔ اور یہ سب خون گردن مینا پر ثابت ہونگے۔ کیونکہ شراب پیکر تیری رفتار ایسی ہوئی ہے۔ اس شعر کا مطلب لکھنے کے ساتھ ہی ایک شعر معما مجھے یاد آیا۔ جسے شاید حافظ نے بچپن کے زمانہ سے جب یہ سنا ہو گا شاید آج ہی کے لیے امانت کیطرح رکھ چھوڑا تھا۔ معمایہ ہے ؎

مگس کو باغ مین جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانہ کا ہو گا

یعنے شہد کی مکھی کو باغ مین نہ جانے دینا۔ وہان وہ چھتہ لگائیگی اس سے موم نکلے گا اور موم سے شمع بنے گی اور وہ جلے گی جسپر پروانہ اپنی جان نثار کرے گا۔

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
مرتا ہون اُسکے ہاتھ مین تلوار دیکھ کر

میرے قتل کو نہایت جوش وخروش سے آتا ہے اور تلوار ہاتھ مین لیے ہے مگر مین رشک سے مرا جاتا ہون کہ تلوار کی اُسکے ہاتھ تک کیون رسائی ہوئی۔

بک جاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

ہم اپنے متاع سخن کے خریدار کے ساتھ خود بک جاتے ہین لیکن اُس حالت مین جب اُسکی طبیعت کا اندازہ کر لیتے ہین مطلب یہ کہ جو میری شاعری کی قدردانی کرتا ہے مین بھی اُسکی قدر کرتا ہون مگر اُسکی طبیعت کا اندازہ کرنے کے بعد۔ اور بک جانیکی وجہ یہ ہے کہ میرے کلام کا جو شخص خریدار ہے وہ یقیناً ذوق صحیح رکھتا ہے۔

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

تسبیح اور زنار دونون ایک ہی منزل پر پہونچنے کے رستہ ہین مگر فرق یہ ہے کہ زنار کی راہ ہموار ہے اور تسبیح کی راہ مین نشیب و فراز ہونے کی وجہ سے ٹھوکرین کھانی پڑتی ہین لہذا زنار پہن لے اور تسبیح کو توڑ ڈال ہموار رستہ پر مسافر چلا کرتے ہین۔ شعرا عام طریقہ سے زنار کو تسبیح پر ترجیح دیتے ہین کعبہ پر بتخانہ وغیرہ کو فوقیت دیجاتی ہے اور یہ صرف

اسوجہ سے ہے کہ انھوں نے اپنی اصطلاح مین انھین چیزونکے جنکے مشہور نامونکی برائیان کرتے ہاین یہ نام رکھ لیے ہاین۔ ورنہ دراصل نہ کوئی کعبہ اور تسبیح ومصلے کے خلاف ہے نہ بتخانہ وغیرہ کا معتقد ہے انکے برعکس نام رکھنے کی وجہ معلوم نہین کیا ہے۔

ان آبلون سے پاؤنکے گھبرا گیا تھا مین — جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

ان (اسم اشارہ) عمدًا لایا گیا ہے جسنے یہ فائدہ دیا ہے کہ گویا آبلونکی شکایت کرنے والا ایجاب طلب اپنے پاؤن کے آبلے دکھارہا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے گھبرا گیا تھا۔ مگر ذرا پُرخار جنگل دیکھکر میرا جی خوش ہوا ہے۔ کہ یہ سب پھوٹ جائین گے

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینہ مین مرے — طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

وہ مجھ سے کتنا بدگمان ہے کہ میرے آئینہ مین جو زنگ لگا ہوا ہے (یعنے میرا دل جو غمون سے مکدر ہے اسکو زنگ نہین سمجھتا۔ بلکہ طوطی سمجھتا ہے (یعنی سمجھتا ہو کہ اسے کسی دوسری چیز کی بھی میرے سواے محبت ہے) ایک جگہ فرمایا ہے ؎

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاش کے — اس قدر ذوق نواے مرغ بستانی مجھے

مگر پہلے شعر مین اور اسمین فرق یہ ہے کہ وہان مصنف محض بدگمانی معشوق کا اظہار کرتا ہے اور خود کو طوطی پالنے سے بری الذمہ ثابت کرتا ہے۔ دوسرے مین اپنے شوق کو نفرین کرتا ہے اسمین دوسرا پہلو معانی کا یہ بھی نکلتا ہے کہ زنگار آئینہ سے طوطی کے چھپا دینے کی بدگمانی کرتا ہے۔ اس لیے کہ طوطی کو آئینہ کے پیچھے رکھتے ہین اور پڑھاتے ہین تو یہان بھی معشوق بدگمان سمجھتا ہے کہ اسنے میری گفتگو کا چربہ اُتارنے اور سکھانے کے لیے طوطی کو آئینہ کے پیچھے چھپا رکھا ہے اور ظاہرا یہ بدگمانی کی وجہ ہے ظاہر ہے کہ طوطی وہی باتین جو آئینہ کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی کہتا ہے کرنے لگتا ہو جیسے کہنے والا اس شعر مین احکام مرقومہ ازل کے اظہار کی تشبیہ دیکر کہتا ہے ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ استاد ازل گفت ہمان میگویم

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر — دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کہتا ہے کہ طور گویا ایک ہیچ واتنک ظرف تھا جو نشۂ شراب برق تجلی کا متحمل نہین ہوسکتا تھا لہذا چاہیئے تھا کہ برق طور ہم پر گرتی۔ ہمارا ظرف ایسا تھا کہ ہم اسکو ضبط کرسکتے۔ غالب کا یہ شعر مقبول ہے اور فی الواقع تعریف سے مستغنی ہے۔ اس قوت اور مشق کا مصرع لگانا غالب ہی کا کام تھا۔ عرفی نے ایک جگہ اس مضمون کو اس سے بھی ایک درجہ بڑھا کر کہا ہی فرماتے ہین ؎

نہ کوتہی ز عطا بود و عشق میداند — کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

یعنے عطا نے ہمارے ساتھ کوتاہی نہین کی تھی اُسنے اپنے نزدیک ہمکو خلعت موزون دیا تھا مگر ہمارا عشق جانتا ہے اور اسیات کا گواہ ہے۔ کہ دربار عطا سے جو ہمکو خلعت طور عنایت ہوا وہ ہمارے کرشمہ اور ہمارے حال پر تنگ تھا۔ یعنی ہمپر برق طور سے بھی کچھ زیادہ کرنا چاہیئے تھا۔

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا — یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھکر غالب مجنون کا سر پھوڑنا مجھے یاد آگیا بہ لحاظ بندش کے یہ شعر بیمثل ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

مرگیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے — بیٹھنا اسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

لرزتا ہی مرا دل زحمت مہر درخشان پر — مین ہون وہ قطرۂ شبنم جو ہو خار بیابان پر

مین وہ ایک قطرۂ شبنم ہون جو نوک خار پر ہو۔ اور میرے جذب کرنے کو آفتاب نے زحمت کی ہے میرا دل اُسکی تکلیف پر کڑھتا ہے کہ ایسے ناچیز قطرہ کے لیے جسکا فنا ہوجانا اک امر یقینی تھا اُس نے ناحق تکلیف کی۔ دل کا لرزنا اسلیے کہا گیا کہ آفتاب بھی صبح کو کانپتا ہوا نکلتا ہے

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہی زندان پر

یان بھی سے پتہ چلتا ہے کہ قید مین انکو خانہ آرائی چھوڑ دینی چاہیئے تھی مگر حسن تکلفات سے کسی جگہ باز نہین رہتا۔ قید خانے پر پھرنے کے لیے دیدہ یعقوب کا نور لیا گیا ہے پھرتی ہی ایک ذو معنے لفظ ہے جس سے گردش کرنے اور ڈھونڈھنے کے معنے بھی مفہوم ہوتے ہین

تلمیح ظاہر ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روتے روتے بے نور ہوگئیں تھیں۔

فنا تعلیم درس بیخودی ہوں اُس زمانہ سے　　کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستاں پر

میں بیخودی عشق سے اُس زمانہ سے تعلیم فنا حاصل کرتا ہوں کہ مجنوں اُسوقت تک طفل مکتب تھا اور دیواروں پر لکیریں کھینچتا تھا۔ لام الف لکھنے سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں یعنی وہ لا لکھتا تھا۔ جسکا مفہوم یہ ہے کہ اُسوقت تک وہ نیستی کی مشق کرتا تھا یا یہ کہ وہ لیلا پورا نہ لکھ سکتا تھا یعنی ہنوز اُسکو لیلی کا عشق کامل نہ ہوا تھا۔

فنا تعلیم درس بیخودی۔ مصنف کی تراشی ہوئی ترکیب ہے۔ اور یہ ایسی ہی ہے جیسے یک الف بیش وغیرہ یہ مرزا بیدل مرحوم کا اتباع ہے۔ جنکی نسبت آزاد مرحوم نے خزانۂ عامرہ میں یہ لکھا ہے میرزا در زبان فارسی چیزہائے غریب اختراع نمودہ کہ اہل محاورہ قبول ندارند۔ بلے قرآن کہ کلام خالق السنہ است سر رشتۂ موافقت زبان در دست دارد۔ اگر اختراعی خلاف زبان میداشت فصحائے عرب قبول نمیکردند۔ غیر فارسی کہ تقلید زبان فارسی کند بے موافقت اصل چگونہ مقبول اہل محاورہ تواند شد۔

آما خان آرزو در مجمع النفائس گوید کہ چون مرزا از راہ قدرت تصرفات نمایاں در فارسی نمودہ مردم ولایت و کاسہ لیسان اینہا کہ از اہل ہند اند در کلام آن بزرگوار سخنہا دارند و فقیر در صحت تصرف صاحب قدرتان ہند۔ ہیچ سخن ندارد۔ بلکہ قائل است چنانچہ در رسالہ داد سخن بہ براہین ثابت نمودہ ہر چند خود تصرف نمی کند۔

یہاں تک تو میں نے جو کچھ لکھا مرزا کی فارسی تراکیب کے لیے لکھا۔ کہ انکی صحت میں کلام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ غالب مرحوم فارسی زبان میں صاحب قدرت تھے اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی ضرور کہونگا۔ کہ آج جو اہل دہلی و لکھنؤ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے محاورات کے سوائے دوسرے شہروںکے محاورات اور ہماری زبان کے سوائے دوسری جگہ کی زبانیں نامقبول ہیں یہ کہانتک صحیح ہے۔ تعجب ہے کہ ایران کی زبان کے محاورات میں تصرف ایک قادر الکلام فارسی گو ہندی شاعر کے یہاں غیر مقبول نہو اور ہندوستانی الفاظ ہندوستان ہی میں مردود ہو جائیں۔ آج اگر غور کیا جائے تو لکھنؤ دہلی میرٹھ مراد آباد علیگڈھ بلند شہر آگرہ وغیرہ کی زبانوں میں بہت کم فرق باقی رہ گیا ہے اور اُردو کی

ترقی نے ان سب شہروں کی زبانوں کو مماثل بنا دیا ہے۔ اور سوائے چند بیگمات کے محاوروں کے (جن سے غالبًا شعراء کو کبھی کام نہیں پڑتا) کچھ دہلی اور لکھنؤ کے خزانہ میں باقی نہیں ہے مگر ہرچہ رقم سلطان بود پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور اتنک دنیا کی زبان کو غلط سمجھا جاتا ہے یہ اگر ناانصافی نہیں ہے تو اسکو انصاف سے تعبیر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ حالانکہ ابتک جتنے مستند شعراء ریختہ گو گذرے ہیں ان میں سے اکثر باہر کے رہنے والے تھے۔ مثلاً غالب آگرہ۔ اور مصحفی امروہہ۔ میر تقی میر آگرہ۔ میرزا جان جاناں۔ مظہر دکھنی۔ مرزا رفیع السودا کے باپ کابلی۔ جرأت کے بزرگ اکبر آبادی۔ انشاء اللہ خان کشمیری النسل شیخ ناسخ کے والد کا وطن لاہور۔ آتش مصحفی امروہوی کے شاگرد۔ مولوی عبدالرحمن راسخ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے۔ اسیر مرحوم امیٹھی کے بیان مرحوم میرٹھ۔ خواجہ بقاء اللہ خان بقا الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ دیہات یا دوسرے شہروں سے لکھنؤ اور دلی میں آئے سب نے انکی زبانوں کو مستند ہی نہیں سمجھا بلکہ انکا اتباع کیا۔ آتش جنکی آتش بیانی کا آجتک شہرہ ہے۔ لکھنوی ہونے کی حیثیت سے ہجو من دیگرے نیست پر عمل کرتے تو کبھی ایک دیہاتی کے حلقہ تلامذہ میں داخل نہوتے۔ اسکے سوائے دہلی اور لکھنؤ دونوں میں بہت سے الفاظ غلط بولے جاتے ہیں۔ اگر کوئی باہر کا رہنے والا اُنکے مقابلہ میں صحیح الفاظ بولتا ہے تو اُسکا مزاح کیا جاتا ہے اور وہ غلطی اور اُلٹی اسی کے سر رکھدی جاتی ہے۔ کیوں اسلیے کہ دہلی اُردو کی زادبوم ہے اور لکھنؤ میں دہلی کے اُجڑنے کے بعد اہل کمال کے جمگھٹ رہے ادھر لکھنؤ اور دلی کی سرحد سے کوئی باہر نکلا ادھر اسیر زبان کی لاعلمی کا الزام لگایا گیا اس کے ساتھ ہی ایک لطف اور دیکھئے کہ وہی دیہاتی جسپر آوازے کسے جاتے ہیں۔ جو کچھ لکھ گئے ہیں اُنھیں سے سند پیش کیجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم مولانا حالی اور شبلی رح کی تصانیف کو پیش کرتے ہیں حالی پانی پت کے رہنے والے تھے شبلی اعظم گڈھ کے باشندے تھے آزاد نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ لاہور میں گذارا مولانا نذیر احمد نے بجنور کے ضلع میں ہوش سنبھالا۔ پھر ان کی زبان کو مستند کیوں مان لیا گیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ایران میں شیراز گویا دلی ہے اور وہاں کی زبان مستند ہے۔ مگر آجتک کسی نے یہ نہیں بتایا کہ نظامی جو گنجہ کے خاقانی شروان کے۔ ظہوری ترشیز کے فردوسی طوس کے مولانا جامی جام کے نظیری نیشاپور کے رہنے والے تھے انکو استادی کا خطاب کس بنا پر دیا گیا اور ان کی زبان

مستند کیون مانی گئی دران حالیکہ انکے مساکن اور انکی زاد بوم دیہات اور قصبون سے
زیادہ وقیع نہ تھے۔
سعدی شیراز کے رہنے والے تھے۔ مگر جب سلطان محمد قاآن حاکم ملتان نے انکو ہند مین بلایا
تو باوجود اہل زبان اور مستند ہونے کے اُنھون نے کیون لکھدیا کہ امیر خسرو کو میری جگہ دیکھ لو
ظاہر کوئی بات انصاف کے سوائے ایسی نہین تھی کہ سعدی کو اس جواب کے دینے پر مجبور کرتی
خیال یہ تھا کہ زبان کسی خاص شہر اور جگہ کا حصہ نہین ہے بلکہ جسکو خدا دے ان لوگون کی
زبان صاف دیکھی انصاف پسند دل نے مستند سارٹیفکٹ دینے پر مجبور کر دیا عرب کو لیجیے
وہان خانہ بدوش قومون کی زبان مستند مانی جاتی ہے شہریون کی زبان اس لیے
مستند نہین سمجھی جاتی کہ باہر کے لوگ وہان تجارت کے لیے آتے جاتے ہین۔ اسی کلیہ کو
دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہین کہ شاہی زمانے مین بہت سے اُمراء کو جاگیرین ملی ہین اور انھون
نے پرگنہ اور قصبہ آباد کیے ہین اور شریف خاندان وہان رہے ہین۔ اُنکے گھرانے آجتک
موجود ہین انکی طرز معاشرت اُنکی زبان وہی نسلاً بعد نسلاً چلی آتی ہے۔ اُنکی تعلیم و تربیت
شہریون سے اچھی۔ مگر جب شہر والے زبان کا ذکر سُنتے ہین کہدیتے ہین کہ یہ تو ہمارا حصہ
ہے۔ یہ آخر کیون کہا جاسکتا ہے کہ یہان یعنی اردو مین قضیہ منعکس ہے مگر اس سے دوسرونکی زبان غیر مستند نہین ہوتی۔
شاعری کے لحاظ سے دہلی مٹ چکی۔ لکھنؤ مین چند چراغ ہین جو جھلملاتے نظر آتے ہین چند
آفتاب ہین جو لب بام ہین۔ الفاظ کی تراش خراش بند ہوگئی۔ ترقی تعلیم نے سب جگہ
اپنا اثر دکھا رکھا ہے پرانے محاورات جو لکھنؤ اور دلی کو متقدمین سے ملے تھے ہندوستان بھر
شہرونمین پھیل چکے مشاعرے ہونے بند ہوگئے یا کم از کم ہوگئے۔ چھوٹے چھوٹے شہرون
اور قصبون مین زبان اردو کی ترقی کے لیے مشاعرے منعقد ہونے لگے۔ ہندوستان کے
مشہور شاعرون سے اُنکے تبادلہ خیالات ہوتے ہین۔ ترقی زبان کے لیے انجمنین قائم
ہین۔ مگر جب اُنھین قصباتی یا دیہاتی لوگون مین سے کوئی لکھنؤ یا دلی کے مشاعرون مین
غزل پہلو بہ پہلو پڑھتا ہے۔ تو غزل کے مضامین کیسے ہی اعلیٰ اور جذبات کتنے ہی موثر
اور دلکش ہون۔ مگر ضد سے اپنی وضع پر قائم رہنے کے لیے ماتھے پر شکن ڈالنا فرض سمجھ
رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ انصاف کا خون کرتا ہے۔ ان زبردستیون سے کام نہین چلتا
زمانہ سمجھ چکا ہے کہ ان لوگونکے پاس جو زبان زبان کا وظیفہ دن رات رٹ رہے ہین۔

سوائے اس زبان کے جس سے دُنیا کو بُرا کہا جاتا ہے کچھ باقی نہین ہے۔
اب شاعری کا موازنہ کیجیے تو ہنسی آتی ہے ادھر یہ لوگ فخر کے ساتھ کہتے ہین کہ شاعری ہمارا
حصہ ہے زبان ہماری لونڈی ہے۔ ہمارے یہان کے جاہل گنوار دیہاتی اور دوسرے
شہر کے تعلیم یافتون سے کچھ اچھا کہہ لیتے ہین۔ اُدھر وہ لوگ جب اُن کے خیالات کو
سُنتے ہین تو غریبونکو مُنھ مین رومال دیکر ہنسنے کے سوائے کچھ بن نہین پڑتا۔
دہلی کی حالت یہ ہے کہ وہان تو سادگی زبان کے سوائے نہ جذبات سے کام نہ مضمون
آفرینی سے غرض۔ لکھنؤ کی کیفیت کہ رونے کے سوائے دوسرا کام ہی باقی نہین رہا۔ نہ
زبان سے غرض نہ اصلی اور دلی جذبات سے مطلب وہی ہیر پھیر کرنے کے مضمون لکھے
جاتے ہین۔ یا قید۔ آشیانے کا جلنا اُجڑنا نزع کی سختیان ہمیش نظر رہتی ہین۔
زبان کے اصول مین سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے مشابہ دیکھ کر نام
رکھے گئے ہین۔ اور یہ قاعدہ۔ عربی۔ فارسی۔ اردو مین عام ہے۔ تو اسمین اگر ایک شہر
کے باشندے کسی شئے کو کسی شئے سے مشابہ پاکر کوئی اُس نام کے سوائے (جو اہل لکھنؤ
یا دہلی نے رکھا ہے) دوسرا نام رکھے ہوئے ہین تو اُسے اگر آپ اپنے یہان کا نام موجود
ہونے کی وجہ سے زبان پر لانا گناہ سمجھین۔ تو دوسرے کو وہ نام جو اُس نے کسی خاص مناسبت
سے رکھا ہے اور اسمین کوئی قباحت نہین ہے زبان پر لاتے ہوئے دیکھکر آپکو غلط کہنے کا
کیا حق ہے مثال کے طریقہ پر لیجیے۔ بڑی جوار (مکئی) کی بالی کو لکھنؤ اور دلی مین بھٹا
کہتے ہین اور یہ اسوجہ سے کہ بھٹا۔ گردن کو کہتے ہین چونکہ گردن اوپر ہوتی ہے اور بالی بھی
درخت کے اوپر نکلتی ہے اسواسطے تشبیہ بہ ادنٰے ملابست کا قانون جاری کرکے اسکو اس
نام سے مشابہ کیا گیا۔ مگر میرٹھ کے ضلع کے بعض قصبات مین اسکو گگڑی کہتے ہین اور گگڑی
شہد کے چھتہ کو بھی کہتے ہین۔ چونکہ اُسمین اسکی پوری مشابہت ہے اسواسطے اُنھون نے
اس کا وہ نام رکھ لیا۔ اب اگر لکھنؤ مین بھٹے کو کوئی گگڑی کہے تو قائل کو غلط گو کا
خطاب کیون دیا جائے۔ اُنھون نے بھٹا چھوٹی جوار کی بالی کا نام رکھا ہے اس لیے کہ
اسمین پوری مشابہت گردن کی ہے۔
پانی کے ظرف کو گھڑا کہتے ہین۔ اگر بعض جگہ اسکو تھال کہتے ہین۔ یہ لفظ تال سے بگڑکر اس
صورت مین آگیا ہے جسکے معنے تالاب کے ہین۔ پھر اُسکو غلط کیون کہا جائے۔

شہر کا محاورہ گلو اور نیم چڑھی ہے۔ مگر اکثر قصبات مین کریلا نیم چڑھا کہتے ہین حالانکہ گلو
اور کریلا دونون کڑوے ہین —
مرغے کی ایک ٹانگ شہر کا محاورہ ہے۔ مگر بعض جگہ اسی محل پر مرغے کی تین ٹانگ کہا
جاتا ہے۔ حالانکہ جو محاورہ کے وضع ہونے کا مقصد ہے وہ دونون مین موجود ہے بعض
الفاظ قصبات و دیہات مین ایسے مستعمل ہین جو فارسی ہین اور جانبین مین سے یہ کوئی
نہین سمجھتا کہ یہ لفظ غیر زبان کا ہے۔ مگر جب کوئی قصبائی وہ لفظ استعمال کرتا ہے تو
غلط سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً لیجئے۔ کنڈا۔ اسکو اکثر جگہ اُپلہ کہا جاتا ہے مگر بولنے والے
اسکو ہندی سمجھکر بولتے ہین اور غلط کہنے والے بے سوچے سمجھے غلط کہدیتے ہین میرا مطلب
اس سب فضول تحریر سے نہ دہلی پر اعتراض کرنا ہے نہ لکھنؤ پر بلکہ کہنا صرف یہ چاہتا
ہون کہ اگر کسی لفظ کو آپ اپنے نزدیک فصیح نہ سمجھین تو خیر آپ کی خوشی مگر غلط کہدینے کا
مجاز آپکو نہین ہے — آج زبان اردو کی اسقدر ترقی کے بعد یہ حق باقی نہین رہا ہے
کہ ہندوستان بھر کی زبان لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اور زبان کی غلامی کرے —

فراغت کسقدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے ‏ ‏ ‏ بہم گر صلح کرتے پارہائے دل نمکدان پر

مرہم کی تشویش سے مین آزاد اور فارغ البال رہتا اور اسکی جستجو مین دربدر ٹھوکرین کھاتی نہ
پڑتین اگر میرے دل کے ٹکڑے نمک چھڑکنے کی ایذا پر راضی اور خوش رہتے گویا ایک عاشق
کے لیے جستجوئے مرہم نمک کے ہوتے باعث ننگ ہے پھر بھی پہلو نکلتا ہے کہ میرا قاتل
جو میرے پارہائے دل پر نمک چھڑکتا ہے تو اس سے دل کے ٹکڑون کو وہ لذت حاصل ہوتی ہے
کہ آپسمین لڑتے جھگڑتے ہین اسوجہ سے اب مین اس فتنے کے دبانے اور اس فساد کے
مٹانے پر مجبور ہون اور چاہتا ہون کہ اس پر مرہم لگادون تاکہ یہ سب اس لذت سے
محروم ہوجائین کاش ان ٹکڑون مین باہمی نفاق ہوتا جتنا جتنا نمک جسکے حصہ مین آیا تھا
اسی پر راضی رہتے تو مجھے مرہم کے ڈھونڈھنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑتی —

نہین قلیم الفت مین کوئی طومار ناز ایسا ‏ ‏ ‏ کہ پشت چشم سے جسکے نہووے مہر عنوان پر

طومار۔ دفتر۔ پشت چشم۔ اغماض۔ چشم پوشی۔ عنوان۔ سرنامہ یعنی محبت کی ولایت

اور قلمرو مین کوئی دفتر اور کوئی فرمان ایسا نہین ہے جسپر معشوق کی اغماض اور بے پروائی
کی مہر نہو یعنی معشوقون کے ناز کے ساتھ ہی اغماض اور آنکھین پھیر لینا بھی پایا جاتا ہے گویا
ادھر عاشق کا ناز و ادا سے دل لیا اور ادھر آنکھین پھیرین لفظ عنوان اس لئے صرف کیا گیا ہے
کہ عنوان ابتدا ہی مین ہوتا ہے اور اس سے معشوق کی فوری بیوفائی کا اظہار مقصود ہے جیسی
بندش سُست ہے ویسا ہی مضمون و تشبیہ نئی اور چُست ہے —

مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا ‏ ‏ ‏ کہ فرقت مین تری آتش برستی تھی گلستان پر

یعنی مین باغ مین گیا اور پھولی ہوئی شفق سے مین سمجھا کہ یہ زینت گلشن ہے مگر اب سمجھا کہ وہ
شفق نہ تھی بلکہ تیری جدائی مین باغ پر آگ برس رہی تھی —

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا ‏ ‏ ‏ قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیدان پر

سوائے پرواز شوق یار کے شہیدان وفا کی خاک مین کچھ باقی نہین رہا ہے قیامت جسکا کام
مردونکا زندہ کرنا ہے۔ اور شہیدان وفا کو تو کیا اور کیونکر زندہ کریگی کیونکہ وہان شوق
ناز معشوق کے سوائے کچھ باقی ہی نہین ہے البتہ اسی پرواز شوق کو برانگیختہ کر دیگی
یا خاک کے معنے۔ قبر کے لیجئے۔ جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شہیدان وفا میں شوق ناز
یعنے عشق معشوق نے یہانتک اثر کیا تھا اور وہ اسقدر اس سے متاثر ہوئے تھے کہ سراپا عشق
ہو چلے تھے تو اب قیامت جو انکے جلانے کے لیے آئی ہے یہ سوائے اسکے کہ اس عشق کو اور
برانگیختہ کردے اور ہوائے تند بنکر اس خاک کو جو امتداد زمانہ کی وجہ سے سراپا شوق بنگئی
ہے تیزی کے ساتھ اُڑائے اور کیا کریگی۔ باقی رہا ہوگا ایک احتمالی جملہ ہے جس سے یہ معنے پیدا
ہوتے ہین کہ وہ پہلے ہی ایسے تھے تو اب اس امتداد زمانہ سے تو انکی ضرور یہ کیفیت
ہوگئی ہوگی — لفظ پرواز نے شعر کو معمہ بنا دیا ہے —

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اُسنے شدت کی ‏ ‏ ‏ ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر

غالب ناصح کی شدت پر تو اس سے کیون لڑتا ہے اُس سے لڑنے سے کیا فائدہ۔ ہمارا بھی تو
گریبان پر زور چلتا ہے اسکو پھاڑ ڈالو۔ یہ مطلب بھی اس سے نکلتا ہے کہ ناصح کی نصیحت سنکر

ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالین —

ہے بسکہ ہر اک اُنکے اشارے مین نشان اور
کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور

چونکہ اُنکے ہر اک اشارے مین نئی نئی باتین نکلتی ہین تو وہ اگر محبت بھی کرتے ہین تو اور گمان گذرتا ہے یعنے ہم سمجھتے ہین کہ یہ سب ازراہ فریب ہے اور ہمین بنا نے ہین ۔ حاصل یہ ہے کہ اُنکے ظلم و فریب اسقدر حد سے گذر گئے ہین کہ وفا پر بھی جفا کا خیال ہوتا ہے ایک شعر بیخود دہلوی مدظلہ کا ہے جسمین نہایت اچھی طرح سے زبانکے پیرایہ مین اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے

وہین بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتے ہین
جفا کیسی وفا سے بھی تمھاری ہم تو ڈرتے ہین

یا رب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات
دے اور دل اُنکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

میری زبان سے معشوق ۔ یا ضعف کی وجہ سے میرے دل کا مطلب ادا نہین ہو سکتا اور وہ ایسا بے پرواہ ہے کہ میرے حال کو سمجھ نہین سکتا ۔ تو اے خدا یا اُس سنگدل کو اور دل دیدے یا مجھے زبان اور دیدے کہ یا وہ میری حالت کا اندازہ کرے ۔ یا مین اپنا حال ظاہر کر سکون ۔ ایک اور شعر ہے جسمین محض ضعف کا اظہار مقصود ہے

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اُسکی ہے کمان اور

نگہ ناز ایک تیر ضرور ہے ۔ مگر یہ ابرو کی کمان سے نہین نکلا ہے بلکہ اسکی کمان کوئی اور ہے یعنی یہ حسن کی کمان کا تیر ہے ۔ ایک شعر اسی مضمون کا یہ ہے

اُس نے جب دیکھا مجھے فوراً صدا دی عشق نے
حسن کی ترکش کا دیکھ اے دل یہ پہلا تیر ہے

تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اٹھین گے
لے آئین گے بازار سے جا کر دل و جان اور

تمھارے زمانہ مین جان و دل سے ہر شخص تنگ ہے اور فروخت کرنا چاہتا ہے تو تم اگر ہمارے دل و جان لے بھی لوگے تو ہمکو کچھ پروا نہین ہے ۔ جب بازار مین جائینگے اور جان و دل لے آئین گے ۔

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی مین
ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگ گران اور

اگرچہ ہم بت شکنی مین کامل ہو گئے اور بتون کو ہم نے توڑ دیا ۔ مگر اگر ہمارے اندر (وہم) باقی ہے تو یہ بھی ایک بت ہے ۔ اور منزل عرفان کی راہ مین یہ بھی ایک سنگ گران ہے ۔ یعنی ایں بت کہ تو پندار شکستی باقی است —

ہے خون جگر جوش مین دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونبابہ فشان اور

میرا خون جگر سوز غم سے جوش مین ہے ۔ کاش کئی آنکھین ہوتین تو دل کھول کر رو سکتا خون بہت جوش مین آ رہا ہے اور آنکھین خون بہانے کے لیے صرف دو ہین کاش بہت سی آنکھین ہوتین اسی مضمون کا شعر نئے الفاظ کے ساتھ پہلے لکھ چکے ہین

نہ کہہ کہ گریہ بہ انداز حسرت دل ہے
میری نظر مین ہے سب جمع و خرچ دریا کا

مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد سے لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور

چاہے میرا سر اُڑ جائے مجھے اسکی پرواہ نہین ہے ۔ مین تو اُس آواز پہ مرتا ہون کہ جس سے وہ جلاد کو وار کرنے کی تاکید کر رہے ہین —

لوگون کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور

میرے سینہ سے جو ہر روز اک جدائی کا نیا داغ ظاہر ہوتا ہے لوگ اُسکو خورشید جہانتاب سمجھکر دھوکا کھا جاتے ہین ۔ ناسخ کا مطلع اسی مضمون کا ہے جو مین پہلے بھی لکھ چکا ہون

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

اگر تمھین دل نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا ۔ اگر نہ مرتا تو کوئی دن آہ و فغان اور کرتا اس شعر کے دونون مصرعون مین شرط و جزا ہے ۔ اور بہت خوب شعر ہے ۔ اس شعر مین ایجاز ہے ایجاز مختصر کرنے کو کہتے ہین ۔ یعنی کوئی بات ایسے مختصر طریقہ سے ادا کرین جس سے تمام واقعات سمجھ مین آ جائین ۔ اسی شعر کو دیکھئے گویا معشوق کے اس سوال کے جواب مین کہا گیا ہے

66

کہ تو کوئی دم چین کیون نہین لیتا اور تو آہ و فغان کیون نہین کرتا - ایک جگہ اس مضمون کو برعکس یون کہا ہے

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہو غالب قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

جب نالے رُک جاتے ہین اور اسکے بعد جب اُنکو راستہ ملتا ہے تو بہت زور سے چلتے ہین اسیطرح میری طبیعت جب رُکتی ہے تو اور زیادہ روان ہوتی ہے - یعنی کچھ روز مین شاعری نہین کرتا ہون پھر جو کچھ لکھتا ہون تو طبیعت زیادہ روانی پر آجاتی ہے

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

اگرچہ دنیا مین اور بھی شاعر بہت اچھے ہین مگر لوگ کہتے ہین کہ غالب کا انداز بیان سب سے نرالا ہے - مولانا حالی نے مرزا غالب مرحوم کے مرثیہ مین لکھا ہے ؎

طالب و عرفی و نظیری و کلیم لوگ جو چاہین انکو ٹھہرائین
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ہے ادب شرط منھ نہ کھلوائین
غالب نکتہ دان سے کیا نسبت خاک کو آسمان سے کیا نسبت

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

صفائے آئینہ حیرت آئینہ ہے اور یہ زنگ کا سامان ہے یعنی آئینہ کی صفائی ہی سے زنگ پیدا ہوتا ہے جب پانی ایک جگہ رہتا ہے تو اُسپر کائی جم جایا کرتی ہے - آئینہ کی صفائی کو پانی اور زنگ کو کائی سے تشبیہ دی ہے مرزا عبدالقادر بیدل مرحوم نے بھی قریب قریب ایسا ہی مضمون اس شعر مین ادا کیا ہے ؎

در طینت فسردہ صفاہا کدورت است آئینہ میکند ہمہ زنگار آب را

یعنی افسردہ طبیعتون مین صفائی سامان کدورت بنجاتی ہے - جیسے کہ آئینہ جو ایک افسردہ طبیعت ہے اپنے تمام پانی کو زنگار بنا دیتا ہے اور اسپر کائی پھیر دیتا ہے - بہت ممکن ہے کہ غالب مرحوم نے بجنسہ اس خیال کو ادا کیا ہو - اُس صورت مین پہلا مصرع بطور دعوی اور دوسرا مصرع ثبوت مین ہوگا - اور یہ معنے ہونگے - آئینہ جیسے

حیرت نے افسردہ دل بنادیا ہے اُسکی صفائی اُسکے لیے سامان زنگ ہے اور اسی لیے اُسکے اب اُسکے اوپر زنگ جم جاتا ہے مجھے یہان یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنا کوئی عیب نہین ہے - بلکہ اگر شاعر کسی دوسری زبان کے خیال کو اپنی زبان مین اچھی طرح سے ادا کرسکے تو وہ کمال شاعری ہے - مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء صفحہ ایک سو چوبیس مین اسکی نسبت لکھتے ہین -

ہم دیکھتے ہین ہمارے شعرا نے جو کہین کہین فارسی اشعار کا اُردو مین ترجمہ کر دیا ہے ان پر لوگون نے اعتراض کیا ہے - لیکن ہمارے نزدیک یہ کوئی اعتراض کا محل نہین ہے - ایک زبان کے شعر کا دوسری زبان کے شعر مین ترجمہ کرنا کوئی آسان بات نہین ہے -
جو شخص دوسری زبان کے شعر کو اپنی زبان مین ترجمہ کرتا ہے گو اُس سے اسکی قوت متخیلہ کا کمال ثابت نہین ہوتا مگر وہ ایک دوسری لیاقت کا ثبوت دیتا ہے -

مولانا شبلی شعر العجم جلد ۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸ مین ترجمہ کے بارہ مین اپنے خیالات کا یون اظہار فرماتے ہین - کہ اول اول ایرانی شعرا عربی شاعری سامنے رکھکر شعر کہتے تھے - مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے - آج بہت سے فارسی قطعے قصیدہ فرد موجود ہین جنکو عام لوگ ایران کا سرمایۂ ناز سمجھتے ہین لیکن وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے الخ - مگر ہمارے لیے اسبارہ مین شعر العجم اور مقدمۂ حالی ہی رہبر نہین ہے - عربی فارسی انگریزی اُردو سبھی زبانون مین دوسری زبانون سے ترجمے کیے گئے ہین - دوسری زبانون پر چونکہ اسوقت مین کچھ نہین لکھتا اسواسطے انکو چھوڑکر محض اُردو کے شعرا کی حالت دکھاتا ہون کہ اسمین بڑے سے بڑے شعرا نے فارسی سے ترجمے کئے ہین - مگر غالب اسبارہ مین قابل تحسین ہین جنھون نے اگر ترجمے بھی کیے تو ایسے خیالات کے جنپر اُردو کے شعرا کا خیال بھی نہین پہونچا اور انھون ترجمے کے لیے ایسے شاعر ڈھونڈھے جنکے نام پر شاعری کو مدتون فخر رہے گا - چنانچہ ہم دکھاتے ہین کہ دیگر شعرا نے ترجمے بھی کیے تو ایسے کہ جن مضامین سے اُردو کی شاعری مین کوئی معقول اضافہ نہین ہوتا بخلاف مرزا کے کہ جو مضمون ہے ایسا ہے کہ اُسکی نظیر نہین ملتی - اُنھون نے کچھ دوسرے ہی باغون سے پھول چنکر ترجمے سے گلدستہ تیار نہین کیے بلکہ اپنے فارسی دیوان مین بھی جو جذبات یا تخیل لطیف اور مزیدار ہے اُسے اردو مین بھی لائے ترجمونکی مثالین ملاحظہ فرمایئے -

قدسی	آلودہ قطرات عرق کردہ جبین را	اختر زفلک سے نگرد روئے زمین را
سودا	آلودہ قطرات عرق کرکے جبین کو	اختر پڑے جھانکین ہین فلک پرسے زمین کو
لااعلم	بہار بے سبزہ و جام و یار مے گذرد	نسیم ہمچو خدنگ از کنار مے گذرد
سودا	بہار بے سپر و جام و یار گذرے ہے	نسیم تیر تہی سینہ کے پار گذرے ہے
نظیری	بوئے یار من ازین سست وفا می آید	گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم
سودا	گردش نگہ مست کی یاد آگئی سودا	ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا مین
سعدی	دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم	باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی
میر تقی	پیار کرنے کا جو خوبان ہم پہ رکھتے ہین گناہ	ان سے بھی پوچھے کوئی تم اتنے کیون پیارے ہوئے
لااعلم	در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را	افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را
میر درد	نہ کہین عیش تمہارا بھی منغص ہووے	دوستو درد کو محفل مین نہ تم یاد کرو
ناصر علی	دست خواہم زد بدامان سکندر روز حشر	شور لیلے زادہ ام را رشک مجنون کردہ است
لااعلم	میری لیلے کو کر دیا مجنون	اے سکندر مین تجھکو کیا کوسون
خاقانی	ہمسایہ شنید نالہ ام گفت	خاقانی را دگر شب آمد
میر حسن	پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ	بس آج کی شب بھی سو چکے ہم
بیدل	مسی آلودہ بر لب رنگ پان است	تماشہ کن کہ آتش در دخان است
ناسخ	مسی آلودہ لب پر رنگ پان ہے	تماشہ ہے کہ آتش در دھوان ہے
ناصر علی	گویند کہ شب بر سر بیمار گران است	گر سرمہ گران است بچشم تو ازان است
ناسخ	ناتوانی سے گران سرمہ ہے چشم یار کو	جسطرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو
حزین	بعصائے خرد این راہ نشاید طے کرد	گرد آن شیشہ بہ دست من سرگردان دہ
ذوق	شوق مستی مین ہے گلگشت چمن کا ہمکو	چاہئے جائے عصا گردن مینا ہمکو
لااعلم	آسما نہاد در شکست من کمر بستہ اند	چون نگہ دارم من از نہ آسیا یکدانہ را
منشی امیر اللہ تسلیم	آسمان گردش مین ہین میرے ستانیکے لیے	چکیان تو چل رہی ہین ایک دانہ کے لیے
نظیری	نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم	ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت ما را
مرزا رجب علی بیگ سرور	نہ پھل پات لگانیکا بجز افسوس حسرت کے	ہین نخل بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقان ہون
حافظ	گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود	حقہ مہر بدان مہر و نشانست کہ بود
آتش	گوہر عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے	داغ دل زخم جگر مہر و نشان ہی کہ جو تھا

نظیری	مجلس چو در شکست تماشا زمار سید	در بزم چون نماند کسے جا بہ مار سید
آتش	آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے	مین جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل مین رہ گیا
واہب صفاہانی	افتادہ فسردہ از کاروان واماندہ ام	ہمرہان رفتند و خاکستر نشینم کردہ اند
	نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہون	لگا کے آگ مجھے کاروان روانہ ہوا

غرض یہ کہ اردو شاعرون نے بہت سے ترجمے فارسی سے کیے ہین مگر ساتھ ہی یہ بھی ضرور ہے کہ یہی ترجمہ کبھی سرقہ کی حد پر پہونچ جاتا ہے ۔ اُس حالت مین کہ شاعر اصل شعر مین کچھ رد و بدل کرے اور پھر بھی وہ اصل خیال سے بڑھ نہ جائے وہ ترجمہ نہین ہے ۔ ہم محض بہ خیال طوالت تمام بحث کو نہین لکھتے ہین ۔

انھین مین چند اقسام اور ہین جنھین التباس ۔ اقتباس ۔ استفادہ وغیرہ سے موسوم کر سکتے ہین ۔ انکو ہم نے بالتفصیل سرقہ شعر مین ذکر کیا ہے ۔

اب ہم یہ پھر کہنا چاہتے ہین کہ اسقدر ترجمون مین شاید ایک دو خیال ایسے ہین جو ترجمہ کرنے کے لایق تھے ورنہ وہی معمولی خیال ہین ان سے ادب اُردو مین کوئی اضافہ نہین ہوتا برعکس اسکے غالب کے بہت سے شعر جو ہم جا بجا لکھ چکے اور لکھین گے ان کو غور سے دیکھیے کہ وہ کس قدر قابل قدر ہین ۔ اور وہ خیال کسی دوسری جگہ سے ملتے ہین یا نہین ۔

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

سامان عیش سے میری وحشت کا علاج نہین ہو سکا ۔ بلکہ جام زمرد مجھے داغ پلنگ بن گیا جس سے میری وحشت مین اور اضافہ ہوا ۔ یہ تشبیہ اُردو مین غالبًا بالکل نئی ہے مگر فارسی مین مرزا عبدالقادر بیدل کے یہان پائی جاتی ہے فرماتے ہین ؎

منزل عیش تو وحشت کدۂ امکان نیست چمن از سایۂ گل پشت پلنگ است اینجا

؎ در وحشت این بزم نہ عشرت نتوان زیست ہر چند چراغان کنی پشت پلنگ است

یعنے وحشت کدۂ امکان کو منزل عیش نہ سمجھنا چاہیے چمن کو سایۂ گل سے پشت پلنگ سمجھ اور اس سے دُور بھاگ ۔

دوسری جگہ یہ مضمون ہے کہ بزم کا چراغان پشت پلنگ ہے ۔ اس سے عشرت حاصل نہین ہو سکتی بلکہ اور بھی یہ باعثِ وحشت ہے ۔

مولانا علی حیدر صاحب نظم نے معلوم نہیں کس بنا پر غالب کے شعر کے مضمون کو مبتذل کہہ دیا ہے۔

جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

عریانی نشان و موید جنون ہے۔ لہذا پھٹے ہوئے گریبان کا میری گردن پر حق ہے کہ اس نے میرے جنون کی امداد کی ہے۔ نظم صاحب نے گریبان کو منادیٰ قرار دیا ہے۔ مگر میں (گریبان چاک) کو ترکیب مقلوب سمجھتا ہوں۔ یعنی چاک گریبان جیسے شبنم کہ دراصل نم شب ہے وغیرہ وغیرہ بالکل اسی مضمون کا ایک شعر ہے ؎

جنون کا میرے ساتھی زندگی بھر تھا تو اک یہ تھا مری گردن پہ احسان رہ گیا میرے گریبان کا

بر نگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

نیرنگ شعبدہ۔ بال۔ بازو یک تپیدن ایک مرتبہ تڑپنا۔ کاغذ آتش زدہ جو کاغذ جل گیا ہو میرا نیرنگ بیتابی کاغذ آتش زدہ کی مانند۔ ایک بال تپیدن پر ہزاروں دل باندھتا ہے یعنے جسطرح جلتے ہوئے کاغذ میں سیکڑوں دل پیدا ہو جاتے ہیں۔ (دل سے مراد وہ نقاط ہیں جو کاغذ کے جلنے میں درمیان میں پیدا ہو جاتے ہیں) اسیطرح میرے دل کے جلنے میں سیکڑوں دل جو دل کے ٹکڑوں سے مراد ہے اس کے ساتھ جلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے بالقول مولانا نظم یہ مراد ہے کہ نیرنگ بیتابی مثل کاغذ آتش زدہ ہے کہ دل نے ایک بال تپیدن پر ہزار ہزار آئینہ باندھے ہیں۔ اس شعر میں آئینہ متحرک کی تڑپ کو اس شعلہ سے تشبیہ دی ہے جو کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو بہر حال شعر کے مضمون میں گنجلک پیدا ہو گئی ہے اور صاف کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا نواب صدیق حسن خاں ؎ تنہا نہ ہمین جان و دلم در تپ و تاب است ؛ چون کاغذ آتش زدہ یک شہر خراب است۔ یا یہ سمجھ لیجئے کہ میرا نیرنگ بیتابی ایک کاغذ آتش زدہ ہے جسکے ایک تڑپنے پر ہزار آئینہ دل بندھے ہوئے ہیں یعنے نوحہ ہیں۔

فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم آسمان سے اس عیش کی جو اس نے ہم سے چھین لی ہیں کیسی کیسی تمنائیں کرتے ہیں۔ عجب خفیف العقل ہیں کہ رہزن کا جو مال ہم سے چھین لے گیا ہے اسکو اس پر قرض سمجھے ہوئے ہیں حاصل یہ ہے کہ عیش وارفتہ کی امید فضول ہے نظیری اس عیش رفتہ کی واپسی کی یوں تمنا کرتا ہے ؎

نقدے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمر من جاوید مستغنی شوم از صد دہد گر نیم را

ہم اور وہ بے سبب رنج آزما دشمن کہ رکھتا ہے شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

ہم ہیں اور وہ بے سبب رنجیدہ ہونیوالا آشنا جو ہمارا دشمن ہے یعنی ہمارا اس بے سبب رنج آشنا دشمن سے پالا پڑا ہے۔ جو اپنے روزن دیوار میں شعاع آفتاب دیکھکر میری نگاہ سمجھتا ہے اور مجھ پر روزن در سے جھانکنے کی تہمت رکھتا ہے۔ بے سبب رنج آشنا۔ کو اگر پورا جملہ سمجھ لیا جائے تو اس حالت میں صحیح ہے۔

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اگر اپنی حقیقت کے دیکھنے کا مشتاق ہے تو فنا ہو جا۔ کیونکہ کوڑے اور تنکے کے نصیبہ کا فروغ گلخن میں جانے کے اوپر موقوف ہے یعنے جب تنکا فنا ہونے کی نیت سے بھاڑ میں جاتا ہے اور جلتا ہے تب اسمیں فروغ پیدا ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر انوار معرفت حاصل کر۔ حصول انوار معرفت بغیر فنا غیر ممکن ہے۔ یعنی تو اسوقت اپنی حقیقت کو کہ دراصل تو کیا چیز ہے معلوم کر سکتا ہے کہ فنا ہو جائے۔ اسی مضمون کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے ؎

جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبون شد غلط جادۂ گلخن بہ گلستان رفتم

میں ایک تنکا ہوں جو اپنے طالع کی فروغ کی امید پر گلخن میں جانا چاہتا ہوں۔ مگر راستہ بھولکر گلشن میں چلا گیا۔ اور وہاں جانے کا نتیجہ اسکے حق میں اچھا نہ ہوا۔

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

خدا جانے اسد کیسا بسمل ہے کہ قاتل سے کہتا ہے کہ تو خون ناحق کا خوف نکر۔ دونوں عالم کا خون میری گردن پر سہی تو مشق ناز کیے جا۔ اور مجھے اسی انداز سے قتل کر تا رہ

یہ شعر مقبول ہے۔ اسی انداز کا وہ شعر ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے ؎ مرتا ہوں اس آواز پہ
اس سے کمال عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے جسمیں وہ اپنے
کمال عشق کا یوں اظہار کرتے ہیں ؎

بروز حشر اگر پرسند خسرو را چرا کشتی — چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہمان گویم

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں — تکلف برطرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

میں تیرے ظلم بوجہ نہیں سہتا ہوں بلکہ یوں کہ معشوق تیرے اوپر عاشق ہیں۔ آخر کار مجھ کوئی نہ کوئی رقیب مجھے ایسا مل جائیگا۔ جس سے میں عشق کر سکوں گا۔ رقیب معشوق اسواسطے کہا کہ معشوق پر حسینان جہان عاشق ہیں تو وہ متکلم کے رقیب ٹھہرے اس لیے ظلم سہنا عین مصلحت ہوا۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور — تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

اس غزل کے تمام اشعار زین العابدین عارف مرحوم کے مرثیہ میں کہے گئے ہیں۔ جو مرزا کے عزیز۔ اور عزیز ترین ایک خوشگو خوش فکر مایۂ ناز شاگرد تھے۔ اور مرزا کو ان کے ساتھ کمال محبت تھی دست گلچین ازل اس گل نو شگفتہ پر عین عالم شباب میں دراز ہوا جسکے غم میں غالب کو مدتوں اپنی آنکھوں سے جوئے خون بہانا پڑا۔ غزل کے بعض درد انگیز اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ سب جلے ہوئے دل سے نکلے ہیں اور جو کچھ کہا گیا ہے تصنع کو اسمیں ذرا دخل نہیں ہے۔ ہر شعر ایک سر تیز نشتر ہے جو دل کو مجروح کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس شعر میں گویا عارف مرحوم کے تصور کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ اور شکایت کرتے ہیں۔ کہ تمکو یہ چاہئے تھا کہ اگر تمکو مرنا ہی تھا تو ہمارے ساتھ مرتے مگر تمنے جلدی کی میرے مرنے کا انتظار نکیا۔ لہذا اب تم کوئی دن اور تنہا رہو کیوں تنہا گئے تھے نہ تنہا جاتے نہ تنہا رہتے۔

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا — ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

میں تیری قبر کی لوح مزار پر ناصیہ فرسائی اس لئے کرتا ہوں کہ اگر یہ پتھر نہ گھسے گا تو میرا سر تو گھس جائے گا۔

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں — مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

وفور غم کی بدحواسی نے عارف مرحوم کا نزع کا عالم پیش نظر کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ کیلیے مرزا سے وداع ہوا چاہتے ہیں اور غالب جواب میں کہتے ہیں کہ کل کی بات ہے کہ تم مہمان سرائے عالم میں آئے تھے اور آج جانے کی اجازت چاہتے ہو یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ جانا ضرور ہے ہمیشہ کوئی یہاں نہیں رہیگا مگر کوئی دن تو اور ٹھہرو۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے — کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تم جاتے ہوئے مجھ سے کہتے ہو کہ اب قیامت میں ملیں گے۔ کیا خوب کیا قیامت کا کوئی اور دن ہے کیا جسدن مجھ سے تم قیامت تک کے لیے جدا ہو وہ دن قیامت کا نہیں ہے بے مثل شعر کہا ہے۔

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف — کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

یہاں مصنف آسمان سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عارف ابھی جوان تھا اگر وہ کوئی دن اور نہ مرتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا۔

تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے — پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم میرے گھر کے لیے چودھویں کے چاند تھے۔ اور چودھویں کا چاند کچھ دن تک یکساں رہتا ہے پھر بتدریج گھٹ کر ہلال ہوتا ہے تب کہیں چھپتا ہے۔ مگر تم یکایک چھپ گئے اور میرے گھر کو سیہ خانہ غم بنا گئے۔ ماہ شب چار دہم جوانی کی رعایت سے کہا گیا ہے یہ شعر بھی خوب ہے۔

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے — کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

تم ایسے لین دین کے کہاں کے کھرے تھے کہ ادھر ملک الموت نے تقاضہ کیا اور ادھر تم نے اپنی جان اسکے حوالے کر دی کچھ دنوں اس کو تقاضہ کرنے دیتے۔

رسے تھیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی — بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

ن نے مانا کہ تم کو مجھ سے نفرت تھی نیّر سے لڑائی تھی۔ مگر اس بنا پر تم کو جانا نہ چاہیے تھا
تم بچوں کا تو کوئی دن اور تماشا دیکھا ہوتا۔ نیّر مرزا غالب مرحوم کے شاگرد رشید تھے
ن ہے کہ عارف اور نیّر میں کچھ باہم چشمک ہو۔ ورنہ ظاہر معنے یہی ہیں کہ اگر ہم
نوں کے ساتھ رہنے سے تمھیں تنفر تھا تو بچوں کا تو تماشہ دیکھا ہوتا۔

رنی بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش — کرنا تھا جوانمرگ گذارا کوئی دن اور

ت جوانمرگ صحیح ہو کہ ہم لوگوں کی صحبت سے تم خوش نہ تھے۔ مگر بہر حال اتنی مدت جیسے تیسے
وش و ناخوش گذر رہی تھی اسی صورت سے کچھ دن اور گذارا کرتا تھا کہ تیرے سامنے
ہمارا کام تمام ہو جاتا۔ اور پہلے ہم مر جاتے ۔

ادان ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب — قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ایسا سخت صدمہ اٹھا کر بھی تم زندہ ہو حالانکہ زندہ نہ رہنا چاہیے
گر یہ تمھاری نادانی ہے۔ مجھے اس جینے سے لذت حیات سے بہرہ ور ہونا مقصود نہیں
ہے بلکہ یہ زندگی صرف اس لیے ہے کہ اتنے دن موت کی تمنا اور کروں۔

ردیف زے (ز)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر — ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

تو نے مرنے پر مجھے تن آسانی کا الزام دیا ہے اور غم عشق سے فارغ سمجھ لیا۔ مگر یہ نادانی
ہے مجھے غم عشق سے مرنے کے بعد بھی فراغت نصیب نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ داغ عشق
اب تک میرے جیب کفن اس صورت سے چمکتا ہے جیسے چاک گریبان صبح میں مہر
تاباں چمکتا ہے جیب کفن کو ہی داغ عشق کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسکو گریبان دریدہ
سے استعارہ کرتے ہیں جو نشان جنون عشق ہے اور اسی داغ کو آفتاب کہا جا سکتا
ہے مولانا نظم صبح کو شب عمر کے گذر جانیکا استعارہ ٹھہراتے ہیں۔ میرا ایک شعر ہے ؎

زندگی پیش اجل از غم ہجران دارم — عوضِ چاک کفن چاک گریبان دارم

ہے نازِ مفلسان زر از دست رفتہ پر — ہوں گلفروشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز

بس میرے دل میں داغ عشق تھا۔ اور اب دل کے مٹ جانے سے وہ داغ بھی
مٹ گیا۔ جو کہ زر سے مشابہ تھا۔ اس صورت میں گویا میں وہ مفلس ہوں جس کی
دولت ضائع ہو چکی ہے تو اس حالت میں میں شوخی داغ کہن کو یاد کرکے ناز کیا کرتا
ہوں جسطرح سے کہ مفلس اپنی گذشتہ زائل شدہ دولت پر ناز کیا کرتے ہیں۔ اسی قسم کا
ایک مضمون ہے جسکو فارسی میں یوں ادا کیا ہے ؎

چہ غم ار بحد گرفتی ز من احتراز کردن — نتوان گرفتن از من بہ گذشتہ ناز کردن

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں — خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز

میرے میخانۂ جگر میں شراب خون ایک بوند بھی باقی نہیں اور اس بت خونخوار کو اب تک
انگڑائیاں آ رہی ہیں۔ اور بدستور میرے خون کا پیاسا ہے۔

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز — دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

میرے مشکل مطالب میری عاجزانہ دعاؤں سے پورے نہیں کرتا تو اے خدا
یہی دعا قبول کرے کہ خضر کی عمر دراز ہو۔ حصول مدعا کی مایوسی کی انتہا کو تحصیل حاصل کی
آرزو کرنے میں دکھایا گیا ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتے ہیں ؎

گفتن دعائے زلف تو تحصیل حاصل است — با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

تیری زلف کو درازی کی دعا دینا گویا تحصیل حاصل ہے کیونکہ خضر کو کوئی درازی عمر
کی دعا نہیں دیتا اسکی عمر خود دراز ہے۔

نہ ہو بہ ہرزہ بیابان نورد وہم وجود — ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

صوفیا وغیرہ پر طنز ہے مطلب یہ ہے کہ تو اپنے وہم میں وحدت وجود یعنی توحید
و عرفان کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے۔ اور اس میں تو نے مراتب مقرر کیے ہیں
کہ پہلے فنا فی الشیخ ہو۔ پھر فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ و دیگر مقامات جبروت

صورت ناسوت وغیرہ وغیرہ کو طے کرے تو ان نشیب و فراز اور مقامات کا خیال اگر تیرے دل میں ہے اور تو ان خیالات میں محو ہے تو اس راستہ کا طے کرنا ایک فضول اور بیہودہ ہے اس صورت سے تو ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہونچ سکتا سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہین ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

یا دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ تو نے ماسوی اللہ کا کچھ وجود سمجھ رکھا ہے۔ اسی وہم سے جنگل کو تیرا خیال طے کر رہا ہے اور باوجود اسکے کہ سیکڑوں انقلاب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا مگر پھر بھی تیری نظر مین نشیب و فراز زمانہ کی وقعت ہے حالانکہ وجود ماسوی اللہ اور نشیب و فراز عالم کچھ چیز نہین ہین اور یہ محض تیرا وہم ہی وہم ہے ہنوز کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کتنے پہلے تو نے بے وجودی وجود اور بے ثباتی نشیب و فراز کا معائنہ کیا ہے مگر پھر بھی اب تک تیرے وہی بیہودہ خیال اور وہم قائم ہین۔ نشیب و فراز کے معنے آسمان و زمین کے بھی لیے جاسکتے ہین اور یہ نشیب و فراز کا استعارہ آسمان و زمین سے کیا جاتا ہے جیسے کہ آتش مرحوم ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دھبّہ مٹے زمین کے نشیب و فراز کا ٹیلون سے خاک کے یہ گڑھے بھر چکین نہین

نظم صاحب نے اس شعر کی شرح اسطرح کی کہ وجود سے وجود ماسوے اللہ مراد ہے اور نشیب و فراز کا یہی سبب ہے کہ تو وجود کے لئے مراتب سمجھے ہوے ہے جسکا مرتبہ اعلیٰ وجوب ہے اور مرتبہ ادنے امکان ہے اور امکان مین بھی قیام بذاتہ و قیام بغیرہ جوہر و عرض کے لیے وجود مین پستی و بلندی رکھتا ہے یعنی جادۂ مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کو موجود بوجود واحد سمجھ اور وجود کے لیے اقسام نہ نکال کہ یہ راستہ بہتر کا ہے۔

حسرت صاحب فرماتے ہین کہ ہرزہ یعنی بیکار۔ تیرے تصور مین نشیب و فراز ہین یعنے تیرا تصور ناتمام اور قاصر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وجود اشیاے عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہوجائے۔

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہان کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرواز

ہم نے مانا کہ وصال یار اپنے جلوے ضرور دکھائیگا مگر ہم مین انتظار کی طاقت کہان ہے جلوہ تماشا جلوہ کا تماشا دکھانیوالا پرداز صیقل۔

جلوہ تماشہ کا آئینہ صاف انتظار مین صورت دکھانا ایک نئی بات ہے ؎

جبتک وفا ہو وعدہ بیان زندگی کہان مجھ سے زیادہ عہد ترا استوار ہے

اثر گریہ مسلم سہی لیکن اے دل کل پہ منت کش فریاد ہوا یا نہوا

یک قلم کاغذ زدہ ہے صفحۂ دشت نقش پا مین ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

یکقلم یعنی سربسر۔ چونکہ میرے پاؤن مین ہنوز تپ گرمی رفتار باقی ہے۔ اور مین صحرا نوردی کرتا ہون تو صحرا اس اثر سے کاغذ آتش زدہ بن گیا ہے۔

یکقلم کاغذ۔ صفحہ۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب جمع کیئے گئے ہین۔ ہم رعایت لفظی کے وہانتک قائل ہین جہانتک سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ مصنف نے بالارادہ کوئی لفظ کسی لفظ کی رعایت سے رکھا ہے اور بے تکلفی سے معنے پیدا ہون اس سے زیادہ آورد ہے اور قابل تحسین نہین ہے۔

کیونکر اُس بت سے رکھون جان عزیز کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز

مین اُس بت سے جان کیونکر عزیز رکھون وہ میرا ایمان ہے۔ اور ایمان پر جان قربان کردینی چاہیئے۔

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تیرے تیر کا پیکان جو دل مین تھا وہ دل سے نکل گیا۔ مگر یہ نہین ہے کہ مین اُس کے خیال کو بھول گیا ہون اُس کا خیال ابھی بدستور ہے۔ پہ بجاے پر۔ اور پہ بجاے پہ مگر اب متروک الاستعمال ہین۔ پیکان مین اس محل پر اعلان نون اچھا نہین معلوم ہوتا اور یہ غیر فصیح ہے۔

تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

غالب صبر کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور اس قابل ہے کہ جان دیدین مگر جان پیاری ہے اسواسطے مجبوراً اس سخت واقعہ اور صدمہ کی برداشت

کرینگے۔ اس شعر مین اور کا واؤ گر گیا ہے اور اس صورت مین یہ فع کے وزن پر رہ گیا ہے مگر اور بروزن فع اساتذہ کے کلام مین اکثر ہے لفظ اور بروزن فاع اور فع کے مواقع استعمال جدا جدا ہین جنھین اگر خلط ملط کیا جائے تو مفہوم غلط ہو جائے گا اور اسکو یقینا غیر فصیح سمجھا جائیگا۔ چنانچہ اور بمعنی دیگر اور بمعنی واؤ عاطفہ وغیرہ وغیرہ کا محل استعمال جدا ہے۔ بلکہ واؤ عاطفہ کے بجائے اور کو بعض نے اسقدر مخفف کیا ہے کہ واؤ اور رے دونون گر گئے اور وہ بھی صحیح ہے مگر روزمرہ مین زیادہ تر بر وزن فع مستعمل ہے اسکی صحت مین کوئی شبہہ نہین اور یہان اس قاعدہ کو کہ وسط سے کبھی کوئی حرف نہین گرتا۔ مقبول نہین سمجھ سکتے۔

نے گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز مین ہون اپنی شکست کی آواز

گل نغمہ مراد ہے گلبانگ سے۔ نہ مین گلبانگ ہون نہ پردۂ ساز ہون بلکہ اپنی شکست کی آواز ہون۔ جو سراپا درد ہے مجھے خوشی اور طرب سے کوئی واسطہ نہین ہے فارسی مین خود مرزا صاحب اس کو یون فرماتے ہین سو

دیگر ز ساز بے خودی ما صدا مجوئے آوازے از گسستن تار خودیم ما

تو اور آرایش خم کاکل مین اور اندیشہ ہائے دور دراز

تجھے اپنے خم کاکل کی آرایش کی فکر ہے۔ اور مجھے دور دراز کے اندیشون نے گھیرا ہے کہ دیکھئے یہ آرایش میرے دل پر کیا کیا ستم کرے گی۔ یا یہ آرایش کرکے تو کہان جائے گا۔ یا یہ آرایش میرے طرح طرح کے اور سیکڑون رقیب پیدا کر دے گی۔ پریشان کر رکھا ہے۔ اندیشہائے دور دراز نے شعر مین جان ڈال دی ہے اور بہت سے معنی پیدا کر دیے ہین۔ آرایش خم کاکل پر اندیشہائے دور دراز پیدا ہونا۔ ایک لطیف مضمون ہے اگرچہ محاورہ دور اندیشی ہے دور دراز اندیشی نہین ہے مگر رعایت لفظی اور ردیف کی مجبوری نے مصنف کو خلاف محاورہ یا تصرف محاورہ پر مجبور کیا۔ مگر قادر الکلامی اور برجستگی معنی نے پردہ رکھ لیا اور کوئی حرف نہین آنے دیا۔

لاف تمکین فریب سادہ دلی ہم ہین اور راز ہائے سینہ گداز

اے سادہ دلی تو ہم کو فریب دیتی ہے کہ ہماری لاف تمکین و وقار قائم رہے گی۔ یہ نہین ہو سکتا ہماری تمکین و وقار قائم رہے کیونکہ ہمارے سینہ مین جو اسرار ہین وہ ایسے نہین کہ چھپائے سے چھپ جائین کیونکہ وہ سینہ گداز ہین۔ اگر میرا سینہ انکو چھپانا بھی چاہے تو وہ نہین چھپ سکتے۔ حاصل یہ ہے کہ سوز عشق چھپائے سے چھپ نہین سکتا ہے

آب گینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

عشق اور مشک چھپائے سے کہین چھپتے ہین سر بازار ہی پٹتا ہے ڈھنڈورا ان کا

یا لاف تمکین فریب کو سادہ دلی کی صفت مانئے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ اے سادہ دلی یہ تیری امداد کا وقت ہے جس صفت سے موصوف ہے اوسے کام مین لا اور ہمارے راز ظاہر کر دے۔

اگر لاف تمکین کو منادی کہئے تو یہ مفہوم ہے کہ اے لاف تمکین تو نے میری سادہ دلی کا فریب کھایا ہے۔ اور اسپر مطمئن ہے کہ ہمارا حال کسی پر کھل نہین سکتا حالانکہ ہمارے سینہ کے اندر جو راز ہین وہ ہرگز چھپ نہین سکتے اور وہ سینہ گداز ہین۔

یہ مفہوم بھی بعید از قیاس نہین ہے اگر کہا جائے کہ ہم کبھی تمکین کی شیخیان مارتے ہین اور کبھی اپنی سادہ لوحی کا لوگون کو فریب دیتے ہین۔ حالانکہ یہ سب اُن رازہائے سینہ گداز کا اثر ہے جو ہمارے سینہ مین وہ مختلف صورتون مین ظاہر ہوتے ہین یعنی لوگ ہمارے تمکین کی لاف اور سادہ دلی کے فریب کی وجوہات سے خوب واقف ہونگے۔

اگر تمکین۔ لاف۔ اور فریب کو مضاف نہ کہا جائے تو یہ مفہوم ہے کہ ہماری تمکین کو دعوی لاف اور ہماری سادہ دلی کا ادعا فریب سمجھا گیا ہے اور اس کا سبب رازہائے سینہ گداز ہین۔

ہون گرفتار الفت صیاد ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

مجھپر الفت صیاد نے قبضہ کر رکھا ہے ورنہ طاقت پرواز ہنوز مجھ مین باقی ہے اور چاہون تو اڑ سکتا ہون۔ بہت ہی اچھا شعر ہے۔

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے ناز کھینچون بجائے حسرت ناز

ابتک تو مین اُس کے ناز اٹھانے کی حسرتین کرتا ہون کاش وہ دن بھی آئے کہ بجائے اس حسرت ناز کے اُس کے ناز اٹھاؤن۔

نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون جس سے مژگان ہوئی نہو گلباز

میرے دل مین کوئی ایسا قطرۂ خون نہین تھا جو بہ کر میری پلکون پر آیا ہو اور پلکون نے خوشی سے اُس کو نہ بہایا ہو۔ گلبازی سے خوشی کے معنی پیدا ہوتے ہین۔

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز اے ترا ظلم سر بسر انداز

اے حرف ندا۔ منادی محذوف ہے یعنی اے نازنین تیرا غمزہ سراسر انگیز ہو اور تیرا ظلم سر بسر انداز ہے۔

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزش سجدۂ جبین نیاز

تو آگیا۔ اب مجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہو۔ یا میری جبین کے بہت سے سجدے تجھے مبارک ہون۔

مجکو پوچھا تو کچھ غضب نہوا مین غریب اور تو غریب نواز

تو مجھ سے ناراض تھا۔ یا خیال کرتا تھا کہ اگر مین اس کی بات پوچھون گا تو میری کسر شان ہوگی یا دوسرے عشاق مجھ سے ناراض ہو جائین گے۔ مگر دیکھ یہ تیرے خیال فضول تھے۔ اگر تو نے مجکو پوچھا تو یہ کچھ غضب نہوا۔ تجکو پوچھنا۔ اور مجھپر مہربانی کرنا ضرور تھا کیونکہ مین غریب ہون اور تو غریب نواز ہے۔ غریب نوازی کی شان یہ ہے کہ غریب کو پوچھے اور اسپر مہربانی کرے۔ اس شعر مین گویا معشوق کی فہمایش مقصود ہے۔ اظہار شکر مراد نہین ہے۔

اسد اللہ خان تمام ہوا اے دریغا وہ رند شاہد باز

اسد اللہ خان مر گیا ہائے افسوس۔ وہ رند شاہد باز۔ دوسرا مصرعہ بطور نوحہ ادا ہوا

کے جس سے مراد مردہ پر رونا اور بیان کرنا ہے واقع ہوا ہے۔

مژدہ اے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

ذوق اسیری کو مبارکباد دیتا ہے کہ لے اب تیری آرزو پوری ہو جائے گی مرغ گرفتار کے پاس ایک دام خالی نظر آتا ہے۔ چل اور اُسمین گرفتار ہو جا۔ قاعدہ ہے کہ جانورون کے شکار کرنے کے لئے جال کے پاس طائران گرفتار کے پنجرے رکھدیتے ہین کہ آزاد جانور گرفتار ہون اور دھوکہ کھائین۔

جگر تشنۂ آزار تسلی نہوا جوئے خون ہمنے بہائی بن ہر خار کے پاس

میرا جگر میرے خون کا پیاسا ہے اور مجھے آزار دینے مین اس کو خوشی ہوتی رہتی ہے اُن کی خاطر سے ہم نے ہر ایک خار صحرا کے پاس۔ صحرا گردی جنون کی حالت مین تلوون مین کانٹے چبھنے کی وجہ سے تلوون سے اور اس کی تکلیف محسوس ہونے سے آنکھون سے جوئے خون بہائی مگر پھر بھی جگر کو تسکین نہوئی۔ اور اسی طرح ہماری ایذا دہی پر تُلا ہوا ہے۔ تسلی نہوا اگرچہ محاورہ نہین ہے مگر جیسے خبر نہوا یعنی مجھے خبر نہوئی ہے اسی قبیل سے تسلی نہوا کو بھی سمجھ لیجئے تو غلط کہنے کی جرأت نہین ہوتی اور اسے غالب کا تصرف ماننا پڑتا ہے۔

یہان یہ لکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ محاورہ مین عوام اور خواص تصرف نہین کر سکتے مگر مقتدر اہل قلم اور مستند شعرا اگر کوئی خاص محاورہ قرار دین تو عوام اس کو ناجائز نہین کہہ سکتے۔

منہ گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

تم نزع کی حالت مین میرے پاس آئے میری حسرت دیدار نے اگرچہ میری آنکھین کھولین مگر کھولتے ہی کھولتے میری آنکھین بند ہو گئین۔ اس آنے سے نہ آنا اچھا تھا۔ غالب کا ایک شعر اس قسم کا پہلے لکھا جا چکا ہے ؎

منہ گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب یار لائے مرے بالین پہ اُسے پر کس وقت

مگر شیخ ابراہیم ذوق نے اس مضمون کو نہایت اچھے انداز سے بیان کیا ہے جس کا جواب نہیں ہے ؎

دیکھا دمِ نزع دلِ آرام کو
عید ہوئی ذوق مگر شام کو

مندنا۔ بند ہونے کے محل پر اب متروک الاستعمال ہے۔ اور عوام کی زبان سمجھا جاتا ہے اگرچہ ظاہراً پیارا معلوم ہوتا ہے۔ مگر درمع الدہر کیف دار کا کیا علاج۔

میں بھی گھٹ گھٹ کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

میرا غمخوار جو مجھے نصیحت اور ملامت کر کے عشق سے روکتا ہے ان کو سنکر میرا دل دمبدم زخمی ہوتا ہے کاش اس زبان کے بدلے جس سے وہ مجھے نصیحت کرتا ہے میرے غمخوار کے پاس ایک تیز چھری ہوتی جس سے وہ میرا گلا کاٹ دیتا اور دم بھر میں میرا کام تمام ہو جاتا یہاں یہ نکتہ قابل دید ہے۔ کہ غمخوار کو بوجہ غمخوار ہونے کے جان دینا پسند کیا ہے۔ مگر نصیحت و ملامت جو معشوق کے عشق سے باز رہنے کا باعث ہے وہ سننا پسند نہیں ہے اور یہ شان کمال عشق ہے۔

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہوجیے خوبانِ دل آزار کے پاس

اے دل شیر کے منہ میں جا بیٹھنا دل آزار معشوقوں کے پاس کھڑے ہونے سے اچھا ہے بیٹھنے اور کھڑے ہونے میں تقابل لطف انگیز ہے۔ دہن شیر میں بیٹھنا کچھ اچھا نہیں یہ ایک غیر مانوس مضمون ہے۔

دیکھ کر تجھکو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہونچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

چمن کا جوش نمو تجھے دیکھ کر ترقی کرتا ہے اور پھول اپنے آپ گوشۂ دستار کے پاس پہونچ جاتا ہے کہ وہاں پہونچکر تجھے زینت دے اور خود فخر حاصل کرے۔

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

غالب وحشی سر پھوڑ کر مر گیا۔ ہائے ہائے اسکا وہ تیری دیوار کے پاس سر پھوڑنے

کی نیت سے آکر بیٹھنا یاد آتا ہے یا وہ جب تجھے دیکھنے کے لیے بیتاب ہوتا تھا تو غریب دیوار کے پاس آکر بیٹھا کرتا تھا۔ دوسرا مصرع ایسا واقع ہوا ہے کہ جسے اگر دوسرے الفاظ کے ساتھ ادا کیا جاتا تو ہرگز یہ لطف نہ آتا اور شعر کا رتبہ کم ہو جاتا جیسے۔

ابھی بیٹھا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس
یا

بیٹھا کرتا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس (یا) بیٹھا رہتا تھا جو اکثر تری دیوار کے پاس اس صورت کو انشا کہتے ہیں اور اکثر انشائیہ جملہ بمقابلہ خبریہ کے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں دوسرے مصرعوں میں خبر کی صورت ہے جو ایسا اثر نہیں رکھتے۔ غالب کے یہاں یہ انداز بیان زیادہ ہے جیسے ایک جگہ پہلے کہا ہے ؎

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ایک جگہ قریب قریب ایسا ہی مضمون اسی صورت سے لکھ چکے ہیں۔

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ردیف (ش)

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

خس جوہر کو آئینہ جوہر سے استعارہ کر کے کہتا ہے کہ میرے معشوق کے روئے روشن کی چمک دمک آئینہ دیکھتے وقت آئینہ میں آگ لگا دے۔ اگر جوہر آئینہ کو سبزۂ خط طراوت نہ پہونچے شعلۂ حسن عالم سوز کا اثر محض طراوت سبزۂ خط کی وجہ سے آئینہ پر نہیں پڑتا شیخ علی حزیں کے یہاں ایسا ہی مضمون اس صورت سے ادا کیا گیا ہے ؎

کتان طاقتم را پارہ داری میکند حسنش
زخش در شام خط ماہ سحاب آلودہ را ماند

یعنی میرا کتان طاقت اب تک پارہ پارہ ہو جاتا مگر سبزۂ خط عارض پر ایسا ہے جیسے چاند پر سحاب اور چونکہ وہ اس میں چھپا ہوا ہے اس واسطے اسکا اثر نہیں پڑا ہے بہت خوب کہا ہے۔

اس صورت کو بھی سرقہ نہیں کہتے بلکہ یہ ایک اقتباس ہے جس میں صرف طرز بیان کو لے لیا ہے اور ایسے شعر بہت سے شعرا کے یہاں پائے جاتے ہیں طرز بیان کے

سوائے مضمون بالکل نیا ہے مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ بغیر دوسرے خیال دیکھے ہوئے یہ خیالات پیدا نہیں ہوتے۔

چنانچہ یہ چند اشعار دیکھیے اور قیاس کر لیجیے کہ متاخرین نے متقدمین کے خیالات کو لیے بغیر یہ شعر نہیں کہے جنکی گواہی اشعار خود باآواز بلند دے رہے ہین۔

نظیری مرا بہ سادہ دلی ہائے من توان بخشید — خطا نمودہ ام و چشم عافیت دارم

حزنی مرا بر سادہ لوحیہائے حزنی خندہ می آید — کہ دارد چشم لطف از دلبری نامہربانی ہم

قائم ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

داغ عشق مین اک بلند قامت کے — ہم گلے مل گئے قیامت سے

امیر سایہ مین اک بلند قامت کے — فتنے سب سو گئے قیامت کے

غالب انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

آسی دیکھتے ہی تجھے کیون آگئی منہ پر رونق — کیا مرا رنگ پریدہ تری تصویر مین تھا

سعدی رسم است کہ مالکان تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر

علامہ آزاد بلگرامی تا زم بہ صاحبے کہ سراپا مروت است — آزاد کرد پیر غلام خریدہ را

سعدی اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

حیرتی ہمچو پروانہ بہ شمعے سروکار است مرا — کہ اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

مندرجہ بالا اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ایک ایک خیال اور ایک انداز بیان پر شعر کی بنا رکھی گئی ہے اور باقی مضامین بالکل جدا ہین۔

نظیری۔ حزنی۔ قائم کے یہان سادہ دلی۔ داغ و امیر کے یہان قافیے۔ میر اور غالب کے یہان معشوق کے دیکھنے سے عاشق کی خوشحالی۔ سعدیؒ اور آزاد کے یہان آزادی۔ سعدی اور حیرتی کے یہان فروغ تجلی کے خیالات ایک ہین۔ باقی مضمون بالکل علیحدہ ہین۔ لیوے۔ لے کے بجاے صحیح تو ضرور ہے مگر متروک الاستعمال ہے۔ اب دہلی مین لیوے بولتے ہین نہ لکھنؤ مین۔

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق — نہ نکلے شمع کے پاسے نکالے گر نہ خار آتش

حسن کے جلوے اور فروغ پر عاشق کی مشکل کے حل ہونے کا انحصار ہے گویا شمع

ایک عاشق ہے جس کے پاؤن مین بتی سے کانٹا چبھا ہوا ہے اگر شعلۂ شمع کا جلوہ نہو تو وہ کانٹا نکل نہین سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ شعلہ ہی بتی کو جلاتا ہے۔ حل مذکر لکھا جاتا ہے مگر مصنف نے تانیث باندھا ہے۔ اور یہ غالباً مشکل کی وجہ سے یا دہوکا ہو گیا ہے کیونکہ ترکیب کے بغیر یون لکھا جاتا (نثر) فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے اور بصورت ترکیب یون (فروغ حسن سے حل مشکل عاشق ہوتا ہے) مگر غالب کا ایسی معمولی بات مین دہوکا کھانا ایک تعجب انگیز امر ہے اس لیے یہ قیاس غلط ہوگا کہ شاید مصرع اس صورت سے ہو

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل ہر مشکل عاشق

ورنہ شعر مین ایک غلطی مانی جائے گی۔

ردیف شین

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع — چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

وقت شام آفتاب جو آسمان سے رخصت ہوتا ہے اور اسپر ہلال نمودار ہوتا ہے تو وہی تار شعاع شمس اُس کے واسطے جادۂ راہ ہین اور ماہ نو وہ آغوش کشادہ ہے جو آسمان نے سورج کے رخصت کرنے کے لیے کھولی ہے حاصل یہ کہ شام کے وقت آسمان آفتاب کو رخصت کر دیتا ہے مولانا نظم اس شعر کی شرح مین شعاع کے معنی اُن سفید خطون کے لیتے ہین جو قبل طلوع آفتاب اور بعد غروب آفتاب اُفق مین نمایان ہوتے ہین جنکو قرنی الشمس بھی کہتے ہین۔ اور خطا بعض بھی مگر یہ معنی خلاف قیاس ہین۔ شعاع کے معنی یہ ہرگز نہین ہین

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع — ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

رُخ نگار کو گل تصور کیا اور شمع کے سوز جاودانی کو حیات جاودانی مانا اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ میرے معشوق کے گل رخسار کے رشک سے ہمیشہ شمع جلتی ہے تو گویا آتش گل زندگانی شمع کے لیے آب بقا ہے یعنی اگر آتش رخسار معشوق اس قدر روشن نہوتی تو شمع کو یہ سوز جاودانی نصیب نہوتا۔ یہ مضمون محض آتش کو آب بنانے کے لیے لکھا گیا ہے نہایت نازک اور اچھا مضمون ہے۔ اگرچہ یہ محض ادعائے شاعرانہ ہے مگر ایراد سے خالی

نہین ہو۔ یہان یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ آمد سے زیادہ اچھا آورد کا مضمون ہو سکتا ہی بشرطیکہ سلاست کے ساتھ باندھا جاے اور نشست الفاظ درست ہو۔

زبان اہل زبان مین ہی مرگ خاموشی — یہ بات بزم مین روشن ہوئی زبانی شمع

اہل زبان کا خاموش ہو جانا بمنزلہ مرجانے کے ہے اور یہ بات شمع کی زبانی معلوم ہوئی ہے جیسے کہ جب وہ خاموش ہو جاتی ہے یعنی بجھ جاتی ہے تو اس کو شمع کشتہ اور شمع مردہ کہتے ہین۔

کرے ہی صرف بہ ایماے شعلہ قصہ تمام — بطرز اہل فنا ہی فسانہ خوانی شمع

شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اس طرح ہی جیسے کہ عارف اپنا حال اشارون مین ظاہر کرتے ہین شمع کے شعلہ کی جنبش کو اشارہ مانا گیا اور جل بجھنے کو قصہ کا تمام کرنا فرض کیا گیا۔ دوسرا پہلو جو مولانا نظم کے یہان ہی وہ یہ ہی کہ شمع صرف اشارے سے سارا قصہ تمام کرتی ہے یعنی شعلہ سے لو لگا کر سر سے پاؤن تک فنا ہو جاتی ہے جس طرح صوفیان اہل فنا شعلہ عشق سے لو لگا کر فنانی الذات ہو جاتے ہین اور اپنی ہستی سے گذر جاتے ہین مگر غور کیجیے تو دوسرے معنی پہنانے سے لفظ فسانہ خوانی بیکار ٹھہرتا ہی کیونکہ اہل فنا کے جل بجھنے کو فسانہ خوانی نہین کہہ سکتے اگرچہ جل بجھنے سے قصہ تمام ضرور ہو جاتا ہے۔

شمع کا قصہ صرف اس قدر سمجھ لیجیے کہ مجھے جلایا اور مین بے تکلف جل گئی۔

غم اُس کو حسرت پروانہ کا ہی اے شعلہ — ترے لرزنے سے ظاہر ہی ناتوانی شمع

اے شعلہ تیرے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمع کو پروانے کے جل جانے کا غم ہی اور وہ ناتوان و لاغر ہو گئی ہے۔

اتفاق سے حکیم مومن خان صاحب کی غزل بھی اسی ردیف مین ہی جسکے کئی ایک شعر غالب سے ملتے جلتے ہین آپ بھی غالباً دو اُستادون کے موازنہ سے لطف اُٹھائین گے اور معلوم کرینگے کہ دو استاد جب ایک ہی مبحث ایک ہی مضمون پر قلم اٹھاتے ہین تو

کیونکر توارد سرقہ وغیرہ کے الزام سے خود کو بچا لیتے ہین یہ بھی نہین تو کم ازکم یہ ضرور ہوگا کہ حکیم مومن خان ایک مشاق شاعر تھے سمجھ لیجیے کہ غالب اور مومن مرحوم ایک مجلس مشاعرہ مین غزل پڑھ کر اپنی اُستادی کا سکہ جما رہے ہین۔

غالب — رُخ نگار سے ہی سوز جاودانی شمع — ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

مومن — داغ جدائی دُرد ندان روئے و زلف — ہی رشک شمع و شعلہ شمع و دخان شمع

غالب — غم اُس کو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ — ترے لرزنے سے ظاہر ہی ناتوانی شمع

مومن — آتا ہی بیکسونپہ تو جلاد کو بھی رحم — روتی ہے شمع آپ سر کشتگان شمع

غالب — جلی ہی دیکھ کے بالین یار پر مجکو — نہ کیون ہو دل پہ مرے داغ بدگمانی شمع

مومن — اسکو بھی کوئی پردہ نشین ہی جلاے ہے — فانوس سے سنا ہی یہ راز نہان شمع

غالب — کرے ہے صرف بایماے شعلہ قصہ تمام — بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع

مومن — روشن ہی اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا — اس بہکتی[1] زبانپہ دیکھو بیان شمع

غالباً توازن کردہ شعرون مین خیال ایک ہی اور اس کو متفرق طریقہ سے ادا کیا ہے۔

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہی — بجلوہ ریزی باد و بہ پرفشانی شمع

تیرے خیال روح کو جنبش ہوتی ہے قسم ہے شمع کے لرزنے اور ہوا کے چلنے کی یا تیرے خیال سے روح کو ہوا کی طرح جنبش ہوتی ہے اور شمع کی طرح سے پرفشانی کرتی ہے جلوہ کی (ب) کو تشبیہ کے لیے ٹھہرانے مین اتنا لطف نہین ہے جتنا کہ قسمیہ ٹھہرانے مین عبارت مین بلاغت اور فصاحت کی جھلک نظر آتی ہے اور جس مین کہ وہی تشبیہ کے معنی خود بخود پیدا ہو جاتے ہین۔

اہتزاز ہوا کے چلنے کو کہتے ہین اور چونکہ بعض حکمانے روح کو بھی ہوا قرار دیا ہے اسواسطے وہ لفظ جو ہوا کے لیے خاص ہے روح کے لیے بھی ایک لطف پیدا کر دیتا ہے واضح ہو کہ ب کو اگر تشبیہ ٹھہرائین گے تو یہ معنی پیدا ہون گے تیرے خیال سے روح پھڑکنے لگتی جس وقت ہوا چلتی ہے یا شمع پرفشانی کرتی ہی گویا اس کے سبب سے میری روح کو بھی ایک اُمنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جس طرح یہ جل کر اپنے معشوق سے ملتی ہین مین اسی طرح اپنے مبدا حقیقی سے ملجاؤن۔

[1] بہکتی مین ہاے ہوز لبکون صحیح نہین ہے بلکہ بکسر ہا و سکون کاف۔

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ — شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیِ شمع

داغ غم عشق کی خوشی اور بہار کی کیفیت کو نہ پوچھ اگرچہ یہ داغ مثل گل شمع کے ہے جو اس کی بہار کو خزاں بنا دیتا ہے مگر وہ گل خزانی شمع ایسا ہوتا ہے کہ بہار بھی اسیر شیفتہ اور نثار ہے کیونکہ اس گل خزانی کی بہار دائمی کا انجام فنا ہے اور وہ عین بقا ہے اور گل گلشن کی بہار کا انجام خزاں ہے اور وہ فنا ہے یہی صورت گل داغ عشق کی ہے۔

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھکو — نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

شمع بالین یار پر مجھکو دیکھکر جلتی ہے اور چاہتی ہے کہ سوائے میرے اور کوئی وہاں نہ رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری رقیب ہے تو پھر اس کی بدگمانی کا میرے دل پر داغ کیوں نہ ہو۔

ردیف ف

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش — مجبوریاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

معشوق کی بزم میں اس کے جلوے یا اس کی بے اعتنائیوں کو دیکھ کر بیہوش بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ رقیب ہمارا راز عشق فاش کریگا۔ یا وہ معشوق سے بے تکلف ہو جائیگا یا وہ ہمارا برا حال دیکھکر خوش ہوگا۔ اے اختیار افسوس ہے کہ ہم اس قدر مجبور ہو گئے ہیں کہ اپنے ہوش و بیہوشی کا بھی ہمکو اختیار نہیں رہا یا اس صورت میں یوں فرض کر لیجئے کہ اختیار کو مخاطب کر کے مصنف کہتا ہے کہ اے اختیار افسوس ہے کہ تو ہماری یہ حالت دیکھتا ہے اور کچھ امداد نہیں کرتا اقبال کا ایک شعر یاد آیا۔ مرے خیال میں وہ رندی نہیں ساقی نہ ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے — اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

اے آہ شعلہ بار تو ہم کو بتدریج جلا رہی ہے لیکن ہم اس بات سے جل رہے ہیں کہ ہم الدم کیوں نہ جل گئے یا یہ کہ دمبدم ہماری عمر کا حصہ گھٹتا جاتا ہے اور ہم آہستہ آہستہ گویا جل

رہے ہیں مگر ہم کو اس کا کمال رنج ہے کہ ایک دم نہیں جل جاتے۔ طب کا مسئلہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ جو ہوا جسم میں جاتی ہے وہ ترویح قلب کرتی ہے جس سے حرارت غریزی کو اشتعال دیتی ہے اور وہی حرارت باعث بقا و فنا ہے تو گویا وہ ایک آگ ہے جو مدام جلا رہی ہے رشید سلمہ۔ سے روح کی بیتابیاں آخر مرے کام آ گئیں ہر نفس کہتا ہے میں جلتی ہوئی شمشیر ہوں

ردیف ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک — کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

میرے زخموں پر بے پروا لڑکے کہاں نمک چھڑکتے پھریں۔ اگر نہیں پتھروں میں جو وہ دیوانہ سمجھکر مجھکو مارتے ہیں نمک بھی پیدا ہوا کرتا تو بڑا مزا ہوتا۔ تاکہ جب وہ پتھر مارتے تو زخم بھی ہوتا اور نمک بھی چھڑکا جاتا تو مجھ ایذا دوست کو دونی لذت حاصل ہوتی۔

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل — ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

میرے زخم دل کا سامان ناز راہ یار کی گرد ہے ورنہ نمک تو دنیا میں بہت پیدا ہوتا ہے اسکا میرے زخموں پر چھڑکا جانا کچھ دشوار نہیں ہے۔ وہ میسر ہو سکتا ہے کاش وہ خاک چھڑکی جائے۔ نازک بات اس میں یہ ہے کہ نمک اگرچہ ابتداءً تکلیف رساں ہے مگر آخر میں وہ زخم کو بھر دیتا ہے اور مٹی زخم کو بڑھاتی ہے بھرتی نہیں۔
یا یہ کہ میرے زخموں پر چھڑکنے کے لئے نمک کی پیدائش ناکافی ہے کس قدر تحقیر کے لئے تیسری یہ صورت بھی نکلتی ہے کہ میرے زخموں پر نمک تو بھرا ہوا ہے مگر میرے زخموں کے لئے نمک کا چھڑکا جانا باعث ناز نہیں ہے۔ باعث فخر تو صرف گرد راہ یار ہے جو انہیں بھری ہوئی ہے جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی ہے۔ نمک تو ایک معمولی اور ارزاں چیز ہے۔

مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہوجیو — نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے تجھکو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو اور مجھے نالۂ بلبل کا درد یعنی تجھے حسن نے گل کی طرح خندۂ نمکین عطا کیا ہے اور اس خندۂ نمکین نے مجھے

نالۂ پُر درد بلبل دیا ہی اسلئے دونون قابل مبارکباد ہین۔ وہ نمک تیرے لئے باعث فخر ہے اور یہ دردمیرے لیے مایۂ ناز ہے۔ ہوجیو جو اس شعر مین مستعمل ہے وہ اگرچہ اب متروک ہی مگر مولانا نظم نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہوجیو نہایت مکروہ لفظ ہے مجھے اس مین کوئی کراہت نہین معلوم ہوتی اور صیغہ امر کا اس صورت مین غالب کے زمانے تک عام استعمال ہوتا تھا آئیو جائیو کھائیو۔ رکھیو یہ سب الفاظ صحیح تھے سند کے لیے غالب ہی کا ایک شعر ہے ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی مین معاف آج کچھ درد مرے دل مین سوا ہوتا ہے

لیجئے اور شعر غالب ہی کا یاد آیا ؎

ہان کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہین کہ ہے نہین ہے

اسی طرح غالب کے معاصرین مین آزردہ۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ سب کے یہان یہ الفاظ مستعمل ہین۔

شور جولان تھا کنار بحر پر کسکا کہ آج گرد ساحل ہی بزخم موجۂ دریا نمک

آج کس شہسوار ناز نے کنار دریا پر اپنے توسن کو تیزی کے ساتھ دوڑایا ہے کہ جس کے شور جولان کے رشک سے دریا کے دل زخمون مین (جو موجین ہین) گرد ساحل کا رشک سے نمک چھڑکا گیا اور اس شور جولان کے سامنے دریا کو اپنا زور شور ہیچ معلوم ہوا۔ مصرع ثانی مین صرف ایک لفظ (ہے) اردو ہے۔ اور باقی فارسی اردو مین اس قدر فارسیت اچھی نہین (بزخم موجۂ دریا) سوائے فارسی زبان کے اردو مین آدھے تیتر آدھے بٹیر کا رنگ دکھاتا ہی۔ اگرچہ غالب کو بوجہ فارسیت غالب ہونے کے معذور رکھ سکتے ہین مگر اب ایسا نہ لکھنا چاہئے۔

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

میرا معشوق میرے زخمون کی قدر کرتا ہے جہان کہین نمک دیکھتا ہے وہ مجکو یاد کرتا ہی کہ اچھا ہوتا یہ اس کے زخمون پر چھڑکا جاتا یا یاد کرتا ہے بلانے کے معنی مین ہے کہ نمک کے دیکھتے ہی وہ مجھے بلاتا ہے اور میرے زخمون پر چھڑکتا ہے یہ مبالغہ ہے۔ آجکل دیکھے ہے متروک اور دیکھتے ہین یا دیکھتا ہے مستعمل ہے۔

چھوڑکر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے دل طلب کرتا ہی زخم اور مانگے ہین اعضا نمک

عاشق کے جسم کو زخمی کرکے چلا جانا ایک افسوسناک بات ہی کہ دل جس کی وجہ سے جسم پر زخم لگے ہین ابھی زخمون کی دولت سے محروم ہے اور اعضائے زخم رسیدہ نمک کے خواہشمند ہین ابھی کام بالکل ادھورا ہے اس صورت مین تیرا چلا جانا اچھا نہین یہ ایک حیلہ ہی جس سے دم بھر معشوق کو اور ٹھہرانا چاہتا ہے۔ مانگے ہے بجائے مانگتا ہے اب غیر فصیح ہے۔

غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے توفیر درد زخم مثل خندۂ قاتل ہے سراپا نمک

مین درد زخم زیادہ کرنے کے لئے غیر کا احسان اپنے سر لونگا کہ اس سے نمک چھڑکنے کی التجا کرون جیسے خندۂ قاتل نمکین ہے اسی طرح میرا زخم بھی خندان ہی اور وہ سراپا نمک بنا ہوا ہے منت کھینچنا محاورہ فارسی کا ترجمہ ہے (منت کشیدن) مگر اردو مین اگر لکھتے ہین تو منت کشی ہی لکھتے ہین یا منت اٹھانا وغیرہ۔ منت کھینچنا اب نہین لکھتے غلط نہین ہے مگر جب مترادف الفاظ ہمارے یہان موجود ہین تو کیا ضرورت ہی کہ محاورہ فارسی کا ترجمہ کیا جائے۔

یاد ہین وہ دن مجھے غالب کہ وجد شوق مین زخم سے گرتا تو مین پلکون سے چنتا تھا نمک

غالب مجھے وہ دن یاد ہین کہ وجد شوق ایذا طلبی کی حالت مین اگر میرے زخم سے نمک گرجاتا تھا تو مین اس کو پلکون سے چنتا تھا۔ نمک کا پلکون سے چننا ایک خوبی کا مسئلہ ہے کہتے ہین کہ نمک کا اتنا ادب کرنا چاہئے کہ زمین پر گر جائے تو اسے پلکون سے چنے۔

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہی تری زلف کے سر ہونے تک

سر ہونا ایک محاورہ ہے جس کے معنی حال کے معلوم کرنے مین اسرار و مبالغہ کے ہین دوسرے ہم سر ہونا کسی بات کا انجام کو پہونچنا یہان دونون معنی لیے جاسکتے ہین اول یہ کہ یہ ضرور ہے کہ ہماری آہ مین اثر ہوگا مگر بہت دیر مین ہوگا اور دیر مین

تیری زلف پیچیدہ کے اسرار سے ہم باخبر ہونگے اس وقت تک ہم کو اپنی زندگی کی بھی امید نہین ہے دوسرے یہ کہ جبتک ہماری آہ اثر کریگی اور تیری زلف کی فہم کو فتح کرین گے اتنے مین ہمارا کام تمام ہوجاے گا۔ حاصل یہ کہ تیری زلف دراز ایسی ہے کہ میری عمر اسکے حال معلوم کرنے یا اُسپر قبضہ کرنے مین تمام ہوجائے گی۔

اگرچہ بادی النظر مین یہ گمان ہوتا ہے کہ محض قافیہ اور محاورہ کی غرض اور مناسبت لفظی کے لیے زلف کا مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے مگر ایک نازک بات یہ ہے کہ دلبر پر قبضہ ہونا اور اس کے اسرار معلوم کرنا تو بہت ہی دشوار اور ناممکن ہے ہماری عمر ایک ابتدائی اور لایعنی ہی کام مین ختم ہوجاے گی اسی طرح تمام اعضا کو کہہ سکتے ہین کہ تمام پر قبضہ پانا تو بہت ہی محال ہے۔

واضح ہو کہ اکثر نسخون مین ردیف مین بجانے ہونے تک کے ہوتے تک دیکھنے مین آئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہوتے تک بھی مصدری معنی پیدا کرتا ہے حکیم مومن خان کے یہان بھی اسی ردیف مین ایک غزل پائی جاتی ہے انھون نے بھی بجاے نون کے ردیف مین (ت) رکھی ہے۔

مولانا نظم اور حسرت صاحب کے یہان ہوتے تک ہے مین بھی اسی کو اچھا سمجھتا ہون خدا جانے غالب نے کیا لکھا تھا یا یہ کہ تیری زلف جب تک رسا ہوگی ہمارا کام تمام ہوجاے گا۔

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کام نہنگ ۔ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

دریا کی ہر موج کے جال مین صد کام نہنگ کے حلقے ہین معلوم نہین قطرہ جب تک موتی ہو اُسپر کیا کیا آفتین آتی ہین۔ کام نہنگ کو حلقۂ دام سے استعارہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ کمال کے حاصل کرنے مین اہل کمال پر ہزارون آفتین آتی ہین بہت خوب شعر کہا ہے۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب ۔ دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

عاشقی کے معاملات مین صبر کرنے کی ضرورت ہے اور تمنا جلد باز ہے تو مجھے اس کشمکش اور متضاد حالت سے یہ فکر پیدا ہوئی ہے کہ جب تک جگر کا خون ہو اور قصہ اختتام کو پہونچے اپنے دل کا کیا حال کرون اور کیونکر ضبط کرون۔

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن ۔ خاک ہوجائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

یعنی یہ بھی مانا کہ آپ ہمارا حال دل سنکر غفلت نہ کرینگے اور جلد سے جلد خبر لینگے مگر ہم مین اتنی طاقت نہین ہے کہ صبر کرین اور زندہ رہین ہم کو سوز دل اُس وقت تک خاک کر دیگا۔

اسی طرح کا بالکل ایک شعر میر درد کا ہے ؎

کی تو تھی تاثیر آہ آتشین نے اُسپہ بھی ۔ جب تلک پہونچی ہی پہونچے راکھ کا یان ڈھیر تھا

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۔ مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

بعض حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی کی حرارت اس کو جذب کر دیتی ہے اسی صورت کا مصنف اظہار کرتا ہے کہ دھوپ شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی ہے یعنی اس کو فنا کرتی ہے مجھپر بھی اگر آپ عنایت کی نظر کرتے تو ایک مین بھی فنا ہوجاتا یا جب آپ نظر کرین گے فنا ہوجاؤنگا بالکل یہی مضمون شیخ علی حزین کے یہان پایا جاتا ہے ؎

گرانجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوانِ من ۔ اگر بینو دبامن روے گرمی آفتابش را

مثلاً صائب فرماتے ہین۔

بہ اندک روے گرمی پشت بر گل میکند شبنم ۔ چرا در آشنائی این قدر کس بیوفا باشد

صائب کے یہان اسی مضمون کو ناصحانہ پیرایے مین ادا کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ پھول شبنم کو اپنے دل مین جگہ دیتا ہے مگر جہان ذرا آفتاب کا سایہ پڑتا ہے شبنم غائب ہوجاتی ہے اور یہ اس کی پھول کے ساتھ ایک سخت بیوفائی ہے۔

یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل ۔ گرمیٔ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

دنیا کے رہنے کی فرصت صرف اسیقدر ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ سکے محفل کی گرمی اُسیوقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ شعلہ رقص کرتا ہے گویا وہ رقص شرر اس کی ہستی اور عمر کی مدت ہے جس کی بعد وہ ختم ہوکر فنا ہوجاتا ہے ایک جگہ ذوق کہتے ہین ؎

کیا اعتبار ہستیٔ ناپائدار کا ۔ چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی اک شعلہ ہے جو رقص کر رہا ہے جس وقت یہ ختم ہوا عمر ختم ہوگئی یکنظر

سے مراد بہت ہی کم نیز وہی طلب کا مسئلہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اے اسد غم ہستی کا سوائے موت کون علاج کر سکتا ہے شمع کو بہر صورت جبراً و قہراً صبح تک جلنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ فنا ہوتی ہے تو اس کو آرام ہوتا ہے۔ غالب نے ایک جگہ اسی مضمون کو اور بھی کہا ہے ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات — ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

ذوق مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

یہ دونوں شعر ایک ہی مشاعرے میں پڑھے گئے تھے غالب مرحوم ذوق سے توارد دیکھکر اور ان کے شعر کو اپنے شعر سے چست پا کر اس شعر کو پڑھنا نہ چاہتے تھے مگر مجبوراً پڑھا۔

ردیف گ

گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ — یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

اگر تجھکو اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی بھی امید ہے تب بھی دعا نہ کر اپنے دل کو بے مدعا رکھ اور ہمیشہ اسی خواہش میں رہ کہ دل میں کوئی مدعا پیدا نہ ہو نہ دل میں کوئی خواہش ہوگی نہ دعا مانگنے کی ضرورت پڑے گی۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھسے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ کر

اے خدا تو میرے گناہوں کا حساب کرتا ہے تو مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے کس کس گناہ کے کرنے کی حسرت باقی رہ گئی ہے اس سے بہتر ہے کہ تو مجھ سے میرے گناہ کا حساب نہ کر دوسری جگہ فرماتے ہیں اور گویا وہی شعر کی شرح ہے ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسی خیال کا فارسی میں بھی جگہ اعادہ کیا ہے۔ رباعی ؎

اے آنکہ دہی مایہ کم و خواہش بیش — آمرز کہ وقت باز پرس آمد پیش
بگذار مرا کہ من خیال دارم — با حسرت عیش ہائے ناکردہ خویش

ردیف ل

ہے کسقدر ہلاک فریب وفائے گل — بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

بلبل اس قدر فریب وفائے گل پر مٹی ہوئی ہے اور اس کے رنگ کو پائدار سمجھتی ہے مگر بلبل کے اس خلل دماغ پر پھول ہنس رہے ہیں ایک جگہ پہلے فرما چکے ہیں ؎

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف — ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دام ہوائے گل

نسیم خوشبو ملی ہوئی ہوا اور خوشبو اسی کو مصنف کہتا ہے کہ نسیم کو مبارک ہو اور وہ آزادی سے گشت لگائے۔ گل شگفتہ گویا پھول کی محبت کے جال کے حلقے ہیں جنکو ہوا نے توڑ دیا ظاہر ہے کہ نسیم ہی پھولوں کو شگفتہ کرتی ہے اس میں نسیم کی آزادی کی نسیم ہی کو مبارکباد دی گئی مگر دوسرا پہلو یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ عاشق بطریق طنز معشوق سے کہتا ہے کہ لیجئے نسیم دام ہوائے گل میں گرفتار تھی مگر وہ اس دام کے حلقوں کو توڑ آئی اب آپ کو ایک نیا عاشق ملا۔ آپ کا حسن گل کے حسن سے زیادہ ہے آپ اس کو ضرور اپنے دام محبت میں اسیر کر لیں گے یا عام آدمیوں کو مبارکباد دی گئی کہ نسیم دام محبت گل سے آزاد ہو گئی ہے اب پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرے گی۔

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا — اے وائے نالہ لب خونیں نوائے گل

لوگ پھول کے نالۂ خونیں نوا کو رنگ سمجھ کر اس پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ ہائے پھول کا گریۂ خونیں کس قدر بے اثر ہے بہت خوب شعر کہا ہے۔

خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو — رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل

وہ حریف سیہ مست بہت اچھا ہے جو سایۂ گل کی طرح گل کے پاؤں پر بیہوش پڑا ہوا

عرض حال کر رہا ہو - ایک جگہ مرزا داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا ۔ بیہوشی نے ہی کام کیا ہوشیار کا

ایجاد کرتی ہو اسے تیرے لئے بہار ۔ میرا رقیب ہے نفس عطر سائے گل

بہار پھولون کو اس لیے کھلاتی ہے کہ تو انکی خوشبو سونگھے - انکی سیر کرے - انکے ہار پہنے یا تیرے بستر پر بچھائے جائین تو گویا پھول میرے رقیب ہین کیونکہ تجھے انکی خواہش اور محبت ہوگی یا وہ تیرے ہم بستر ہوں گے -

شرمندہ رکھتے ہین مجھے باد بہار سے ۔ مینائے بے شراب و دل بے ہوائے گل

جب زمانۂ بہار مین میرا شیشہ شراب سے اور دل ہوائے سیر گل سے خالی ہوتا ہے تو مجھے بہار سے شرمندگی ہوتی ہے -

سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کی ۔ خون ہے مری نگاہ مین رنگ ادائے گل

چونکہ تیرا حسن غیرت مند ہے اور یہ نہین چاہتا کہ میرا عاشق میرے سوائے کسی دوسری شئے کو نظر محبت سے دیکھے اسی بنا پر پھولون کی دلفریب ادائین میری نگاہ مین خون ہین اور مین انکو اچھا نہین سمجھتا بلکہ بُری معلوم ہوتی ہین -

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکہ کہ آجتک ۔ بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

پھول جو یکے بعد دیگرے کھلتے ہین یہ کسی اور سبب سے نہین ہے بلکہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ایک پھول کو کھلا دیکھکر دوسرا گل ناشگفتہ یہ سمجھتا ہے کہ صحن چمن مین جلوہ گر ہوا ہے اور اسکی جستجو مین دوسرا پھول بھی کھل آتا ہے اسیطرح اس دھوکہ مین عدم سے یکے بعد دیگرے پھول دوڑے ہوئے چلے آتے ہین فارسی مین کہا ہے ؎ تا گل برنگ و بوئے کہ ماند کہ در چمن ؎ گل در پس گل آمدہ در جستجوئے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو ۔ جسکا خیال ہے گل جیب قبائے گل

اس مین حرف ندا محذوف ہے یعنی اے غالب مجھے اُس سے ہم آغوشی کی تمنا ہے جسکے

خیال نے گل سے اپنے گریبان کو زینت دے رکھی ہے -

آغوشی کی ی ، دبتی ہے اور یہ باتباع فارسی مصنف کے یہان جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اہل فارس بے تکلف حروف علت کو گرا دیتے ہین - یا اس جگہ یہ سمجھئے کہ دو حرف علت جمع ہونے سے ایک حرف گرا دیا گیا ہے جو صحیح ہے - اہل لکھنؤ (ے) کا گرانا صحیح نہین سمجھتے -

ردیف میم

غم نہین ہوتا ہے آزادون کو بیش از یک نفس ۔ برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم

آزادون کو ایک دم سے زیادہ غم نہین ہوتا ہے ہم اپنے گھر مین بجلی کی روشنی سے چراغ جلاتے ہین کہ دم بھر چمک کر وہ ہمارے تمام غمون کا خاتمہ کر جاتی ہے یعنی دم بھر ہم نے اندھیرے کا غم کیا اور بجلی چمکی چراغ جلا اور غم تاریکی کا فیصلہ ہوگیا -

محفلین برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال ۔ ہین ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم

تمہارا خیال ہر وقت محفلین برہم کیا کرتا ہے یعنی گذشتہ صحبتون کو جو درہم و برہم ہوگئین ہماری نظر کے سامنے لایا کرتا ہے - اس صورت مین ہم اُن اگلی صحبتون کے بتخانہ تصاویر گنجفے کے ورق گردان ہین گنجفہ چونکہ ایک تفریح کا سامان ہے اس لیے اسکی ورق گردانی سے یاد محفلہائے برہم شدہ نشاط کا پتہ چلتا ہے نہ کہ مجالس ماتم و عزا کا - ورق گردانی مین یا دی النظر مین یائے مصدری کا دھوکہ ہوتا ہے مگر دراصل یہ یائے فاعلی ہے -

باوجودیک جہان ہنگامہ پیدائی نہین ۔ ہین چراغان شبستان دل پروانہ ہم

باوجود اس کے کہ ہنگامہ بہت ہے اور شورا شوری اس قدر زیادہ ہے مگر پھر بھی کچھ نہین ہماری ہستی ہماری شورا شوری اُن چراغون سے مشابہ ہے جو پروانے کے دل مین جلتے ہین اور جن سے پروانہ مین یہ اضطراب اور انتشار ہے جسکا دیکھئے تو دراصل کوئی وجود نہین ہے -

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ۔ ہین وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ہم جو ترک دنیا کیے ہوئے ہیں یہ قناعت کے سبب سے ہے مگر واقعہ یہ نہیں ہے کہ ہم جستجو کرتے کرتے تھک گئے ہیں تو اس سے ہم پڑ رہے ہیں لہذا ہم تکیہ گاہ ہمت مردانہ (یعنی قناعت) کے لیے جو در اصل بربنائے ضعف ہے) وبال ہیں یعنی ہمت مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہے اور ہمارا قناعت پر تکیہ ضعف سے ہے نہ کہ ہمت مردانہ سے۔ جو لوگوں کو قناعت کا فریب دیتا ہے اسلئے تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم سے شرم کرتی ہے۔

دام الجھیں ہمیں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ جانتے ہیں اس دل پر خون کو زندانخانہ ہم

میرا دل پر خون ایک ایسا قید خانہ ہے جس میں لاکھوں حسرتیں ہمیشہ کے لیے مقید کر دی گئی ہیں یعنی میرے دل کے ارمان کبھی پورے نہیں ہوتے۔

بنالہ حاصل دلبستگی فراہم کر متاع خانہ زنجیر جز صدا معلوم

اگر تو دل بستہ ہے تو رونا بھی اختیار کر کیونکہ زنجیر جو ایک دل بستہ ہے اسکے گھر میں سوائے نالہ و فریاد کے کچھ نہیں ہے۔ گویا حاصل دلبستگی رونا ہے۔ ایک میرا شعر ہے ؎

گل داغ جنوں ہیں دلیں اب رونا بھی لازم ہے ہمیں اس نغ کی کرنی پڑیگی باغبانی بھی

مارا دیار غیر میں مجھکو وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

مجھکو خدا نے غریب الوطن مارا اور پردیس میں موت دی۔ اس صورت میں گویا اُسنے میری بیکسی کی شرم رکھ لی۔ کہ جیسا میں بیکس تھا اس کے لیے غریب الوطنی کی موت بھی ضرور چاہیے تھی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر میں وطن میں بھی مرتا تو بھی بسبب اسکے کہ میں ایک بیکس تھا کوئی مجھے رونے نہ آتا یا میرا کوئی غم نہ کرتا اور یہ امر میرے لیے باعث رنج اور دوسروں کے لئے ہنسنے کا موجب ہوتا لیکن اب جو پردیس میں میری لاش بے دفن و کفن پڑی ہوئی ہے اور کوئی رونے والا نہیں ہے تو کم انکم لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ ایک بیکس تھا غریب الوطن تھا بخلاف وطن کے کہ یہی واقعہ وہاں بھی

ہوتا مگر وہاں باعث شماتت ہمسایہ ہو جاتا ۔ آتش مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

مولانا ناطق صاحب فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

رونے والے نہ تھے غربت کی اجل پر نہ سہی ہنسنے والا تو وہاں کوئی دل زار نہ تھا

وہ حلقہائے زلف کمیں میں ہیں ایخدا رکھ لیجو میرے دعوٰے وارستگی کی شرم

ایخدا اُسکے دام زلف کے حلقہ میرے پھانسنے کی گھات میں لگے ہوئے ہیں اور میں ہنوز خود کو آزاد ظاہر کرتا ہوں اور در اصل آزاد ہوں تو اس صورت میں اگر وہ میرے اسیر کرنے میں کامیاب ہوگئے تو میری آزادی پر حرف آجائے گا لہذا ایخدا مجھے اُنسے بچانا اور میری وارستگی اور آزادی کے دعوے کی شرم رکھ لینا۔

ردیف نون (ن)

لوں دام بخت خفتہ سے اک خواب خوش ولے غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

میرا نصیبہ سو رہا ہے۔ اور میں بے خواب ہوں۔ تو اس حالت میں اپنی رفع تکلیف کے لیے ایک میٹھی نیند میں اپنے بخت خفتہ سے قرض ضرور لے سکتا ہوں۔ مگر اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مجھے تو کبھی خود نیند آتی ہی نہیں ہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

یہ تمام غزل ایک ہی رنگ میں کہی گئی ہے جس میں گذشتہ زمانہ کو یاد کیا گیا ہے کہتا ہے کہ دل میں وہ ذوق و شوق ہی باقی نہیں رہا جس کی بدولت وصل کی خوشی اور ہجر کا غم ہوتا تھا۔ وہ زمانہ اسکی راتیں اس کے ماہ و سال خواب و خیال ہو گئے۔

فرصت کاروبار شوق کسے ذوق نظارہ جمال کہاں

اب نہ دل میں عشق باقی ہے نہ تمنائے دیدار معشوق کا کہیں پتہ ہے۔

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شور سودائے خط و خال کہاں

دل تو اپنی جگہ ہے وہ تو خیر گیا ہی اب وہ دماغ بھی باقی نہین رہا خیال خط و خال کا تو ذکر ہی کیا ہے

تھا وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں

صرف ایک شخص کے تصور کا کرشمہ تھا کہ ہم کو جمال وغیرہ اچھا معلوم ہوتا تھا اب تصور ہی باقی نہین رہا کہ جمال کی رعنائیان ہم کو فریفتہ کرین - یہان ایک شخص کی جگہ کوئی دوسرا لفظ شوخ وغیرہ کہہ دیا جاتا تو خلاف مقام ہو جاتا اور معلوم ہوتا کہ ابھی ذوق شوق اور حسن کی پرکھ اور جسکا دلمین باقی ہے کہ اس کو شوخ کہا گیا لہذا ایک سادہ لفظ شخص کہا۔

ایسا آسان نہین لہو رونا دل مین طاقت جگر مین حال کہان

جیسا کہ آنکھون سے لہو بہانا پہلے آسان معلوم ہوتا تھا اب کہ تمام طاقت سلب ہو چکی ہے وہ خونفشانیان آسان نہین معلوم ہوتین نہ جگر مین وہ طاقت ہے نہ دلمین وہ توانائی ہے۔

ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق وان جو جائین گرہ مین مال کہان

قمار خانہ عشق ہم سے چھوٹ گیا کیونکہ وہان جائین تو کس برتے پر جائین اب نہ اپنے پلے نقد دل ہے نہ زر داغ جنون ہے

فکر دنیا مین سر کھپاتا ہون مین کہان اور یہ وبال کہان

اب افکار دنیوی سے پریشان ہون اور شب و روز اسی مین سرگردان رہتا ہون لیکن ایک زمانہ تھا کہ مجھے اس وبال سے کوئی سروکار اور تعلق ہی نہ تھا۔

مضمحل ہو گئے قوی غالب - وہ عناصر مین اعتدال کہان

اب تمام قوائے جسمانی ضعیف و نحیف ہو گئے - وہ جوانی کا سا اعتدال مزاج مین باقی نہ رہا۔

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین

ہم سے معشوق نے وفا کی تو دشمن اس کو جفا اور معشوق کو ظالم کا خطاب دیتے ہین مگر یہ کوئی نئی بات نہین ہے یہی قاعدہ ہے اچھون کو برا کہا ہی کرتے ہین - اس مین معشوق کو اچھا کہکر اپنے ساتھ وفا کرنے پر تحریص دلائی گئی ہے۔

آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے کہنے جاتے تو ہین پر دیکھئے کیا کہتے ہین

آج ہم اس ارادے سے انکے پاس جاتے ہین کہ اپنی پریشانی دل کا ان سے اظہار کرین مگر دیکھئے یہ تو سب ارادہ ہی ارادہ ہے اس کو دیکھکر ہمارے منہ سے کیا نکلتا ہے یا وہ یہ حال سنکر کیا کہتے ہین کسی کا مشہور مصرع ہے

خدا جانے وہ کیا پوچھین زبان سے میری کیا نکلے

نواب مصطفے خان شیفتہ فرماتے ہین کہ

اس سے ہین شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا کیا کرون تھا میرے دلمین سو زبان پر آیا

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انہین کچھ نہ کہو جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین

مے و نغمہ کو پرانے آدمی کہتے ہین کہ اندوہ ربا اور غم غلط ہے - اور آجکل کے زمانہ مین ان مین یہ صفت باقی نہین رہی ہے کہ اندوہ و غم ان سے کم ہو جاوے سو ان لوگون سے اس بنا پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہین ہے شراب اور نغمہ مین پہلے یہ خاصیت ہو گی جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین اگرچہ آج نہین ہے

دل مین آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے اور پھر کونسے نالہ کو رسا کہتے ہین

یہ شعر نہایت ہی اچھا کہا ہے جس مین اپنی محرومی کا نقشہ کھینچا ہے گویا کہ شاعر نے نالہ رسا کا نام سنا ہے مگر اس کو کبھی دیکھا نہین ہے یعنی اس کے نالہ کو کبھی

اثر تک رسائی نصیب نہیں ہوئی ہے اسی بنا پر وہ ایک سوال مقدر کا جواب دیتا ہے کہ نالۂ رسا اور کیا ہوتا ہے یہی ہے کہ غش سے فرصت ملی تو نالہ دل میں موجود ہو گیا اس صورت میں گویا وہ یہ جانتا ہی نہیں ہے کہ نالۂ نارسا اس کو کہتے ہیں جس کی پہونچ اثر تک ہو۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود　　قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

ہم قبلہ کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ قبلہ کو محض قبلہ نما سمجھتے ہیں کہ وہ ایک جہت معین ہے ہمارا مسجود وہ ہے جو ادراک کی حد سے باہر ہے اور جہات وغیرہ سے منزہ اور مبرا ہے۔ ع

بسوئے کعبہ سجدہ ہے مگر مسجود تو ہی ہے

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے　　خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں

مہر گیا ایک بوٹی ہے جس کا خواص یہ ہے کہ جو اس کو اپنے پاس رکھتا ہے اس پر لوگ مہربان ہو جاتے ہیں۔ اسی بنا پر مصنف کہتا ہے کہ تجکو ہمارے زخمی پاؤں پر جس میں کانٹے چبھے ہوئے ہیں جب سے رحم آیا ہے تو راہ کے کانٹوں کو ہم کانٹا نہیں کہتے بلکہ مہر گیا کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے تجکو ہم پر رحم آیا۔

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا　　آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہیں

روح حیوانی دل میں اک شرارہ ہے اس سے ہم کیا گھبرائینگے جب حال یہ ہے کہ ہم دل کی آگ بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہیں یعنی ہمارا سانس لینا محض اشتعال حرارت غریزی کی غرض سے ہے اس مسئلہ کو مصنف نے کئی جگہ نظم کیا ہے

دوسرا پہلو اس میں یہ بھی ہے کہ لوگ ہمکو طعنہ دیتے ہیں کہ دل کی آتش غم سے گھبرا کر ہمکو ہوا کھانے کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم گھبرا کر گرمی کے مٹانے کے واسطے ہوا نہیں کھاتے ہیں بلکہ آگ کے بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہیں یعنی سانس لیتے ہیں اسی طرح مصنف ایک جگہ کہتا ہے ؎

زخم سلوانے سے مجھپر چارہ جوئی کا ہے طعن　　غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

یا رب

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی　　سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

دیکھئے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ　　اسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

دیکھئے اب اس کا غرور کس حد تک تجاوز کرتا ہے کیونکہ ہم کو عادت ہو گئی ہے کہ اسکی ہر بات سنکر ہم تعریف و توصیف کرتے ہیں ؎

جو کچھ کیا وہ سب مرے دل نے کیا قصور　　سہ سہ کے ظلم تجکو ستمگر بنا دیا

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہدیں شاید　　مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

وحشت سے یا غلام علیخان وحشت یا جنون۔ اور شیفتہ سے یا نواب مصطفی خان شیفتہ یا عام عاشق دونوں مراد ہو سکتے ہیں یعنی یا تو دونوں صاحب میرا مرثیہ کہینگے یا وحشت دل جو میری کمال رفیق ہے میرا غم کریگی یا عشاق جو میرے ہم مشرب ہیں میرا غم کرینگے۔ وحشت صاحب حکیم مومن خان کے شاگرد تھے اور نواب مصطفی خان صاحب فارسی میں مرزا سے اور اردو میں حکیم مومن سے تلمذ رکھتے تھے مرزا غالب انکے کلام کے نہایت مداح تھے اور اکثر انکی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے شیفتہ مرحوم فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

غالب ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل　　چون او تلاش معنی و مضمون نکردہ کس

ایک جگہ یوں کہتے ہیں ؎

غالب بہ فن گفتگو نازد بدین ارزش کہ او　　ننوشت در دیوان غزل تا مصطفی خان خوش نکرد

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں　　ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

اس گل کی کیا آبرو ہے جو گلشن میں نہو وہ گریبان ننگ پیراہن ہے جو دامن میں نہو ظاہر ہے کہ گریبان دامن میں جبھی پہونچیگا جب چاک ہو جائے گا۔ اور چاک ہوا تو گل سے مشابہت پیدا ہو جائے گی۔

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں　　رنگ ہو کر اڑ گیا جو خون دامن میں نہیں

ہے اگر ضعف سے کچھ میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ جو خون آنکھوں کی راہ سے نہیں نکلا ہے وہ رنگ ہو کر اڑ گیا ہے ضعف میں رنگ کا اڑ جانا ایک ایسی بات ہے جو محتاج بیان نہیں ہے۔

ذرہ اسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں ہوگئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب

جن ذروں کو اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں دیکھتے ہو یہ دراصل ذرے نہیں ہیں بلکہ نگاہ آفتاب کے اجزاے پریشان ہیں جو یہاں آکر جمع ہوگئے ہیں یعنی آفتاب بھی اس کو روزن دیوار سے تاکتا جھانکتا ہے ایسا ہی شعر گذر چکا ہے روزن بیر دامن ہے

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

عشق خانۂ ویراں سے دنیا کی رونق ہے اگر یہ برق خرمن ہستی میں نہ چمکے تو وہ انجمن بے شمع سے زیادہ وقیع نہیں ہے۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

زخم میں ٹانکے دلوانے سے مجھے یہ طعنہ دیتا ہے کہ میں اپنے علاج میں مصروف ہوں لیکن غیر کو یہ خبر نہیں کہ میرے ایذا پسند دل کو اس زخم میں جو ٹانکے دیئے جانے کے وقت ہوتے ہیں ایک لذت آتی ہے۔ یہ شعر اور اسکا ہم مضمون شعر ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔
رفوے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی سمجھنا مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

کیا کہوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن میں نہیں

مجھ سے میرے زندان خانۂ غم کی تاریکی کا حال کیا پوچھتا ہے یہاں عجب ظلمت ہے جس کی دیواروں کے اندر اگر روئی رکھ دیں جو بند کر دینے اور اندھیرا کرنے کا سامان ہے تو صبح کی طرح اس سے روشنی پھیل جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ بہت ہی زبردست اندھیرا ہوگا وہاں ایسی معمولی چیز سے بھی روشنی ہوگی۔ ایک جگہ اور بھی فرماتے ہیں۔
بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے خرابے کی شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیوار کے روزن میں

شمع ہے اک سوزن گم گشتہ کاشانہ میں ذوق دود دل سے ہے یہ تاریکی مرے غمخانہ میں

بسکہ ہم ہیں اک بہار ناز کے مارے ہوئے جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

چونکہ ہم کو ایک بہار ناز نے قتل کیا ہے۔ اسی وجہ سے اور اسی اثر سے ہماری قبر میں گرد کا نام نہیں ہے بس ہر طرف گل ہی گل ہیں۔ اس میں دو پہلو نکلتے ہیں ایک یہ کہ اسکا تصور ہم کو ابتک باقی ہے یا ابتک ہمارے جگر میں داغ موجود ہیں جو گل سے مشابہ ہیں دوسرے یہ کہ ہم شہید ہوئے تھے اور اس کے ثواب میں ہماری قبر میں جنت موجود ہے پہلے معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

میرے جسم میں ہر ایک قطرۂ خون ایک نئے ناسور کا مادہ ہے یعنی جہاں جہاں کوئی قطرہ خون گرے گا وہ وہاں ناسور ڈالدیگا۔ اور نکلجائے گا۔ کیونکہ میرا خون بھی درد کا جویا ہے۔ اور ذوق درد اس میں بھی موجود ہے یہ ایسا ہی شعر ہے جیسا مصنف نے ایک جگہ کہا ہے ؎
دکھاؤنگا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

لیگئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

رگ گردن اکثر غرور کے محل پر استعمال کرتے ہیں جیسے کہ خود مرزا صاحب مرحوم ایک جگہ کہتے ہیں ؎
خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جائے غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
اسی بنا پر شعر کے یہ معنی ٹھہرتے ہیں کہ ساقی کے پاس جو مینائے مے تھا اسکی موج شراب سے اس میں رگ گردن پیدا ہوگئی تھی۔ یعنی شیشہ اپنے پُر ہونے پر مغرور تھا اور ساقی اترایا ہوا تھا کہ اتنی شراب کون پی سکتا ہے مگر میں ایک قلزم آشام میرے سامنے ایک شیشہ شراب کی کیا ہستی تھی سب چٹ کر گیا اب نہ ساقی کی وہ نخوت نہ شیشہ کو وہ غرور ہے۔

ہو فشار ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود — قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن مین نہین

ضعف مجکو چارون طرف سے دبائے ہوئے ہے اور جھکنے بیٹھنے کی اجازت نہین دیتا پھر ایسی حالت مین میرا قد کیونکر جھکے اور میری ناتوانی کا اظہار کیونکر ہو۔

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ غربت مین ہو قدر — بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین

غالب میری وطن ہی مین کیا شان تھی کہ غربت مین کچھ قدر ہو مین ایک مشت خاشاک ہون جو بہاڑ مین نہین جھکا ہون میرے لئے اگر آرام ہے تو گلخن ہی مین ہے کیونکہ جب تک وطن مین تھا خار زار اور خس و خاشاک مین ملا ہوا تھا اور وطن سے جدا ہوا تو خاک روبون نے جھاڑو دیکر شہر بدر کر دیا غرض وہان آرام تھا نہ یہان آرام ہے میرے لیے گلخن ہی مناسب ہے اس سے پہلے ایک جگہ فرما چکے ہین ؎

فنا کو سونپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا — فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اس شعر مین تصوفانہ رنگ کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے یعنی فنا ہو جانا بھی عین بقا ہے۔

عہدہ سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا — گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہون

مین اُسکے ناز کی تعریف نہین کر سکتا اگر اسمین ایک ادا ہو تو یہ کہکر فراغت پا جاؤن کہ اسی پر میری جان جاتی ہے مگر یہان تو ہزارون ادائین ہین گویا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

حلقہ ہین چشم ہائے کشادہ بسوئے دل — ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون

تیرے گھونگھر والے بالون مین جو حلقے پڑے ہوئے ہین وہ گویا آنکھون کے حلقے ہین جو میرا دل چھیننے کے لیے تیار ہین اور اس کو دیکھ رہے ہین لہذا مناسب ہے کہ تیرے ہر تار زلف کو نگاہ سرمہ سا کا خطاب دون اور ہر ایک تار زلف کو اُس

چشم حلقہ کی نگاہ کہون نگاہ اور چشم مین بڑا فرق ہے اور تمثیل بھی دونون نہایت ہی خوب ہین تعریف نہین ہو سکتی۔

مین اور صد ہزار نوا ہائے جان خراش — تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون

ذوق مرحوم نے گویا اس کی شرح مین یہ شعر لکھا ہے ؎

یان لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب مین — وان ایک خامشی تری سب کے جواب مین

لفظ کیا کہون کی تعریف نہین ہو سکتی جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ مجبوراً جب تو نہین سنتا تو مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے۔ اور یون کیا کہون ایک عام محاورہ ہے اسمین نشنیدن ایک ایسا لفظ ہے جسپر ناسمجھ اردو سے فارسی خلط ملط کا غالب پر الزام لگائے گا مگر پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اگر مصنف اسی لفظ کو اردو مین کہتا۔ ع

تو اور ایک تیرا نہ سننا کہ کیا کہون

تو شعر فلک الافلاک سے تحت الثریٰ مین پہونچ جاتا بلکہ صرف تفنن عبارت کے لئے اکثر جگہ ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لے لیجئے مجھے یاد آیا نقاد کلام اسد اللہ خان غالب جناب مرزا یاس آتش پرست نے اس شعر پر اعتراض بھی کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ نشنیدن کہ کیا کہون کی ایک ہی کہی" اردو کی پھوٹی ہوئی قسمت جہان تک ناز کرے کم ہے جس کا جواب رسالہ خیال مین اس صورت سے دیا گیا ہے "اعتراض ایک فارسی لفظ کے متعلق ہے اور محض اسی وجہ سے شعر بد مذاقی کا نمونہ بنگیا ہے سبحان اللہ سبحان یاس کی امید پر علمی دنیا اور عالی خیالی کی پھوٹی ہوئی قسمت جہان تک ناز کرے کم ہے لطف دیکھئے کہ عالیجاہ خود دو سطر پہلے شعر مین لفظ نشنیدن کو ایک انوکھی ترکیب کے ساتھ استعمال کر آئے ہین اور فرماتے ہین ؎ یاس

آنکھ کا مارا مرے نزدیک آزاری نہین — جو سچ پوچھو تو ابھی کوئی بیماری نہین

خدا جانے یہ آزاری کہان کا لفظ ہے اور نشنیدن پر اس کو کیا فوقیت حاصل ہے۔ اور رسالہ خیال فروری ۱۹۲۶ء مولینا علی حیدر صاحب نظم اس شعر کی بابت یون فرماتے ہین۔ اس شعر سے یہ دہوکا نہ کھانا چاہئے کہ غالب سا شخص اس طرح اردو اور فارسی کا خلط کرے جسے ایک بتدی سا بتدی اور گنوار سا گنوار بھی صحیح نہین سمجھتا تقام طنز مین

تفنن الفاظ اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سمجھ کر مصنف نے یہان تپیدن کہا ہے لیکن تاویل
مستبعد ہے اسمین شک نہین لیکن مین کہتا ہون کہ اگر کوئی تاویل نہ کیجاسے تب بھی یہ صحیح
ہے غالب سے پہلے اور غالب کے زمانہ تک بے تکلف مصادر فارسی کا استعمال بجاے
اردو کے کرتے تھے میر کہتے ہین ؎

آنسو کی بوند آنکھ سے دونون ابنو نکلتی ہی نہین ۔۔۔ دل کے طپیدن روز و شب سے خوب جگر کا لہو ہوا

اسکے سواے مردن ۔ رفتن ۔ وغیرہ ابتک اردو مین بلا تکلف مستعمل ہین لہذا اسپر
الفاظ اعتراض نادانی سے خالی نہین۔

ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ ۔۔۔ ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

کہتا ہے کہ میرا گمان اور میری عقل مجھے تیرے بارے مین راے دیتی ہے کہ تو
بیوفا ہے لیکن مین برابر تجھے باوفا کہے جاتا ہون اور انکی ایک نہین سنتا خدا کے لئے تو اسقدر
بیوفائی پر کمر نہ باندھ کہ مجھے اپنے خیال سے شرمندہ ہونا پڑے اور خدانخواستہ مجھے وہ
دن دیکھنا پڑے کہ مین بھی تجھے بیوفا کہون "ہے ہے خدا نکردہ سے" یہ مفہوم ہے
کہ وہ دن دیکھنا مصنف کو پسند نہین۔

مہربان ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت ۔۔۔ مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آبھی نہ سکون

اس غزل کے تینون شعر ایک ہی رنگ مین کہے گئے ہین اور اسمین ایک صنعت
رکھی گئی ہے کہ قافیہ دو معنون پر مشترک ہے اور اسیوجہ سے یہ شعر نہایت بدیہہ ہے۔ مجھے
مہربان ہو کے جس وقت چاہو بلالو مین گیا وقت نہین ہون کہ جاکر پھر نہ آسکون۔

ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے ۔۔۔ بات کچھ سر تو نہین ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون

یعنی حالت ضعف مین غیر مجھے طرح طرح کے طعنے دیتے ہین مگر مین اٹھاتا ہون
بات کا اٹھانا میرے لئے ایسا دشوار نہین ہے جیسے سر کا اٹھانا یعنی اس وقت سب
گوارا ہے۔

زہر ملتا ہی نہین مجکو ستمگر ورنہ ۔۔۔ کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون

افسوس ہے کہ مجکو کہین زہر نہین ملتا ورنہ جیسے تیرے ملنے کی قسم کھانا میرے
لئے غیر ممکن ہے اسی صورت سے زہر کھانا مشکل نہین ہے حکیم مومن خان کے یہان اس
صورت کے بہت اشعار پاے جاتے ہین جیسے ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دل آگ ہے اور لگائین گے ہم ۔۔۔ کیا جانے کیسے جلائین گے ہم
ایسی وحشت نہین دلکو کہ سنبھل جاؤن گا ۔۔۔ صورت پیرہن تنگ نکل جاؤن گا

اسی زمین مین اسی صنعت مین ذوق مرحوم فرماتے ہین۔

سرو مہر دن سے فلک ڈال نہ پالا کہ مین آگ ۔۔۔ نخل سرمازدہ کی طرح سے جل جاؤن گا
دیکھنا حشر مین جب تمپہ مچل جاؤن گا ۔۔۔ داغ ۔۔۔ مین بھی کیا آپکا وعدہ ہون کہ ٹل جاؤن گا
شمع سان برسر محفل نہ جلا دیکھ مجھے ۔۔۔ بیان ۔۔۔ پھیل جاؤن گا ستمگر کہ جو جل جاؤن گا

مرزا غالب کے آخری شعر کے مصرع ثانی مین تین کاف ایک جگہ جمع ہونے
سے تنافر پیدا ہوگیا ہے۔

ہم سے کھلجاؤ بوقت مے پرستی ایکدن ۔۔۔ ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

مضمون رکیک سہی مگر اس سے مرزا کی شوخ طبعی کا پتہ چلتا ہے۔ تغزل کا
گہرا رنگ اس مین بھرا گیا ہے مطلب یہ ہے۔ ہم سے شراب پیتے وقت کسی روز بے
تکلف ہو جایئے ورنہ ایک نہ ایک دن ہم آپ کو چھیڑین گے اور اگر آپ شکایت
کرینگے تو ہمارے پاس معقول عذر مستی کا جواب موجود ہوگا۔

غرۂ اوج بناے عالم امکان نہو ۔۔۔ اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

یعنی دنیوی بلند عمارات کی بنا پر مغرور نہو ایکدن اس عروج کو زوال ضرور
ہوگا ایکدن سے مراد روز قیامت بھی ہو سکتا ہے اور انقلاب زمانہ بھی خیال
کیا جا سکتا ہے۔

قرض کی پیتے تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہان ۔۔۔ رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مولانا آزاد نے آب حیات مین لکھا ہے ایکدفعہ مرزا بہت قرضدار ہوگئے

قرضخواہون نے نالش کردی جوابدہی مین طلب ہوے مفتی صدرالدین آزردہ کی عدالت تھی جس وقت پیشی مین گئے یہ شعر پڑہا۔ دوسرے تذکرے مین مین نے یہ دیکھا ہے کہ مفتی صاحب نے ازراہ قدردانی سارا قرضہ ادا کردیا۔ اس شعر کی بنا پر یہ تمام شعر کہے گئے تھے ایک جگہ میر تقی صاحب میر فرماتے ہین ؎

مے کشی صبح وشام کرتا ہون فاقہ مستی مُدام کرتا ہون۔

نغمہ ہائے دلکو بھی اے دل غنیمت جانئے بے صدا ہوجائیگا یہ سازِ ہستی ایکدن

اے دل اگر نغمہ ہائے شادی نہین ہین تو نغمہ ہائے غم ہی کو غنیمت سمجھ کیونکہ ایکدن ایسا آئیگا کہ یہ سازِ ہستی بیکار ہوجائیگا کہ اس سے نہ نوحہ غم کی صدا نکلیگی نہ شادی کی مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

کشتی غم کی روانی بھی ہے اے دل مغتنم یہ بھی اکدن نذرِ گرداب فنا ہوجائیگی

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہین ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایکدن

یعنی وہ ظلم وستم اور ہاتھا پائی کا عادی نہین ہے غالب یہ سب ہماری ہی خطا ہے کہ ہم نے ایکدن درازدستی کی تھی جس کی اُسنے ہم کو سزا دی۔ میرزا رفیع السودا فرماتے ہین ؎

سودا کسیکو وہ تو ستائے نہ بے سبب کیا جانئے کہ تجھسے یہ کیا بات ہوگئی

لکھنؤ مین بجائے تجھ سے ہی کے تجہی سے بولتے ہین اور دلی مین دونون صورت سے مروج ہین اس صورت سے دوسرے الفاظ اسی قسم کے قیاس کرلیجئے۔

ہمپر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

وہ ہمپر جو جفائین کرتے ہین یہ امتحان وفا کے لئے نہین ہین یعنی انھین یہ خیال نہین ہے کہ دیکھین یہ جفا کرنے پر وفا کو ترک تو نہ کرے گا نہین یہ تو ہماری طرف سے اُنہین گمان بھی نہین کیونکہ ع

سمجھ رکھا ہے ظالم نے پھنسا دل کب نکلتا ہے

بلکہ یہ محض ایک چھیڑ ہے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق مدظلہ ؎

مذاق ہی یہ جفا کچھ جفا نہین ہمدم یونہی وہ دیکھ رہے ہین ذرا ستا کے مجھے

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین

غالباً یہ شعر حمد مین کہا گیا ہے کہ مین خدائے پاک کی حمد کس زبان سے ادا کرون کہ موقع پر میری خبر لیتا ہے اور ہمیشہ امداد کرتا ہے۔ اور پھر مجھ سے نہ گفتگو ہے نہ بول چال ہے۔ اگر تاویل کیجئے تو تغزل کے رنگ سے بھی باہر نہین ہے کہ وہ اغیار سے میری حالت معلوم کرتا رہتا ہے مگر مجھ سے کبھی بات نہین کرتا ہے گویا یہ انداز خاص میرے لئے ہے اسی مضمون کے کئی شعر مصنف کے فارسی دیوان مین پائے جاتے ہین اور اُردو مین بھی کئی شعر ہین جنمین سے ایک شعر مجھے اس وقت یاد ہے ؎

کیون نہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے جانتا ہے محوِ پرسشہائے پنہانی مجھے

یعنی وہ مجھ سے بے التفاتی کیون نہ کرے وہ اس سے مطمئن ہے کہ ہم یون جو کسی کسی سے اس کا حال پوچھ لیا کرتے ہین وہ اسی مین خوش اور محو ہے۔

ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

ہمکو اُس کا ستم عزیز ہے اور تختہ مشق جفا بنانے کے لئے وہ ہمکو عزیز رکھتا ہے بہرحال اس نامہربانی سے اُس کی مہربانی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ یا یون کہئے کہ وہ ہمکو پیارا ہے کہ ہمپر ظلم کرتا ہے اور ہم اُس کو پیارے ہین کہ ہم ستم سہتے ہین اس کا ہم سے کام نکلتا ہے اور ہمارا اُس سے۔ تو اگر وہ مہربان نہین ہے تو نامہربان بھی نہین ہے۔ تیسرے یہ کہ ہم اُس کے ظلم کو عزیز رکھتے ہین اور وہ ہمپر ظلم کرتا ہے اس سے اُس کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ ہمپر مہربان نہوتا تو وہ چیز جو ہمکو مرغوب ہے ہمپر کیون صرف کرتا۔ یہ انداز بیان مومن کے یہان زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ اسی زمین مین اُن کی بھی غزل ہے جس کا کہ یہ شعر ہے ؎

باتین تری وہ ہوشربا ہین کہ کیا کہون جو کوئی رازداں ہے مرا رازداں نہین
بوسہ نہین نہ دیجئے دشنام ہی سہی آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ہم آپ سے بوسۂ دہن کا سوال کر رہے ہین اگر آپ بوسہ نہین دیتے تو نہ دیجئے گالیان تو دیجئے کیونکہ خیر اس مین تو آپ کو یہ معقول عذر ہاتھ آگیا ہے کہ دہن نہین ہے مگر زبان تو ہے اُس سے آپ گالیان تو دے سکتے ہین ۔ مولینا ناطق مدظلہ

نہ دے بوسہ تو اچھا گالیان دیکر دعا لے لے   غرض لے دے کے رخصت کر دے جو تجھکو میسر ہو

شعرا ماضی نے زیادہ اور حال کے خوش گویون نے کم دہن و کمر معشوق کے چھوٹی اور پتلی مین اتنا مبالغہ کیا ہے کہ بالکل غائب ہی کر دیا - آجکل یہ باتین اجب الترک ہین اسلئے کہ آپ ہی خیال فرمایئے کہ جس کے منہ نہین ہے کمر نہین ہے آخر وہ آدمی کیونکر ہے اور اگر فرضی آدمی بھی مان لیجئے تو غالباً کسی شریف طبیعت آدمی کا تو یہ جی ہرگز نہ چاہے گا کہ اُسے اپنا معشوق بنائے - بقول ناسخ ؎

بھایا پھر کونسا انداز بتون کا ناسخ   نہ کمر رکھتے ہین کافر نہ دہان رکھتے ہین

اسی سے اردو فارسی شاعری بدنام ہو گئی ہے - طوالت تو ضرور ہے مگر مین اس جگہ ایک نظم مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق کی نقل کرتا ہون - حق یہ ہے کہ بہت خوب لکھی ہے -

تشبیہات حسن

الفت کی جستجو ہے دل دردمند کو   سوجھی ہے اک نئی مرے جدت پسند کو
بیتاب ہے بتون کی زیارت کیواسطے   ہے حسن کی تلاش محبت کے واسطے
کیون اسکو اضطراب مین تسکین نہ دیجئے   جو بات ہاتھ کی ہو اُسے کیون نہ کیجئے
خودسر ہین بت کبھی نہ نگہ اُنپہ ڈالئے   قابو کی اپنے جو ہو وہ صورت نکالئے
دنیا کی اچھی اچھی جو چیزین ہین لایئے   معشوق اپنا ہاتھ سے اپنے بنایئے
چند افعیون سے کاکل و گیسو بنایئے   کچھ کالے کالے سانپ پکڑ کر لگایئے
پیشانی نصف چاند کو لا کر بنایئے   اور یہ نہو تو لوح زمرد منگایئے
محراب کی غرض سے نہ کعبہ کو جایئے   ابرو کی چاہ ہو تو کمانین لگایئے
آنکھین اگر لگایئے مژگان بنایئے   نرگس کے پھول لایئے کانٹے لگایئے
دیوار کا تو کام نہین ناک کے لئے   طوطی سے اسکی چونچ ذرا مانگ لیجئے
کانون کو دو گلاب کے پھولون کا کام ہے   اُس چیز کا دہن ہو کلی جس کا نام ہے

عناب کا لبون کے لئے کیون خیال ہو   ہو یہ تو جبکہ لعل بدخشان کا کال ہو
دانتون کی آرزو ہو تو موتی منگایئے   اک سیب لا کے اُس سے زنخدان بنایئے
دو پیپے پھیکدینے سے مطلب نکل گیا   گردن کا کام ایک صراحی سے چل گیا
ہو دست و پا کی فکر تو بلور دیجئے   پنجون کا کام پنجۂ مرجان سے لیجئے
چاقو سے ایک سیب کے دو ٹکڑے کیجئے   جو عضو بن سکے وہ بنا اُس سے لیجئے
اب سب تو بن چکا ہے شکم ایک رہ گیا   چاندی کی ایک لوح وہان دیجئو لگا
من مانی اسکی ہم نے بنائی ہر ایک چیز   اچھی سے اچھی لا کے لگائی ہر ایک چیز
اب دیکھتے جو ہین تو بہت بدنما بنا   سمجھے ہوے تھے ہم اسے کیا اور کیا بنا
کیا اسکو کہ سکین کہ یہ حالت بھی کوئی ہو   یہ شکل بھی تو جب ہو کہ صورت بھی کوئی ہو
جلدی سے توڑ دو جو کوئی دیکھ پائے گا   سچ کہ رہا ہون مین تمھین احمق بتائے گا

انسان کے حال سے کبھی دھوکا نہ کھایئے
اپنا نظیر آپ ہی اُس کو بنایئے

واقعہ یہی ہے کہ آپ تھوڑی دیر تصور کیجئے اور ایسی بے سر و پا صورت اپنی خیالی نظر کے سامنے کھڑی کیجئے - اگر آپ کو ڈر نہ معلوم ہو تو میرا ذمہ -

قطعہ

ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے   ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہین
جان مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے   لب پردہ سنج زمزمۂ الامان نہین

اگرچہ اُس کا قہر و عتاب جان کو گھلا رہا ہے اگرچہ تاب و طاقت نے مجھے جواب دیدیا مگر مجھ حریص آزار کی جان خوشی سے اب بھی ہل من مزید کا ترانہ گا رہی ہے کہ اے ظالم مجھ پر ظلم و ستم اور زیادہ کر - لب پر اب تک الامان کا لفظ نہین آیا ہے یعنی ہنوز وہ اس کا خواہشمند نہین ہے کہ یہ ظلم موقوف ہو جائے -

نقصان نہین جنون مین بلا سے ہو گھر خراب   سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین

اگرچہ میرا گھر اُجڑتا اور خراب ہوتا ہے۔ مگر دراصل میرے جنون سے مجھے کوئی نقصان نہین پہونچتا ہے گھر مین بہت ہو گی تو سو گز زمین ہو گی اب جنون اسے ہم سے چھڑاتا ہے اور ایک جنگل اس کے بدلے مین ہم کو دیتا ہے تو یہ کیا کچھ کم ہے۔ ایک شعر عارف مرحوم کا مجھے اسی زمین مین یاد ہے جو اسی قسم کا ہے اگرچہ مضمون یہ نہین ہے۔ مگر خیال کی بنا ایک ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق مین ‎ ‎ اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہین

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین ‎ ‎ گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہین

میری تقدیر کا حال مجھ سے ایسے پوچھتے ہو جیسے کہ سجدۂ بت کا نشان میرے ماتھے پر نہین ہے۔ بس اسی سے قیاس کر لو۔ گویا میری تقدیر مین بت پرستی ہے۔

پاتا ہون اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی ‎ ‎ روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین

اگرچہ روح القدس بھی میری طرح فصیح نہین ہین (نعوذ باللہ) لیکن پھر بھی اپنے کلام کی داد مجھے اُن سے ملجاتی ہے۔

جان ہے بہائے بوسہ ولے کیون کہے ابھی ‎ ‎ غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیمجان نہین

اُس کے ایک بوسہ کی قیمت جان ہے مگر وہ ابھی مجھ سے یہ نہین کہتا کہ اگر اپنی جان دیدو تو ایک بوسہ لو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابھی غالب نیمجان نہین ہے جب مین نیمجان ہوجاؤنگا تب وہ مجھ سے یہ کہیگا کہ جان دو اور بوسہ لو مین جان دینے پر تیار ہوجاؤنگا تو اُس وقت یہ کہے گا کہ نیمجان اسکی قیمت نہین ہے بلکہ پوری جان اُسکی قیمت ہے۔ اس مفہوم پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ جان سے مراد روح کا جسم مین ہونا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک روح جسم مین ہے آدمی مین جان ہے۔ وہ نصف اور ثلث باقی نہین رہتی ہوتی ہے تو پوری ہوتی ہے اور نہین ہوتی تو بالکل نہین ہوتی۔ مگر شاعر نے معشوق کی ستم ظریفی کا ایک نقشہ کھینچکر دکھایا ہے۔ اور شعر مرا بہ مکتب کہ برد پر نظر ڈالیے تو ایک اچھا شعر ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جان بوسہ کی عوض مانگے گا مگر جب مین نیمجان ہوجاؤنگا تو مجھے

اس لذت کا کوئی لطف و احساس باقی نہ رہے گا۔

مولانا نظم نے نیمجان کے معنی مردہ کے لئے ہین اور یہ شرح لکھتے ہین کہ ابھی وہ کیون کہنے لگا کہ جان دیکر بوسہ لیلو۔ ابھی تو مجھ مین جان باقی ہے جب مجھ مین جان نہ رہے گی اُس وقت کہیگا کہ جان دو تو بوسہ لو۔ مگر طبیعت کچھ قبول نہین کرتی کہ نیمجان کو بیجان کے معنی مین استعمال کیا جاے۔

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہین ‎ ‎ ایک چکر ہے مرے پاؤن مین زنجیر نہین

یعنی زنجیر ڈالنے سے بھی جوش جنون کم نہین ہوا اور صحرا نوردی نہ گئی بلکہ وہ بھی آگ پر تیل کا کام دیگئی۔ وہ اور بھی میرے پاؤن کا چکر ثابت ہوئی ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھ چکے ہین جسے دوسرے الفاظ مین ادا کیا ہے۔

احباب چارہ سازی وحشت نکر سکے ‎ ‎ زندان مین بھی خیال بیابان نورد تھا

شوق اُس دشت مین دوڑاے ہے مجکو کہ جہان ‎ ‎ جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہین

مجھے میرا شوق جنون اُس جنگل مین دشت نوردی کے لئے لئے جاتا ہے جہان جادہ دیدۂ تصویر کی نگاہ ہے یعنی معدوم ہے۔

یا جیسے کہ دیدۂ تصویر حیرت مین ہے اُسیطرح وہان اگر کوئی جادہ ہے تو جادۂ حیرت ہے اور کچھ نہین۔

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو ‎ ‎ خوش ہون گر نالہ زبونی کش تاثیر نہین

رہیو دعائیہ ہے یعنی خدا کرے یہ یاس و ناامیدی مجھے ہمیشہ گوارا رہے مین اس سے بہت خوش ہون میرے نالے پر تاثیر کا تو احسان نہین ہوتا اور اس سے اس کو ندامت تو نہین ہے ایسے مضامین جس مین احسان کی مختلف صورتون مین بُرائی کی گئی ہے مصنف کے بیان مین دو شعر ہم پہلے لکھ چکے ہین۔ ایک میر کا شعر ہے

بلائے جان ہے سایل گذشتہ تاثیر ‎ ‎ جسے کوئی نہ سنے اُس صدا کا کیا کہنا

غالب کے شعر مین یہ (رہیو) بالکل ویسا ہی ہے جیسے۔

مجکو ارزانی رہی تجکو مبارک ہو جیو
مین ہو جیو جس کی مولانا نظم نے مذمت فرمائی ہے اور کریہ بتایا ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے — جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہین

راہ وفا مین جادۂ دم شمشیر پر چلنا پڑتا ہے اور وہ بہت جلد فیصلہ کر دیتی ہے کاش کوئی رستہ ہوتا کہ حسرت آزار دل مین نہ رہ جاتی یا یہ کہ جادۂ دم شمشیر کے سوا اور کسی جادہ کو طے کرنا نہین پڑتا۔ کاش کوئی اور بھی جادہ ہوتا جسے طے کرے۔

سر کھجاتا ہے جہان زخم سر اچھا ہو جائے — لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہین

جب میرا زخم سر اچھا ہو جاتا ہے تو سر کھجاتا ہے (سر کھجانا محاورہ ہے بیٹھے بٹھائے کسی آفت مین مبتلا ہونے کی خواہش پیدا ہونا) اور ایک عام معنی یہان دونون معنی مراد لیے جا سکتے ہین یعنی خواہش زخم یا سنگ طفلان پیدا ہوتی ہے۔ کیا کہا جائے زخم کی لذت بیان نہین ہو سکتی جس کے سامنے خیریت سے بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے — کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہین

جب کرم کریم گناہ کرنے پر بیباک اور گستاخ کرے تو سوائے گناہ سے شرمندہ ہونے کے کوئی دوسرا گناہ گناہ نہین۔ کیونکہ کرم خود ہی گناہون پر گستاخ و بیباک کرتا ہے میرا شعر ہے ؎

خدا غفور ہے فکر جزا سزا نہ کرے — خطا کرے مگر ایسی کبھی خطا نہ کرے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

غالب بقول ناسخ ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ جو میر کو استاد نہین مانتا وہ خود کم نصیب ہے اس کو کچھ نہین آتا میر کے ماننے مین اکثر مشہور اردو کے اساتذۂ فن متحد ہین۔ آتش ناسخ سودا سبھی نے میر کی استادی کو مانا ہے۔ ذوق مرحوم نے بھی انکو مانا ہے جیسے ایک جگہ کہتے ہین ؎

نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یارون نے بہت زور غزل مین مارا

یون تو خوش عقیدتی کے جوش مین جس کے جو جی مین آیا ہے وہ میر صاحب کی شان مین کر گیا ہے مگر ذوق مرحوم نے اس شعر مین نہایت محققانہ رائے قائم کی ہے۔ میر مرحوم صرف غزل کہنے کے استاد تھے۔ قصیدہ ان کو کہنا نہین آتا تھا۔ اس مین سودا اور ذوق استاد تھے۔ نظم صاحب نے میر و سودا کے کچھ اغلاط جمع کرکے اپنی شرح مین لکھے ہین اور جہان تک قیاس کیا جا سکتا ہے وہ غلط بھی نہین ہین سب اعتراض صحیح اور صحیح ہین مگر میر کی شاعری اور ان کی غزلون کا پایہ اعلیٰ ہونے کا یہ سبب نہین ہے بلکہ انکے یہان اغلاط بھی ہین بندش بھی سست ہے محاورون مین تصرفات نامقبول بھی ہین یہ سب کچھ ہے مگر درد کا پہلو ان کے اشعار کا عنصر غالب ہے اس کو وہ کہین ہاتھ سے نہین جانے دیتے اور جو کچھ کہتے ہین دل سے کہتے ہین جس کا دل پر اثر پڑنا ضروری ہے جن لوگون کے یہان صرف قال ہے حال سے کچھ غرض نہین رکھی گئی ہے اور جذبات کی کچھ زیادہ پرواہ نہین کی جاتی۔ وہ لوگ تشبیہات و استعارات بدیع مضامین جدید صنائع و بدائع شعری۔ زبان وغیرہ کی طرف جھک جاتے ہین۔ مگر بغیر دلی جذبات کے اگر آپ عرش سے تارے بھی توڑ کر لائین گے تو ان کو کچھ مقبولیت نہین ہو سکتی ہے اور اس سے کوئی متاثر نہین ہو سکتا۔

یہان یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ لوگون نے درد کے کچھ مضامین مقرر کر لئے ہین موت۔ نزع کا عالم۔ گور غریبان کا منظر۔ اندھیری رات۔ ہو کا سناٹا۔ زندان۔ زندان مین مر جانا۔ زندان سے ہڈیان نکلنا۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ زیادہ تر لکھنؤ مین ہین۔ ان مضامین مین اثر ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کثرت سے نظم ہونے لگے ہین کہ موت ایک کھیل اور نزع کا عالم ایک تماشہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

ہم کہتے ہین کہ درد کسی خاص واقعہ مین نہین ہوتا۔ بلکہ جو بات دکھے ہوئے دل سے نکلے گی اس کا دردآگین اور موثر ہونا امر لابدی ہے۔ انھین میر صاحب نے بعض ہزل کے مضامین اس درد سے کہے ہین جن کا جواب غیر ممکن ہے۔ مثلاً

یون پکارین ہین مجھے کوچۂ جانان والے — ادھر آبے ابے او چاک گریبان والے
پھرتے ہین میر خوار کوئی پوچھتا نہین — اس عاشقی مین عزت سادات بھی گئی

چلا نہ اُٹھ کے وہین پھر تو چپکے چپکے میر — ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا تھا
تجھی سے ہین اے میر یہ خواریان — نہ بہائی ہماری تو طاقت نہین ہے

موت تو کیا ان مین کہین رونے کا بھی ذکر نہین ہے مگر درد جیسا ہے شعرون سے ظاہر ہے درد کا کوئی مضمون مقرر کرنا فضول ہے بلکہ جو کچھ کہئے وہ درد سے کہئے۔

غرض میر کو سب نے درد کی بنا پر تغزل وغیرہ کا استاد مان لیا ہے۔ اور تغزل کا یہ رنگ اُن کے معاصرین مین کسی دوسرے کو نصیب نہین ہوا۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے یہان بھی حال ہے قال نہین مگر فرق صرف یہی ہے کہ میر نے ہر مضمون کو درد کے لہجہ مین ادا کیا ہے اور میر درد کے یہان یہ بات کوسون نہین ہے۔ اسیر بھی میر تقی میر کا کلیات ایک طومار ہے اور خواجہ صاحب کے یہان چند غزلین۔

مت مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین — ہین جمع سویداے دل چشم مین آہین

میری آنکھ کی پتلی مین نگاہین نہین ہین بلکہ آنکھ کے دل مین جو پتلی ہے آہین جمع ہو گئی ہین۔ سویدا اُس نقطہ سیاہ کو کہتے ہین جو دل مین پڑ جاتا ہے۔

برشگال دیدۂ عاشق ہے دیکھا چاہئے — کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن

یہ گریہ عاشق کی برسات ہے دیکھا چاہئے دیوار چمن اب قائم رہتی ہے یا نہین سو جگہ سے گل صد برگ کی طرح شق ہو گئی ہے۔

اُلفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی — سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

اُلفت گل سے کوئی وارستہ نہین ہے یہ دعوی وارستگی بالکل غلط ہے سرو کو دیکھو کہ آزاد ہے لیکن یہ بھی محبت چمن مین گرفتار ہے۔ سرو کو چمن مین رہنے کی وجہ سے گرفتار چمن کہا ہے۔ آزاد اس لئے کہتے ہین کہ وہ موسم خزان و بہار مین یکسان رہتا ہے اور دونون سے آزاد ہے یہ مضمون بالکل عام ہے اور متقدمین کے یہان بہت پائے جاتے ہین۔

عشق تاثیر سے نومید نہین — جان سپاری شجر بید نہین

عشق مین جذب اور کشش ضرور ہے اور وہ تاثیر سے نا امید نہین ہے جان دینا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور رکھتا ہے یہ بید کا درخت نہین ہے جسمین کوئی پہل نہین آتا۔

سلطنت دست بدست آئی ہے — جام مے خاتم جمشید نہین

جام مے گویا ایک سلطنت ہے جو جمشید کے وقت سے اب تک منتقل ہوتی رہی ہے یعنی اُس سے منتقل ہو کر دست بدست ہمارے پاس آئی۔ نہ کیون آتی یہ جام مے تھا کچھ نگین جمشید نہ تھا جس پر اُسی کا نام کھدا ہوتا اور اُسی کے لئے مخصوص تھا۔

دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ایک رند قدح کش حلقہ زندان مین بیٹھ کر اپنے حریف سے کہتا ہے کہ ہان ذرا جلد جام مجھے بھی عنایت فرمائیے۔ جمشید کے وقت سے کوئی یہ سلطنت دست بدست چلی آئی ہے کچھ کسی کی میراث اور ملکیت نہین ہے بقول شخصیکہ

حقہ یکدم دو دم سہ دم باشد — نہ کہ میراث جد و عم باشد

ہے تجلی تری سامان وجود — ذرہ بے پرتو خورشید نہین

تیری تجلی سامان وجود ہے یعنی تو جوہر ہے اور ہستی عرض ہے بغیر خالق کے مخلوق کا ظہور مین آنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے ذرہ کی جلوہ گری بغیر خورشید کے۔

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے — ورنہ مر جانے مین کچھ بھید نہین

لوگ سمجھتے ہون گے کہ مر جانا دشوار ہے اور اس مین کچھ بھید ہے مگر نہ کچھ مشکل ہے نہ کوئی بھید ہے ہے تو صرف اتنا بھید ہے کہ معشوق بدنام ہو جائیگا اور راز عشق افشا ہو جائے گا۔

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے — غم محرومی جاوید نہین

مجھے محرومی جاوید کا غم نہین ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ زمانہ طرب کو زوال ہونا سخت جانکاہ ہے اتنا محرومی جاوید کا اندیشہ نہین ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی غم تو نہ رہے گا۔

یا یہ کہ اے وہ شخص کہ تجکو زوال زمانہ عیش کا ڈر لگا ہوا ہے اور یہ کھٹکا تجھے کھائے جاتا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا اور اُن لوگوں کا تجھے خیال نہیں آتا جو محروم جاوید ہیں جنھیں کبھی خوشی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ یا یہ غم نہیں کہ ایک وہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب تو ہمیشہ کے لئے عیش و عشرت سے محروم کر دیا جائے گا اور اس خیال زوال عیش تک سے بھی محروم ہو جائے گا۔ مراد ہے زمانۂ اجل سے۔

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ　　　ہمکو جینے کی بھی امید نہیں

مثل مشہور ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے اور آدمی اسی پر جیتا ہے مگر ہم اس سے مستثنیٰ ہیں ہم کو جینے کی بھی امید نہیں ہے یا یہ کہ ہماری امید ایسی ہے کہ وہ ہم کو مار ڈالے گی۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں　　　خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

تیرے نقش قدم میں وہ بہار ہے کہ ہم جہاں اسے دیکھتے ہیں تو گویا باغ ارم کی کیاریاں نظر پڑتی ہیں۔

دل آشفتگاں خال کنج دہن کے　　　سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں

جو تیرے دہن بے نشان کے خال پر مرتے ہیں تو گویا اُن کو سویدائے دل میں سیر عدم کا لطف آتا ہے۔ خال کو سویدائے دل بتایا ہے اور دہن کو عدم فرض کیا ہے۔ شعر مرقومۂ بالا انتہائی تصنع کا نمونہ ہے اور یقیناً ایسی شاعری نہ دل پر کوئی اثر ڈال سکتی ہے نہ اس کا کوئی نتیجہ ہے۔ سیر لفظ فارسی ہے اسی لئے اس کی اضافت صحیح ہے۔

ترے سرو قامت سے اک قد آدم　　　قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

تیرے سرو قامت سے فتنہ قیامت کم ہے۔ یوں تو قیامت سے قامت کو شعرائے ہزاروں جگہ تشبیہ دی ہے مگر مصنف نے کمی کی مقدار قد آدم کے لفظ سے شعر میں جو لطف اور وزن پیدا کر دیا ہے وہ محتاج بیان و تشریح نہیں ہے۔

میر ممنون ؎

تفاوت قامت یار اور قیامت میں ہے کیا ممنون　　　وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

تماشا کر اے محو آئینہ داری　　　تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

اے محو آئینہ داری دیکھ کہ تجکو ہم کس تمنا سے دیکھ رہے ہیں۔ اس شعر کے صاف معنی تو یہی ہیں جو لکھے گئے مگر ایک نہایت لطیف پہلو بھی اس سے نکلتا ہے جو یہ ہے کہ اے محو آئینہ داری آئینہ کو چھوڑ ہم کو دیکھ کہ تیری اس حالت آئینہ داری کے دیکھنے سے ہم آئینہ سے بھی کچھ زیادہ بن گئے ہیں چونکہ تجکو آئینہ داری کا شوق ہے لہٰذا تو ہم کو دیکھ نیز یہ کہ تو ہم کو محض حیران پاکر آئینہ سمجھ کر دیکھ رہا ہے مگر اس حیرانی کے دیکھنے اور آئینہ داری کے بعد ذرا یہ بھی خیال کر کہ ہم تجکو کس حسرت اور تمنا کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ کیفیت ہو گئی ہے۔

سراغ تف نالہ لے داغ دل سے　　　کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

اگر تجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے نالے کس قدر گرم ہیں تو میرے داغ کو دیکھ اور اس کی تپش اور حرارت سے نالہ ہائے گرم کا اندازہ معلوم کر کیونکہ چور کا نقش قدم اس کا پتہ دیتا ہے چونکہ میرا نالہ بھی شبگیر ہے اس واسطے اس کے نقش قدم یعنی داغ دل سے اسکا سراغ لگا۔ نالہ شبگیر کی شب رو سے ایک بدیع تشبیہ ہے جس میں لفظی اور معنوی دونوں خوبیاں موجود ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب　　　تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ہم فقیروں کا بھیس بھر کر اہل کرم کے اندر کرم کا تماشہ دیکھتے پھرتے ہیں اسی شعر سے ملتا جلتا یہ مضمون بھی ہے جسے کچھ الفاظ گھٹا بڑھا کر نیا کر دیا ہے ؎

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی　　　سائل بنے تو طالب اہل کرم ہوئے

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں　　　کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

چونکہ میرے معشوق کی عادت بھی بھڑک جانے اور برافروختہ ہونے کی ہے اور آگ میں بھی یہی صفات ہیں اس واسطے آگ کے عذاب میں مجھے راحت ملتی ہے آتش

آسمان شوق سے تلوار کا مینہ برسا کے ۔۔۔ ماہ نو نے کیا ابرو کا ترے خم پیدا

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں ۔۔۔ شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

اگر میں اپنی زندگی کا حساب کروں اور عمر کو دیکھوں اور ساتھ ہی جدائی کی راتوں کو بھی جوڑتا جاؤں تو میں اپنی عمر کا حساب نہیں کر سکتا کیونکہ جدائی کی ایک ایک رات ہزار ہزار برس کے برابر گذری خسرو علیہ رحمۃ اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں ؎

زہے عمر دراز عاشقان گر ۔۔۔ شب ہجران حساب عمر گیرند

ایک شاعر اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے ؎

کیا کیا درازئ شب غم جان تو از ہے ۔۔۔ عاشق کی عمر خضر سے بھی کچھ دراز ہے

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۔۔۔ آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں

تاکہ پھر انتظار میں مجھے عمر بھر نیند ہی نہ آئے اور خواب میں بھی دیدار سے سیراب ہونے کا موقع نہ حاصل ہو۔ انھوں نے یہ شوخی کی ہے کہ خواب میں مجھ سے تشریف آوری کا وعدہ کر گئے ہیں۔ خوب شعر کہا ہے۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں ۔۔۔ میں جانتا ہوں جو وہ لکھینگے جواب میں

جب تک کہ قاصد واپس آئے اس وقت تک میں ایک خط اور لکھ رکھوں کیونکہ وہ جو کچھ لکھینگے وہ مجھے معلوم ہے۔ دوسرا مصرع نہایت بلیغ واقع ہوا ہے۔ اور محض (جو وہ لکھیں گے جواب میں) نے بہت سے معانی بھر دیئے ہیں جس سے اتنے پہلو نکلتے ہیں کہ وہی انکار وصل جو اُن کی عادت ہے اس مرتبہ بھی لکھیں گے یا وہ مجھے صاف جواب دینگے کہ آئندہ سے ہمکو خط نہ لکھنا یا وہ مجھے سرے سے جواب ہی نہ لکھیں گے پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو بہت ربط ہے۔

اسی مضمون کو میر حسن فرماتے ہیں مگر انھوں نے ایسے الفاظ رکھے ہیں جنسے

معانی محدود ہو گئے ہیں ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہیں لکھنے کے وہ ۔۔۔ پر تقاضہ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

مرزا بیدل عظیم آبادی ؎

آنجا جواب نامۂ عاشق تغافل است ۔۔۔ بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما

شعر میں ایسے الفاظ لانا جنسے بہت سے معانی نکلیں کچھ آسان کام نہیں ہے ہمارے نزدیک سب سے زیادہ دشوار یہی کام ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اگر غیر مانوس الفاظ کہے جائیں گے تو وہ بجائے اس کے کہ شعر کو بلند کریں اور بھی پست کر دیں گے اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہئے۔ جہان تک الفاظ عام فہم ملجائیں وہ صرف کرے ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ دیکھئے خاقانی ایک جگہ کہتا ہے ؎

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت ۔۔۔ خاقانی را دگر شب آمد

اس میں اتنے پہلو نکلتے ہیں کہ جب میرے ہمسایہ نے آہ و نالہ سنا تو کہا کہ خاقانی کو پھر رات آگئی اب پھر رات بھر شور کرے گا اور ہماری نیند اڑائے گا یا تعجب سے کہتا ہے کہ اُس کل اس کی ایسی بری حالت ہوئی تھی کیا یہ بچ گیا کہ آج اس کی آواز پھر سُنی گئی یا کہتا ہے کہ شکر ہے غریب نے دوسری رات پکڑی ممکن ہے کہ اچھا ہو جائے یا یہ کہ آج رات کو دیکھئے اس کی کیا حالت ہوگی یا یہ کہ کل ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ مر نہیں سکتا جیسا آج روتا ہے کل بھی روئے گا چنانچہ دیکھو پھر رات آگئی یا ازراہ افسوس کہتا ہے کہ اسے تڑپتے ہوئے دوسری رات ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اسی کا میر حسن دہلوی نے ترجمہ کیا ہے مگر ان کو وہ الفاظ نہیں مل سکے ہیں جنسے خاقانی کا ایک شعر ایک دیوان سے بھی کچھ زیادہ ہے اور یہ کچھ نہیں ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ ۔۔۔ بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

اس میں صرف دو پہلو ہیں کہ اس کا افسانہ ہم کو سونے نہ دیگا یا یہ کہ اپنی داستان کہتے کہتے مر جائے گا تو ہمارے راحت و آرام پر پانی پھر جائے گا۔

میں نے بھی خاقانی کے شعر کا ترجمہ کیا تھا جس میں میری یہ کوشش ضرور تھی کہ خاقانی ہی کی طرح الفاظ ہوں کامیابی ناکامیابی کی تو خبر نہیں شعر یہ ہے ؎

نالۂ غم پہ دل زار کی بات آئی ۔۔۔ لوگ چلائے کہ اسی شخص کی پھر رات آئی

95

...تک کب اُنکی بزم مین آتا تھا دورِ جام ‫ ‫ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب مین

آج یہ خلافِ معمول ساقی نے مجھے شراب کیون دیتا ہے۔ چونکہ یہ بھی انکی بزم مین ...نے کی وجہ سے میرا رقیب ہے تو بہت ممکن ہے کہ اسنے شراب مین کچھ زہر وغیرہ ملا ...یا ہو۔ مرزا داغ مرحوم فرماتے ہین سے

غیر دیتا ہے کیون مجھے ساغر ‫ ‫ سانپ ہو زیرِ آستین نہ کہین

...منکرِ وفا ہو فریب اُسپہ کیا چلے ‫ ‫ کیون بدگمان ہون دوست سے دشمن کے باب مین

میرا معشوق منکرِ وفا ہے اسپر غیر کا یا کسی کا فریب کیا چلے گا۔ دوست سے میری ...بدگمانی کہ وہ دشمن کا دوست ہے بالکل فضول ہے کیونکہ وہ جانتا ہی نہین کہ وفا ...کیسے کہتے ہین۔

رشک کہتا ہو کہ اُسکا غیر سے اخلاص حیف ‫ ‫ عقل کہتی ہو کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

...ن مضطرب ملے ہو وصل مین خوفِ رقیب سے ‫ ‫ ڈالا ہو تمکو وہم نے کس پیچ و تاب مین

مین تو شبِ وصل مین اس سے گھبرا رہا ہون کہ کہین کمبخت رقیب نہ آجائے ...اس کو میری شبِ وصل کی خبر نہو جائے تمکو وہم نے کس پیچ و تاب مین ڈال رکھا ہے ...مجھ سے زیادہ مضطرب الحال ہو اس مین از راہِ شوخ طبعی معشوق سے یہ کہلانے کا ...رادہ کیا گیا ہے کہ تمھین بھی رقیب ہی کا خوف ہے یا یہ کہ میرا تو وہ رقیب ہے مجھے اُس کا ...وف ہے مجھے اس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے مگر تمکو اس کمبخت کی کیا فکر ہے۔ ...تم کیون وہم کر رہے ہو۔ اگر وہ آبھی جائے گا یا اُس کو خبر بھی ہو جائے گی تو تمھارا کیا بنا لیگا ...وگا۔ تمھارے نزدیک جیسا مین ویسا وہ۔ تم فضول نقصان پہونچنے کے وہم مین پڑے ...کھ رنگ لاے تو جواب دیدیجئے اور راستہ بتایئے۔

دوسری شرحون مین مصرعِ ثانی کے یہ معنی لیے گئے کہ شاید تمھارا وہم اسلئے ...ہو کہ مین اپنے کسی معشوق سے چھپ کر یہان آیا ہون اسوجہ سے پریشان ہون۔ یہ صرف ...وہم ہی وہم ہے باقی کچھ نہین۔

گر پہلے معانی اس سے اچھے ہین کہ اگر معشوق کہے کہ جیسے تجھے رقیب کا خوف ہے ویسے ہی مجھے بھی ہے تو اس سے کہا جائے کہ آپ تو کہتے تھے مجھے کسیکا خوف وخیال ہی نہین مین کسی سے ملتا ہی نہین۔ پھر کس بات کا وہم ہے معلوم ہوا کہ آپ کی وہ سب باتین غلط تھین۔

معانی نمبر ۲ مین خوف اور وہم کے لفظ پر خیال کیجئے جو خصوصیت سے قابلِ داد ہین کہ مصنف نے خوف کا لفظ اپنے لیے اس لیے رکھا کہ رقیب مجکو نقصان پہونچا سکتا ہے اور معشوق کے لئے وہم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اُسکا نقصان کا اندیشہ ایک وہم سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

مین اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے • جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین

مین اور مجھے حظِ وصل حاصل ہو یہ ایک خدا کی قدرت ہے چاہیے تھا کہ اسکے شکریہ مین مین اپنی جان دیدون مگر اضطراب مین جان دینی بھول گیا۔ دینی مصدر مونث ہے۔ واضح ہو کہ اہلِ لکھنؤ مصدر کیساتھ خواہ اسم مذکر ہو یا مونث مصدر کو مذکر ہی بولتے ہین اور دہلی مین اگر اسم مونث ہے تو مصدر کو بھی مونث لاتے ہین اور مذکر ہے تو مذکر اہلِ لکھنؤ مصدر کو قابلِ جمع بھی نہین خیال کرتے جیسے ہمکو کئی کام کرنے ہین مگر یہان کہینگے بہت کام کرنا ہین

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ‫ ‫ ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب مین

نقاب مین جو ایک شکن پڑی ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کے ماتھے پر شکن پڑی ہے اور وہ برہم ہے۔ دلی مین تیوری بروزن فعلن اور لکھنؤ مین بروزن فاعلن بولا جاتا ہے۔

لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا ‫ ‫ لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

تیرا ایک نگاہ کا چرانا لاکھون لگاوٹون کے مقابلہ پر ہے اور تیرا ایک غصہ مین بگڑ جانا لاکھون بناؤ کے برابر ہے جسقدر معنی لطیف ہین بندش اس سے کہین زیادہ چست ہے تقابل اور مماثلت ترکیب نے شعر مین بے انتہا لطف پیدا کر دیا ہے۔

وہ نالہ دل مین خس کی برابر جگہ نہ پائے — جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب مین

یہ شعر تعجب اور افسوس کے مقام پر کہا گیا ہے کہ میرا ایسا نالہ جس سے آفتاب مین شگاف پڑے وہ اس کے دل مین کچھ بھی جگہ نہ پائے۔ دوسرا شعر بھی ایسا ہی ہے۔

وہ سحر مدعا طلبی مین نہ کام آئے — جس سحر سے سفینہ روان ہو شراب مین

تعجب ہے کہ وہ سحر جس سے سفینہ شراب مین روان ہو۔ مدعا طلبی مین کوئی کام اس سے نہ نکلے سفینہ شراب مین روان ہونا وقوع امر خلاف عادت سے مراد ہے۔

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — پیتا ہون روز ابر و شب ماہتاب مین

غالب شراب مجھ سے چھٹی مگر اب بھی کبھی کبھی چاندنی رات یا برسات مین پی ہی لیتا ہون لفظ چھٹنی سے پتہ چلتا ہے کہ خود نہین چھوڑی مفلسی یا زمانے کی گردش یا بڑھاپے وغیرہ نے چھڑادی ہے۔

غالبًا یہ کوئی بڑا مشاعرہ ہوا تھا کہ جس مین غالب مرحوم کا دو غزلہ اور مومن خان نواب مصطفےٰ خان شیفتہ۔ مولینا آزردہ۔ شیخ ابراہیم ذوق۔ عارف وغیرہ سبھی کی غزلین ہین چنانچہ اس دوسری غزل کے مطلع کے ساتھ تفریح طبع ناظرین کے لئے دو تین صاحبون کے مطلع ہم لکھین گے۔ اور قافیون کے ساتھ بھی اچھے اچھے شعر دیے جائین گے تاکہ اندازہ ہو کہ یہ سب لوگ معانی آفرینی کو شاعری سمجھے ہوئے تھے نہ یہ کہ جو آجکل مشاعرون مین ہوتا ہے کہ مشاعرے بھر مین ہر قافیہ مین ادنی تغیر کے ساتھ سب کے یہان وہی مضمون ہوتا ہے چنانچہ ایک مشاعرہ ہوا تھا کہ جس مین پیمانہ ہمین ردیف و قافیہ تھا سب کے یہان پیمانہ کے ساتھ وہی آنکھون اور شراب کا مضمون تھا۔ بخلاف اس کے اہل فارس کو دیکھیے کہ ایک ہی مضمون کو ایسے مختلف طریقون سے لکھتے ہین کہ دیکھنے والے کو اندازہ مشکل ہے کہ یہ وہی مضمون ہے یا کوئی دوسرا۔ مثلاً چند اشعار ذیل مین درج ہین۔ صبر و رضا و قناعت و توکل کے مضامین ہین۔

صائب — شکوۂ رزق کجا و کہ چو تنگ حوصلگان — دیگر گوگریہ گرہ چون شود وقت دانہ شمر — قناعت

صائب — اگر وطن بہ مقام رضا توانی کرد — غبار خاطر را طوطیا توانی کرد — رضا
" — شکایت ستم چرخ نا جوانمردی است — کہ گوشمال پدر خیرخواہی پسر است — صبر
" — حکایتے کہ زگردون کنند بے ہنران — شکایتے است کہ تیر از کمان دارد — صبر
" — سرازدریچۂ گوہر برآوری فردا — اگر چو رشتہ بسازی بہ پیچ و تاب اینجا — قناعت و صبر
حافظ — بر آستانہ تسلیم سر بنہ حافظ — کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد — رضا
ملک قمی — چون تہیدستی ز حد بگذشت سامان میدہد — گوہر غلطان صدف را دست گردان میدہد — صبر و قناعت
ملا بیگ — در فطرت کامل نکند حادثہ نقصان — یاقوت چو سائیدہ شود قوت روح است — "
سلیم — صفائے دل طلبی چشم از جہان بربند — کہ رخنہ ایست کہ اینجا غبار مے آید — "
میر معصوم — باسفلگان طریقۂ تسلیم حکمت است — پیش آیدت اگر دو سہ خمیدہ رو — رضا و تسلیم
غنی — قند چون رخنہ در کار تو نگشاید در روزی — ز سنگ آسیا در گوشم این آواز می آید — قناعت
لا اسلم — ز چرخ شکوہ کند ہر کجا تنگ ظرفیست — حباب می شکند کاسہ بر سر دریا — صبر و تسلیم
صائب — شاخی کہ چار فصل پر از میوہ و گل است — دست زکار رفتۂ اہل توکل است — قناعت و توکل
کاشی — جز صبر نیست صیقل دلہائے بیقرار — چون ایستاد آب بآئینہ میرسد — صبر و قناعت
غنی — تا رزق خود رسد بد ہانت چو آسیا — دایم خموش دار زبان سوال را — قناعت
شوکت — فریب نعمت الوان مخور فراخت کن — چو ماہ نو بہ دو انگشت نان قناعت کن — "
سرخوش — چون لعل ہر کہ خون جگر خورد و صبر کرد — زیب کلاہ گوشۂ اقبال می شود — صبر
ناصر علی — نعمت خوان قناعت دیدہ الذت پرس — سیر چشمی نقل بادام است مہمان مرا — قناعت
ملا ذکری — چو بستہ شکر قناعت لب سوال مرا — زبان بود بہ دہن لقمۂ حلال مرا — "
علی رضا — از اضطراب کار مہیا نمی شود — سیل از دویدن است کہ دریا نمی شود — صبر و قناعت

غور کیجئے کہ ان سب مین صبر و قناعت و توکل کے نتائج کس خوبی کے ساتھ ادا کئے گئے ہین کہ اس سے بہتر سمجھ مین نہین آتے۔ اور یہی سب سامنے کی باتین ہین عزلت گزینی کے مضامین ملاحظہ کیجئے۔

صائب — عزلت گزین کہ آب باین سہل قیمتی — ور در این صدف چو گشید یا گہر شود
" — مردم گریزانہ ارباب بے مروت دہر — کہ گنج عافیتے در سرائے خویشتن است
" — کلید گلشن فردوس آن کسان دارند — کہ در بروے خود از کائنات می بندند

کلیم رخصت سیر جہان میخواستم از عقل گفت   اہل عزلت را سفر از یاد مردم رفتن است
؛ ور کیش ما تجرد عنقا تمام نیست   در قید نام ماند اگر از نشان گزشت
غنی عیش تنہائی ہمیشہ مرد دارد جوان   موئے چون از سر جدا گردد نمی باشد سفید

اسی صورت سے تجرد اور دوستون سے جدائی کی مذمت کے لئے دیکھئے۔

پریدہ دانہ زخرمن بہ آسیا افتاد   زہمرہان موافق جدا نباید شد
مقصود صحبت است زگل ورنہ بوئی گل   اتصال گر بود ز صبا مے توان شنید
متاب سر ز ہم صحبتان کہ تنہائی   لطیفہ ایست کہ از بہر خود گزید خدا
نیست اکسیری بہ از صحبت کامل عیار   گفتہ ام حرفے کہ می باید بآب زر نوشت

مین ابھی اور کچھ بھی لکھتا مگر چونکہ اپنے مقصد سے دور پہونچا جاتا ہون لہذا یہین اس کو ختم کرتا ہون۔ مگر ہان یہ لکھنا ضروری ہے کہ ہمارے اردو کے شعرا اکثر فارسی زبان کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہین عیوب وغیرہ کی امثال اُسی ذخیرہ سے دیجاتی ہین مگر بجدت مضامین مین اتباع کرنا ایسے معدوم و متروک ہوگیا ہے کہ جیسے یہ کوئی گناہ ہے حالانکہ مخرب اخلاق مضامین لکھنے کے گناہ متروک نہین ہین۔

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب مین   یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب مین

کل سے مراد روز قیامت ہے۔ کہتا ہے کہ روز قیامت کے خوف سے شراب دینے مین خست نہ کر کیونکہ اس سے ساقی کوثر کی شان مین سوء ظن پیدا ہوتا ہے کہ اگر شراب بری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیون سپرد ہوتا۔ ساقی کوثر سے مراد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور خلفائے اربعہ جو آپ کی طرف سے حوض کوثر سے لوگون کو سیراب کرین گے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ آج ہی پلا دے کل کے لیے کیون بچاتا ہے۔ کل ساقی کوثر پلائین گے گویا اس بچانے سے تو اُن کے حق مین بدگمانی کرتا ہے کہ وہ نہ پلا سکینگے۔ یہ معنی پہلے معانی سے زیادہ مناسب اور اچھے ہین اور لفظ خست اس مفہوم پر خصوصیت سے دال ہے۔ ذوق مرحوم فرماتے ہین۔

خط پڑھ کے اور بھی ہوا وہ پیچ و تاب مین   کیا جانے لکھدیا اُسے کیا اضطراب مین

مومن تاثیر صبر مین نہ اثر اضطراب مین   بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب مین
شیفتہ آرام سے ہے کون جہان خراب مین   گل سینہ چاک اور صبا اضطراب مین

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند   گستاخی فرشتہ ہماری جناب مین

آج ہم اس قدر ذلیل کیون ہین۔ کل جب فرشتون سے جناب باری نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم زمین مین ایک خلیفہ بنانے والے ہین اور فرشتون نے عرض کیا تھا کہ کیا تو کوئی ایسا خلیفہ بنانے والا ہے کہ جو زمین مین خون بہائے اور فساد کرے۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح وتہلیل کرتے ہین اور جناب الٰہی سے ازراہ عتاب حکم ہوا تھا کہ چپ رہو تم اُن اسرار کو نہین جانتے ہو جو مین جانتا ہون بالکل اسی مضمون کا شعر فارسی مین بھی کہا گیا ہے۔

اے آنکہ از غرور بچشم نمی خری   غالب زان شیوہ باز گوئے کہ پیش از ظہور بود

جان کیون نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع   گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب مین

اگر وہ صدائے جان بخش چنگ و رباب مین سمائی ہوئی ہے تو کیا سبب ہے کہ اُسکو سنکر جان نکلنے لگتی ہے حالانکہ اُسکا خواص جان بخشی ہے۔ اس صورت مین استفہام استخباری ہے اور مجکو یہی معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہین۔ مگر نظم صاحب یون فرماتے ہین کہ یہان استفہام فقط سامع کے متنبہ کرنے کے لئے ہے شاعر جواب نہین چاہتا ہے۔ مولانا نظم کا ایک شعر اسی مضمون سے ملتا جلتا مجھے یاد ہے بہت خوب فرمایا ہے۔

صدائے چنگ سے مجکو یہی آواز آتی ہے   کوئی کہتا ہے اب پردے سے ہم باہر نکلتے ہین

ظاہرا ماخذ اسکا یہی غالب کا شعر ہے۔

رو مین ہے رخش عمر کہان دیکھئے تھمے   نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

میرا توسن عمر بے محابا دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے مین سہم رہا ہون نہ اس خوف و اضطراب مین حلقہ رکاب مین میرے پاؤن جمتے ہین نہ باگ پر میرا ہاتھ ہے۔ غرضکہ مین بے اختیار ہون دیکھئے یہ کہان جاکر رکتا ہے اور کس وقت میرا خوف کم

ہوتا ہے یا کس جگہ مجکو اپنی پستی سے گراتا ہے یعنی دیکھئے کب موت آتی ہے اور مین مصائب زندگی سے فراغت پاتا ہون۔ مومن خان صاحب اس قافیہ کو یون کہتے ہین ؎

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم ۔۔۔ فتراک مین جو سر ہے تو پا ہے رکاب مین

اتنا ہی مجکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۔۔۔ جتنا کہ وہم غیر سے ہون پیچ و تاب مین

جس قدر کہ مجکو غیر کا وہم ہے اور غیر کو غیر سمجھتا ہون اُسی قدر اپنی حقیقت سے دور ہون اپنی ذات سے بھی دور ہون یعنی ماسوائے اللہ ہر ایک سے علیحدہ ہون وہ اپنی ذات ہو یا کوئی اور ہو اور اس کے دوسرے لطیف معنی یہ ہین کہ جو مولانا جامی نے لکھے ہین کہ جس قدر وہم غیر سے مجکو پیچ و تاب رہتا ہے اُسی قدر اپنی حقیقت سے مجکو بعد ہے یعنی جس مقام کی خواہش ہے یا جس جگہ مین ہون وہان کسی خیال کی بھی گنجایش نہین ہے نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے یہان بھی دو شعر تصوف سے لبریز موجود ہین ؎

وہ قطرہ ہون کہ موجۂ دریا مین گم ہوا ۔۔۔ وہ سایا ہون جو محو ہوا آفتاب مین

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی ۔۔۔ رہزن کی یہ مراد کہ رہرو ہو خواب مین

سب آئینہ مین محو اور وہ سب سے علیحدہ ۔۔۔ آئینہ مین ہو آبرو آئینہ آب مین

طوبیٰ ہم جو کشتۂ عشق عفیفت ہین ۔۔۔ کیا شبہ اُس گروہ کے حسن مآب مین

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۔۔۔ حیران ہون پھر مشاہدہ ہے کس حساب مین

شہود و شاہد مشہود ان سب کی اصل ایک ہے مجھے تعجب ہے کہ جب یہ سب ایک ہین تو شاہدہ جو مقتضائے مغایرت ہے کس حساب مین ہے مشاہدہ سے وہ مشاہدہ مراد ہے جو روز قیامت کو ہوگا یعنی تمام عالم بوجود واحد موجود ہے اور اس مین اسباب مقتضی مغایرت کی گنجایش نہین ہے ہے

ہے مشتمل نمود صُور پر وجود بحر ۔۔۔ یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین

مطلب یہ ہے کہ قطرہ اور موج اور حباب کی ہستی کچھ ہستی نہین ہے بلکہ یہ

سب صورتین دریا کی بدولت نظر آرہی ہین اور ان صورتون کے ظاہر ہونے سے بحر کا پتہ چلتا ہے یعنی ہستی موجودات وجود واجب کے ضمن مین ہے باقی کچھ نہین ہے

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی ۔۔۔ ہین کتنے بے حجاب کہ یون ہین حجاب مین

شرم ایک ادائے معشوقانہ ہے کوئی نہو تو خود ہی سے شرمانا چاہیئے وہ اگرچہ شرمائے ہوئے ہین اور حجاب مین ہین مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امر خلاف شرم و ادائے معشوقانہ ہے رسا مرحوم کا ایک مصرع مجھے یاد آیا

کتنا گستاخ ہے پردے مین حجاب آتا ہے

آرایش جمال سے فارغ نہین ہنوز ۔۔۔ پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

باوجودیکہ ایک جہان اُس کا عاشق ہو چکا ہے مگر اُس کو آرایش جمال سے فراغت حاصل نہین ہوئی اور اسی لیے ابتک بھی پردہ مین وہ اپنی آرایش جمال مین مصروف رہتا ہے مولانا نظم نے اس شعر کو تصوف کے مضامین سے لبریز بتایا ہے اور یہ مفہوم ظاہر کیا ہے کہ نقاب استعارہ ہے حجاب قدس سے اور آئینہ اُس مین علم مایکون و ماکان ہے اور آرایش جمال سے فارغ نہونا تفسیر کل یوم ہو فی شان ہے یہان ایک نکتہ یہ ہے کہ تاویل کو گنجایش ہے اس کو بھی رنگ تصوف مین لے جاسکتے ہین اور جو معانی بتائے گئے وہ غلط نہین ٹھہرائے جاسکتے مگر استعارات جو اس مین بیان کئے ہین وہ سب بعید الفہم ہین اور استعارہ کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ شبہ کی طرف جلد سے جلد ذہن منتقل ہو جائے اور یہان یہ بھی نہین واضح ہو کہ اگر استعارات غیر مانوس ہین اور مشبہ یا مستعار منہ کا ذکر نہین کیا گیا تو فصاحت و بلاغت تو درکنار وہ شعر کو مہمل اور شاعر کو مہمل گو کا خطاب دلا دیتے ہین۔

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود ۔۔۔ ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین

جس کو ہم شہود یعنی ظاہر بایتن سمجھے ہین یہ سب غیب غیب ہین اور ہمین غیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حالت خواب مین سمجھے کہ ہم جاگتے ہین

مگر دراصل وہ بیداری نہیں ہے مولینا حالی نے یادگار غالب میں اس کی یون تشریح کی ہے کہ سالک کو تمام موجودات عالم مین حق ہی حق نظر آئے وہ شہود ہے اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصر و بصیرت سے ورا الورا ہے کہتا ہے کہ جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہین وہ دراصل غیب الغیب ہے اور اس کو غلطی سے شہود سمجھنے مین ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب مین دیکھے کہ مین جاگتا ہون لیکن گو وہ اپنے تئین بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ خواب ہی مین ہے -

مولانا نظم لکھتے ہین یعنی خواب مین خواب دیکھ رہے ہین تو یہ غیب غیب ہے -

مولانا حالی مرحوم نے بہت خوب معانی بیان کئے ہین - مولانا نظم کی شرح خود تشریح طلب ہے -

عرفی مرحوم ایک جگہ کہتے ہین ؎

ہر کس نہ شناسندہ راز است وگرنہ — اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست — مشغول حق ہون بندگی بوتراب مین

دوست کے ہمنشین سے مجھے دوست کی خوشبو آتی ہے اس صورت سے گویا مین حضرت علی کی عبادت و مطاوعت کرنے مین خدا کی عبادت کرتا ہون - اس شعر مین دلیل کو دعوے پر مقدم کیا گیا ہے اور یہ اکثر ہوتا ہے گر مروج یون ہے کہ اول دعویٰ بعدہ دلیل دینی چاہئے -

تلمیح بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب — دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا

اس مین دعویٰ پہلے مصرع مین اور دلیل دوسرے مین ہے -

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو مین

تو زیادہ تر رقیب کے گھر رہتا ہے یہ مجھے معلوم تھا - اس واسطے تیری تلاش مین دشمن کے گھر جانے کی ذلت بھی اٹھانی پڑی کاش مجھے تیرا پتہ نہ معلوم ہوتا تو یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی -

مومن نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طریقہ سے ادا کیا ہے کہتا ہے ؎

اس نقش پا کے سجدے نے یانتک کیا ذلیل — مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

دوسرا پہلو اس مین یہ بھی موجود ہے کہ رقیب ہر وقت تیرے یہان رہتا ہے اور تیرا اور رقیب کا گھر ایک ہی ہے تو اس صورت مین تیرے گھر جانے سے گویا رقیب کے گھر جانا پڑا کاش تیرے گھر کا راستہ مجھے معلوم نہوتا اسی مضمون کو غالب نے دوسری جگہ ادا کیا ہے

رہ ہے یون گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب — اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے — کیا جانتا نہیں ہون تمہاری کمر کو مین

کمر کسنا اور کمر باندھنا کسی مہم کی انجام دہی کے لئے مستعد ہونے کو کہتے ہین اسی لئے مصنف کہتا ہے کہ آپ جو مجھ سے بار بار کہتے ہین کہ تیرے قتل کے لئے ہمنے کمر کس کر باندھی ہے تو یہ آپ مجھے ڈراتے ہین آپکی کمر کا وجود ہی کیا ہے جو آپ نے کس کر باندھی ہے کیا مین آپکی کمر کو جانتا نہیں ہون جو آپ مجھے دھمکیان دیتے ہین -

لو وہ بھی کہتے ہین کہ یہ بے ننگ و نام ہے — یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو مین

لو اور سنو جس کی وجہ سے ہم تباہ ہو گئے وہ ہم کو بے ننگ و نام کہتا ہے اگر ہم جانتے کہ وہ بھی ہم کو یہی کہے گا تو ہم کاہے کو اپنا گھر تباہ کرتے -

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہون ابھی راہبر کو مین

مین تلاش منزل مقصود مین سرگردان اور دیوانہ ہو رہا ہون انتہا دیوانگی کی یہ ہے کہ اپنے راہبر کو بھی نہین پہچانتا کہ کون مجھکو میری منزل پر پہونچا دے گا - اسی دیوانگی مین جس راہرو کو تیز جاتا ہوا دیکھتا ہون سمجھتا ہون کہ یہ بھی وہین جا رہا ہے اور اسے بھی میری طرح جلد پہونچنے کے لئے اضطراب ہے لیں اسی خیال کی بنا پر اس کے ساتھ ہو لیتا ہون جب دیکھتا ہون کہ وہ کسی دوسری جگہ جا رہا ہے اور یہ اس کی منزل اور ہے تو پلٹ آتا ہون کوئی اور تیز رو ملتا ہے پھر اس کے ساتھ ہو لیتا ہون یہ شعر گویا ایک تصویر دیوانگی ہے - اور محاکات شاعری اسی کا نام ہے -

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعری سے مصوری زیادہ ہے مگر دراصل یہ خیال غلط ہے بلکہ شاعری مصوری سے مشکل ہے اور اس میں اگر شاعر قادر الکلام ہے تو اُن باتوں کی تصویر کھینچ سکتا ہے جو مصور کو نصیب نہیں ہو سکتی ہیں مصور کا کمال تو یہ ہے کہ ہر چیز کی جو تصویر کھینچے اُس کے حالات عیاں ہوں مگر بعض کامل مصور ایسے بھی ہیں اور ہو گزرے ہیں کہ جذبات کی تصویر بھی کھینچ دیں مگر انکا یہ کمال مرئی اور مادی چیزوں تک منحصر اور محدود ہے۔ غیر مرئی چیزوں کی تصویر اگر مصور کھینچے گا تو بدقت کھینچے گا اور وہ بھی ایسی کہ جس کے دیکھنے سے اس کی حالت پر پورا پورا عبور غیر ممکن ہے اس سے میری مراد جذبات ہیں یعنی فرض کر لیجئے کہ غصہ تمکنت غرور سادگی متانت اجڑے کھنڈروں کے نقشے ہرے بھرے باغوں کی سرسبزی اور رونق بہتے ہوئے چشمے کی روانی وغیرہ کو ایک مصور چابکدست کھینچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ غصہ تمکنت غرور سادگی کے وجوہات بھیانک جگہ کے اسباب اور اُن کے اُجڑ جانے کے اوقات دریا کی روانی کے ساتھ اُس کے عمق وغیرہ کو وہ کیونکر دکھا سکتا ہے۔ بخلاف اس کے محاکات میں یہ سب باتیں ایک ہی ساتھ ادا ہو جاتی ہیں مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

زرنگ رنگ نسیم زبرگلان می خیزد — عنبعب این می چکد عارض آن می مزد
سنبل این می کشد گردن آن می گزد — گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می وزد
گاہ بہ شاخ درخت گہ بہ لب جوبیار

اس میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہلکی ہلکی اُس ہوا کی تصویر کھینچی گئی ہے جو صبح کے وقت باغوں میں پھولوں سے اٹھکھیلیاں کرتی پھرتی ہے مصنف نے پہلے ہوا کی نرمی اور آہستہ چلنے کی تعریف کی جس کے ساتھ ہی صبح کی نرم اور خوشگوار ہوا کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی (زبرگلان می خزد) کے ساتھ ہی لٹکتے ہوئے غنچہ دکھائی دینے لگے دوسرے مصرع سے ایک پنکھڑی کی ہوا سے حرکت سمجھ میں آئی اور دوسرے شعر کے پڑھتے ہی باغ کے پتے پتے پر نگاہ جا پڑی جو نسیم سحر کے چلنے سے ہلتے ہیں پانچویں مصرع میں میوہ دار شاخوں کا جھومنا پھولدار پودوں کے نازک نازک ٹہنیوں کا لچکنا سب سماں ایسے پیش نظر ہو گیا جیسے کہ باغ ہی میں موجود ہیں ہوا سے پانی کی روانی موجوں کا سر اٹھانا غرضکہ جملہ وہ لطافتیں جو صبح کو آبشار کے دیکھنے

سے میسر ہو سکتی ہیں پیش نظر ہو گئیں۔

بخلاف اس کے ایک مصور باغ کی ہر ایک چیز کو بہ خوش اسلوبی دکھائے لیکن یہ ہوا کی شوخیاں اور اس سے باغ کی لطافت وغیرہ وغیرہ غنچوں کے چٹکنے کی آوازیں وغیرہ وغیرہ کیونکر دکھائے گا۔

دوسرا جائے غالب کے اسی شعر کو سمجھئے یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مسافر گم گشتہ راہ کی تصویر کھینچ کر اُس کے جذبات حیرانی کو اُس کے چہرے سے ظاہر کرے مگر یہ حالت کہ آپ اس کے سنتے سے سمجھ رہے ہیں کہ دوڑنا اور کبھی راہرو کے ساتھ ہونا پھر پلٹ آنا پھر وہی حالت اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں کہ جو ایک مصوّر کی حد اختیار سے باہر ہیں۔

ہم محاکات اور تصویر کے موازنہ میں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کسی شے کا دیکھنا اور سننا کسی صورت سے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ مگر شاعر کے اندر یہ کمال موجود ہے کہ وہ اپنے حسن بیان سے ایک ایسی چیز کو بے قدر کر دیتا ہے جسے آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً ایک مصور تصویر کھینچ کر لایا اُس کو آپ نے دیکھا اس سے آپ پر اس قدر اثر نہ ہوگا جس قدر کہ ایک جادو بیان کے چند الفاظ کی تصویر آپ کو محو کر دے گی۔ یہ اعجاز سے کم نہیں ہے۔

اس کے سوائے یہ بھی خیال کیجئے کہ مصور کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچے اُس کے ایک ایک خط و خال پر گہری نظر ڈالے اور اُسے اسی طرح تصویر میں دکھائے ورنہ تصویر میں بجائے خوبی کے نقص پیدا ہو جائے گا مگر شاعر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جزئیات بیان کرے

فردوسی افراسیاب کے غصہ اور غیرت اس کے غرور تمکنت تکبر دلیری۔ اپنے مقابلہ پر دنیا کو ذلیل سمجھنے اور زمانہ کے حیرت انگیز انقلاب کی یوں تصویر کھینچتا ہے ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

یہ باتین تصویر مین دکھا دینا حد مصوری سے باہر ہی نہین ہین بلکہ غیر ممکن ہین۔

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہون اُس بُت بیداد گر کو مین

اس مین غالب ترین پہلو تشنیع کا ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ ابنائے دہر کیسے بیوقوف ہین کہ میری خواہش کو عبادت سمجھے ہین کہ مین اُس کو پوجتا ہون یعنی اہل دہر نے میری پرستش سے دھوکا کھایا ہے اور اس کو پرستش کا خطاب دیدیا ہے۔ حالانکہ جس حد تک میری پرستش ہے اُس کو پرستش کا خطاب نہین دیا جاسکتا ہے یہ حد طاعت مین نہین آسکتی صرف خواہش ہے اس مین ایک نازک نکتہ یہ نکلتا ہے کہ جب پرستش لیجائے گی وہ خواہش دل ہی سے ہوگی خواہ اُس مین کسیقدر استغراق کیون نہو اور جس امر مین خواہش دل شامل ہے وہ عبادت نہین ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ حق طاعت کوئی بجا نہین لاسکتا۔ صرف دنیا پابندان خواہش کو عابد کا خطاب دیدیتی ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ معنی باریک اس شعر مین یہ ہین کہ شاعر حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ کیا مین اُلٹے پوجتا ہون اُسے خبر نہین کہ معشوق کے سامنے جاکر اظہار نیاز پرستش کی حد تک پہونچ جاتا ہے یا خواہش کی حد تک رہتا ہے اور حیرت کے علاوہ دوسرا پہلو تشنیع کا بھی ہے۔

مگر اس سے پہلا مصرع قریب قریب بے معنی ہوا جاتا ہے کیونکہ مصنف خواہش کو پرستش سمجھنے کی بنا پر ہی دیکھنے والون کو احمق قرار دے رہا ہے۔ فافہم۔

ہمن بیخودی مین بھول گیا راہ کوئے یار — جاتا وگرنہ ایکدن اپنی خبر کو مین

مین اپنے دل اپنے ہوش وحواس کو اُس کی گلی مین چھوڑ آیا تھا اور جب سے وہان سے آیا ہون بیخود ہون لہذا اُس گلی کا راستہ بھی بھول گیا۔ اور اس لئے اب اپنے دل وجان ہوش وحواس کی خبر بھی نہین لاسکتا کہ اُنپر کیا گذری اور وہ اب کس حال مین ہین۔

اپنے پہ کر رہا ہون قیاس اہل دہر کا — سمجھا ہون دلپذیر متاع ہنر کو مین

مثال مشہور ہے کہ المرا یقیس علی نفسہ یعنی جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ اسی لیے مصنف کہتا ہے کہ جیسے مین متاع ہنر کا قدردان ہون اور اسکو اچھا سمجھتا ہون اسی طرح دنیا کو سمجھتا ہون کہ اُس کو سب اچھا سمجھتے ہین حالانکہ دراصل ایسا نہین ہے ایک مین ایسا ہون تو ہوا کرون دنیا ایسی بیوقوف نہین ہے کہ متاع ہنر کی دلدادہ ہو ہنر اس زمانہ مین ایسی شے نہین ہے جسے کوئی پسند کرے اپنے پہ قیاس لکھنو کی زبان نہین ہے لیکن دہلی مین یہ محاورہ روزمرہ مین داخل ہے۔ غالب نے ایک جگہ اور بھی لکھا ہے۔ ع

اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائین کیون

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز — دیکھون علی بہادر عالی گہر کو مین

سوار سمند ناز سے مراد ناز نین۔ علی بہادر یا تو کسی کا نام ہے جو مصنف کے دوستون مین ہین یا بہادر عالی گہر علی کی صفت ہے جس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہین۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہین — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہین

وہ میرا ذکر بدی اور بُرائی کے ساتھ بھی سننا نہین چاہتا کیونکہ مجھ سے اُسکو سخت نفرت اور عداوت ہے مگر میرا رقیب ہر وقت اُس سے میری بُرائی کرتا ہے تو عجب نہین کہ وہ اس کا بھی دشمن ہوجائے۔ بالکل اسی مضمون کو دوسری جگہ بھی کہا ہے ؎

دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

وعدۂ سیر گلستان ہے خوشا طالع شوق — مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

اُسنے میرے ساتھ سیر گلستان کا وعدہ کیا ہے اور اس مین جو خاص بات ہے اُس کا مجھ سے ذکر نہین کیا۔ یعنی درپردہ میرے قتل کا ارادہ ہے کاش اگر ایسا ہوجائے تو میرے شوق کا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ اسی مضمون کو ایک جگہ اور بھی

مصنف نے کہا ہے جس کے ساتھ ہم یہی شعر کو لکھ چکے ہیں مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم　　لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شعرا نے معشوق کی کمر کو اس قدر نازک قرار دیا ہے کہ اس کو بالکل معدوم
فرض کر لیا ہے کہ لوگ عالم یعنی دنیا کو معشوق ہستی مطلق کی کمر کہتے ہیں (یعنی اس صورت
سے اس کو معدوم قرار دیتے ہیں۔ مگر انکا یہ کہنا کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے۔ سراسر
طلاقت ہے لوگ عدم کے ساتھ ہے کا لفظ کیوں شامل کرتے ہیں یہ بالکل بے معنی یعنی
ستی ایک معدوم شے ہے جس کے ساتھ اثبات کا کوئی لفظ شامل کرنا منافی مقصود ہے
ظم صاحب لکھتے ہیں کہ منظور بمعنی مبصر و مرئی استعمال کیا ہے مگر یہ خلاف محاورہ ہے
خیال میرے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ غالب کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہے (یعنی
ل اس کے ساتھ ہے کا لفظ شامل کرتے ہیں مگر ہم اس (ہے) کو نہیں مانتے۔ ہے کی
معدوم شے میں گنجائش ہی نہیں ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن　　ہمکو تقلید تنک ظرفیٔ منصور نہیں

یعنی حقیقت میں میں بھی ایک ایسا قطرہ ہوں جو فنا فی البحر ہے اور اس
لحاظ سے میں بھی دریا ہوں مگر منصور کی طرح میرا ظرف چھوٹا نہیں ہے کہ لوگوں پر
اپنے دریا ہونے کا اظہار کردوں یعنی میں بھی مرتبۂ فنا فی الذات پر پہونچ گیا ہوں مگر
نہیں کہ منصور کی طرح کہہ دوں کہ میں خدا ہوں لفظ حقیقت اس شعر میں لطف سے
خالی نہیں ہے ؎

دل ہر ذرہ ہے ساز انا البحر　　ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی　　عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

اے ذوق خرابی افسوس ہے کہ اب مجھ میں وہ پہلی سی طاقت باقی نہ رہی
عشق جیسے پہلوان سے نبرد آزمائی کردوں (ذوق خرابی) سے یہ معنی پیدا ہوتے
کہ عشق نے مجکو خراب کیا اور اب بھی خرابی کے سوائے عشق سے کوئی نتیجہ پیدا

نہ ہوگا دگوں بمعنی ڈھب ہندی کا لفظ ہے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں　　کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

یعنی جب میں اس سے کہتا ہوں کہ ہم خدا سے تم کو قیامت میں لیں گے
وہ حاضر جوابی کی راہ سے کہتا ہے کہ کوئی ہم حور تھوڑی ہیں جو آپ کو قیامت میں
مل جاوینگے۔ دوسری جگہ یہی مضمون اس طرح کہا ہے ؎

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام　　قدرت حق سے اگر حوریں یہی واں ہو گئیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو　　تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

یعنی اگر لطف اور مہربانی کرنے میں تجھے کچھ تکلف ہے تو یہ نہ سہی مگر ظلم تو
کر کیونکہ حالت تغافل میں یہ دونوں باتیں تو کر سکتا ہے مگر محض تغافل میں تو معذور
اور معاف نہیں رکھا جا سکتا یعنی تیرا تغافل تجھے دونوں باتیں کرنے کی اجازت
دیتا ہے اور دونوں بہ آسانی سرانجام پا سکتی ہیں یعنی ہر کوئی تجھے مجھ سے غافل
سمجھ کر یہ بھی قیاس کر سکتا ہے کہ یہ عاشق پر جور و جفا کرتا ہے اور یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے
کہ اب یہ اپنے دلدادہ پر مہربان ہو گیا کہ اس نے ظلم کرنا چھوڑ دیا۔
دوسرے یہ معنی ہیں کہ عاشق و معشوق کہیں حسن اتفاق سے ملے ہیں اور
عاشق مصرع اولی کا مضمون اس کے سامنے ادا کرتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ
لوگ مجھے اس بات کے طعنے دینگے کہ یہ اس سے ملا تو عاشق اس کو اپنے اوپر مہربان
کرنے کا حیلہ بتاتا ہے کہ یہ تغافل جو تو نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ رو سے مجھ پر ظلم
کیا کر تو اس میں تیرا کام بھی ہو جائے گا کہ تو مجھ پر کم سے کم اس قدر تو مہربان ہوا کہ
ظلم کیا اور لوگ بھی نہیں سمجھیں گے کہ ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ تغافل اختیار کرکے تجھ کو معذور اور
مجبور تو ہو نہیں گیا ہے بہر صورت تجھے اب بھی ظلم و مہربانی کا اختیار ہے جب چاہے
اس کو چھوڑ کر یہ اختیار کرے۔ مولانا نظم اپنے یہاں اس کی شرح یہ تحریر کرتے ہیں۔

یعنی تغافل تو ناآشنائے محض ہے یہ مجھے کیونکر گوارا ہو حسرت صاحب کہتے ہین کہ اگر تو لطف نہین کرتا تو ظلم ہی کر بہرحال تغافل نہ کر یعنی تیرا شیوۂ ستم ہے تغافل بھی پسند نہین ہے۔

ساد‌ردی کش پیمانۂ جم ہین ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہین

ہم مے کشی مین جمشید کے مقلد ہین اور شراب انگوری اُسی کی ایجاد ہے لہذا وہ شراب کہ انگور کی نہو ہم نہین پیتے۔ دردی کش کی وجہ سے لفظ صاف لایا گیا ہے جسنے شعر کو بے اثر بنانے ہی پر بس نہین کی اس کی بندش کو بھی سست کر دیا کہ ایک جگہ کہتے ہین سہ

نادان حریف مستی غالب مشو کہ او
دردی کش پیالۂ جمشید بودہ است

ہون ظہوری کے مقابل مین خفائے غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہین

مین چونکہ مشہور نہین ہون لہذا اخفائی ہوا۔ اور خفا اور ظہور مین تقابل ہے لہذا مین بوجہ نہ مشہور ہونے کے ظہوری کا مدمقابل ہون یعنی جتنے کہ ظہوری مشہور تھے مین نامشہور ہون۔ مرزا غالب شاعری مین مرزا عبدالقادر بیدل۔ عرفی۔ نظیری۔ ظہوری کے رنگ کے متبع تھے اور اس تقلید و اتباع پر اکثر جگہ ناز کیا ہے۔ جیسا کہتے ہین۔

بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب
رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را

گشتہ ام غالب طرف با مشرب عرفی کہ گفت
روئے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است

ذوق فکر غالب را بردہ ز انجمن بیرون
با ظہوری و صائب محو ہمزبانی ہا است

ہلا تازہ گشت غالب روش نظیری از تو
سزد اینچنین غزل را بہ سفینہ ناز کردن

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

اے ستم ایجاد تو سمجھا ہے کہ مین جو تیرے ظلم و ستم پر روتا ہون اس سے ظلم و ستم کا شکوہ مقصود ہے یہ میرا مطلب نہین ہے بلکہ اس نالہ سے میرا مطلب ہے کہ تو مجھپر اور بھی زیادہ ظلم و ستم کرے یعنی مین جس قدر روؤن گا تو خفا ہوگا اور زیادہ

ظلم کرے گا۔

یا یہ کہ اے ستم ایجاد تونے میرے نالہ کو شکوۂ ستم سمجھ کر شیوۂ تغافل اختیار کیا ہے تو غلط سمجھا ہے مین اس گریہ سے شکوۂ بیداد نہین کرتا بلکہ تقاضائے جفا کرتا ہون۔

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہین

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ فرہاد خسرو کے حکم سے کوہ بیستون کو کاٹنے اور نہر نکالنے کے لئے گیا لوگ اس کو عشق صادق پر محمول کرتے ہین کہ اُس نے عشق پر دم بہ نہ آنے دیا اور یہ سخت کام انجام دینا منظور کیا۔ مگر ہم کو یہ تسلیم نہین ہے۔ فرہاد کو در اصل عشق کامل نہ تھا ورنہ رشک اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ رقیب کے حکم کو مانتا اور اُس کے عشرت گاہ کو زینت دیتا یہ نکونامی نہین ہے بلکہ فرہاد کے لیے باعث بدنامی ہے بالکل اسی مضمون کو غالب نے فارسی مین کہا ہے سہ

از جوئے شیر و عشرت خسرو نشان نماند
غیرت ہنوز طعنہ بہ فرہاد میزند

کم نہین وہ بھی خرابی مین پہ وسعت معلوم
دشت مین ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہین

یعنی میرا گھر بھی خرابی مین جنگل سے کم نہین ہے مگر جنگل کی طرح وسیع نہین ہے اس لئے جنگل مین وہ عیش مجکو نصیب ہے کہ گھر یاد نہین آتا۔ اس قسم کے اور شعر بھی گذر چکے ہین۔

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہین

عقلمند طوفان حوادث زمانہ سے افسردہ دل نہین ہوتے بلکہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے اور سبق لیتے ہین اور طپانچۂ موج حوادث کو استاد کا تھپڑ سمجھتے ہین ظہیر فاریابی کا ایک شعر ہے سہ

صدمہائے عشق را کے بوالہوس دارد قبول
کے شناسد طفل قدر سیلیٔ استاد را

واے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا — جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

ہم بر بنائے صبر و رضا و وفا اُس کی جفاؤں پر آہ و فریاد نہیں کرتے تو سمجھتا ہے کہ ہم فریاد کر ہی نہیں سکتے اور ہم میں فریاد کی طاقت باقی نہیں رہی ہے ہائے ہمارا شیوۂ تسلیم کس قدر اثر سے محروم ہے اور ہماری وفا کس قدر بُری ہے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا کے ظاہری معنی تو یہی ہیں جو ہم نے لکھے مگر دراصل جو انکا لطف ہے وہ ذوقِ وجدانی پر خوب ظاہر ہوتا ہے۔

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے — گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں

اگر گل و لالہ چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں ہیں تو آخر ان کا رنگ اس قدر پریشان کیوں ہے رنگ کی پریشانی رنگ اُڑنے کو کہا گیا ہے اور اسی سے چراغ گل و لالہ کو چراغِ رہگذرِ باد قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جیسے ہوا چراغ کو بجھا دیتی ہے اسی طرح چراغِ گل کی روشنی رنگ کو زائل کر کے اُس کو بے نور کر دیتی ہے پھولوں کو چراغِ رہ گذرِ باد کہنا لطافت سے خالی نہیں اور غالباً یہ نئی تشبیہ ہے جو اردو کے دواوین میں نہیں پائی جاتی۔ ایک جگہ کہا ہے ؎

ہیں فنا آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں — مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

اے مرغِ گرفتار شکر کا مقام ہے کہ تجھے کسی صیاد نے گرفتار نہیں کیا گلچیں نے سیر کر کے سبدِ گل کے نیچے بند کیا ہے۔ اگرچہ تو قید ہے مگر پھولوں کی صحبت تجھ کو حاصل ہے اور یہ بہت غنیمت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عاشق کیسی ہی تکلیف میں ہو مگر معشوق کی صحبت حاصل ہے تو قید خانہ بھی اُسے جنت ہے۔ مولانا نظم نے اس شعر کی شرح میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ شعرا کو عادت ہو گئی ہے کہ گل و بلبل و شمع و پروانہ کا ذکر بھی مضمونِ شعر سمجھتے ہیں اُنھیں کے تتبع میں مصنف نے یہ شعر کہا ہے ورنہ جہاں تک غور کیجیے کوئی حاصل اس کا نہیں معلوم ہوتا۔ فقط۔ جناب حسرت اس کی شرح یہ لکھتے ہیں۔

مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

جو مرغ کو قفس میں بند کر دے گا۔ فقط۔ یہ شعر مرغِ آزاد سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ تجھے مژدہ ہو اس وقت باغ میں صیاد نہیں ہے گلچیں ہے اگر تجھے گرفتار بھی کرے گا تو سبدِ گل کے نیچے بند کرے گا۔ جو تیرے لئے باعثِ راحت ہوگا نہ کہ قفس کی طرح جانگزا (کرے ہے) اب متروک ہے۔ اور کرتا ہے بجائے اُس کے فصیح ہے۔

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا — دی ہے جائے دہن اُس کو دمِ ایجاد نہیں

اس کو بجائے دہن کے (نہیں) ملی ہے یا اُس کو دہن تو ملا ہی نہیں نہیں ملی ہے کہ ہر بات پر وہ نہیں کہتا ہے اور اس نفی سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے یعنی کوئی چیز ضرور ہے جس سے وہ اس لفظ کو ادا کرتا ہے پہلی صورت میں دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ نہیں بجائے دہن اُس کو ملی ہے مگر ملی ضرور ہے۔ اس شعر میں مصنف نے یا غلطی سے اثبات کو مونث باندھا ہے یا وہ اپنے نزدیک اس کو تانیث بھی صحیح سمجھتے تھے دوسری جگہ مذکر بھی لکھا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت — یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

بہشت رونق کے حق میں تو ایسا ہی ہے جیسا تیرا کوچہ ہے مگر وہ اتنا آباد نہیں ہے یہاں عاشقوں کا مجمع وہاں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ ہم ایک جگہ ایسے ہی شعر کے ساتھ اس کو لکھ چکے ہیں۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ — تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

غالب تم غربت کی شکایت کس منہ سے کرتے ہو کیا یارانِ وطن کی بے وفائیاں اور دل آزاریاں یاد نہیں ہیں جو کہ اس سے بھی بہت زیادہ تھیں ؎

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

دونون جہان دیکے وہ سمجھا یہ خوش رہا　　یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

ہم نے دونون جہان کو اُس کے مقابلہ پر ہیچ سمجھا تو اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ خوش ہے حالانکہ دونون جہان کا چھوڑنا ہم کو بہت شاق گذرا تھا۔ مگر شرم یہ تھی کہ اُس کا یہ خیال ہے تو یہی سہی اب تکرار کیا کرین سمجھنے دو چپ ہو رہو۔ ع
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار مین آئے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین

یعنی تیری جلوہ گاہ تک کوئی نہ پہونچ سکا کوئی یہان تھک کر رہ گیا کوئی وہان رہ گیا غرضکہ اثنائے منزل ہی مین سب کا خاتمہ ہوا اور ایسا کیونکر نہوتا کیونکہ تجھ تک پہونچنا حد بشری سے باہر ہے یہ شعر تصوف کا ہے مقام سے مقامات سلوک مراد ہے جو سالک کو اس راہ کے طے کرنے مین پیش آتے ہین۔

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم　　ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

مطلب یہ ہے کہ بزم مین شمع کے خیر خواہ بھی موجود ہین مگر وہ مجبور ہین اس کا غم جانگزا اور رنج جانسوز ہے وہ اس کا کچھ مداوا نہین کر سکتے۔

ہو گئی غیر کی شیرین بیانی کارگر　　عشق کا اُس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین

دشمن نے چرب زبانی سے اُس کو رام کر لیا ہے اور اُسے یقین دلا دیا ہے کہ مین عاشق صادق ہون ہم بے زبان ہین رعب حسن ہم کو کچھ کہنے کی اجازت نہین دیتا اس لیے وہ ہم کو اپنا عاشق نہین سمجھتا۔

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس مین آنا　　تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانہ مین

وہ سنگدل جذب دل عاشق سے بے خبر ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ لیلیٰ کا ناقہ راستہ بھولکر اک شب تار مین اس کو اس جنگل مین لیگیا تھا جہان مجنون خاک چھانتا تھا

چنانچہ قیس کو جب یہ قصہ سنایا تو اُسنے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک معشوق عاشق کے پاس چلا جائے یعنی جذب عشق اتنا نہین ہو سکتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حجاب معشوقانہ معشوق کو عاشق کے پاس جانے کی اجازت دیدیتا ہے۔

دل نازک پہ اسکے رحم آتا ہی مجھے غالب　　نہ کر سرگرم اس کافر کو الفت آزمانے مین

اے غالب تو جو ارادہ کرتا ہے کہ مین جان دیکر اس کی الفت کو آزماؤن اور امتحان کرون کہ میرے مرنے کے بعد اس کو کچھ میرا رنج ہوتا ہے یا نہین ایسا نکر ممکن ہے کہ اس سے اس کے نازک دل کو کوئی صدمہ پہونچے جو مجھے منظور نہین۔

دل لگا کر لگ گیا انکو بھی تنہا بیٹھنا　　بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یان

یعنی وہ بھی کسی پر عاشق ہوے ہین اور اب رات دن تنہا بیٹھے رہتے ہین جیسے کہ عاشقون کا قاعدہ ہے خیر کچھ بھی ہو اس صورت مین ہمین اپنے کیے کی ملگئی جیسے ہم اکیلے منہ چھپائے پڑے رہتے تھے ویسے ہی انکو بھی دیکھ لیا ع
عاشق ہوے ہین آپ بھی اک اور شخص پر　　آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
جناب جاوید بالفاظ دیگر اسی مضمون کو یون ادا کرتے ہین ع
منت کا ذکر کیا یہ اسیرون کا صبر ہے　　اپنے گلے مین آپنے زنجیر دیکھ لی

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام　　مہر گردون ہے چراغ رہگذار باد یان

دنیا کا ذرہ ذرہ آمادۂ زوال ہے گویا سورج ایک ایسا چراغ ہے جو ہوا مین جل رہا ہے اور کوئی دم مین فنا ہوا چاہتا ہے۔

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین　　کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

ہمارا ہجر مین دیوار و در کو دیکھنا بے سبب نہین ہے بلکہ ہم اپنے قاصدون کا انتظار کر رہے ہین ایک قاصد ہوا ہے جس سے دیوار پر نظر پڑتی ہے کہ کب وہ دیوار پھاند کر ہم تک اس کی خبر لاتی ہے ادہر کو قاصد کی وجہ سے دیکھتے ہین کہ کب وہ یہان

پہونچتا ہے۔

صبا کو نامہ بر بنانے کی بہت سے وجوہ ہین ایک یہ کہ یہ ہر جگہ بغیر روک ٹوک جا سکتی ہے دوسرے یہ کہ صبا خوشبو وغیرہ منتشر کرتی ہے اور ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ پہونچاتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ مضمون اس قدر مبتذل ہو گیا ہے کہ اب واجب الترک ہے

وہ آئین گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے   کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

یعنی وہ اور ہمارے جھونپڑے مین آئین یہ قدرت الٰہی ہے اسیوجہ سے حالت حیرانی مین کبھی ہم انکو دیکھتے ہین اور کبھی ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہین کہ یہ منہ اور مسور کی دال چہ نسبت خاک را با عالم پاک مصرعہ ثانی اسقدر بے تکلف واقع ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سلیس کر کے لکھنا غیر ممکن ہے۔

لگے نظر نہ کہین اسکے دست و بازو کو   یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

لوگ ازراہ ہمدردی میرے دل کے کاری زخم کو دیکھ کر قاتل کی چابکدستی کا خیال کرتے ہین مگر مین ڈر رہا ہون کہ کہین اس کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جائے یہ شعر مقبول عام ہے اور تعریف سے مستغنی ہے۔

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین   ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہین

تیری کلاہ کے موتیون کی چمک دمک پر کیا نگاہ ڈالین ہم موتیون کے نصیبہ کا خیال کر رہے ہین کہ انکا بخت بلند کیسے اوج پر ہے جو تیرے گوشۂ کلاہ تک ان کی رسائی ہوئی۔ اسی زمین مین ذوق مرحوم کی غزل ہے جس کا مطلع بے مثل ہے۔

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہین   وہ آج بزم مین دیکھین کدھر کو دیکھتے ہین

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین   شب فراق سے روز جزا زیاد نہین

یہ بات نہین ہے کہ مین قیامت کا منکر ہون بلکہ اس کے آنے اور اس کی تکالیف اور شدائد کو بھی شب فراق کی سختیون سے زیادہ تکلیف دہ نہین سمجھتا ایک میرا شعر ہے

برا ہو شام غم کا اسنے کا ذکر دیا مجھکو   مین قایل ہی نہین اب روز محشر کی درازی کا

کوئی کہے کہ شب مہ مین کیا برائی ہے   بلا سے ڈنکو اگر آج ابر و باد نہین

ابر و باد مین شراب نوشی کا مزہ ہے مگر آج دن مین اگر کالی کالی گھٹا ئین آسمان پر چھائی ہوئی نہین ہین اور اس کے باعث سے شراب نوشی مین بے لطفی ہے تو کیا پروا ہے اس کا نعم البدل تو موجود ہے رات کو چاندنی ہوگی اس سے بھی وہی ابر و باد کا لطف حاصل ہوگا۔

جو آؤن سامنے انکے تو مرحبا نہ کہین   جو جاؤن ایسے کہین کو تو خیر باد نہین

وہ میرے ساتھ اس بے التفاتی سے کام لیتے ہین کہ اگر کبھی بزم مین جاتا ہون تو یہ نہین کہتے کہ آئیے تشریف لائیے جاتا ہون تو کبھی خدا حافظ ان کے منہ سے نہین نکلتا۔

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین   کہ آج بزم مین کچھ فتنہ و فساد نہین

اول تو وہ مجھے بزم مین یاد ہی کب کرتے ہین اور اگر کبھی اتفاقاً یاد آ جاتا ہون تو یہ فرماتے ہین کہ آج محفل مین کچھ فتنہ و فساد نہین ہو رہا ہے شاید وہ مفسدہ پرداز نہین آیا۔ گویا یاد بھی کرتے ہین تو اس طرح کہ جس سے نہ یاد کرنا اچھا۔

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب   گدائے کوچہ میخانہ نامراد نہین

یہی نہین ہے کہ شراب خانہ کے فقیر کو بس عید ہی کے دن شراب ملے عید کے دن کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عید کے دن عموماً صدقۂ فطر وغیرہ دیا جاتا ہے نہین وہان اور دنون مین بھی فقیر کو کچھ نہ کچھ مل ہی رہتا ہے اور وہان کا فقیر کبھی نامراد نہین رہتا۔ ایک اور شعر مین اسی مطلب کو ایک نئے پہلو سے ادا کیا ہے۔

غمگین کیے نیر دواز کوے میکدہ   تاہم پیالۂ مہ عید شش نمی کند

جہان مین ہون غم و شادی بہم ہمین کیا کام   دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

لوگ کہتے ہین کہ جہان مین غم وشادی توام ہین مگر ہوا کرین ہم تو وہ محروم ازل ہین کہ ہمارا دل کبھی شادہی نہین ہوا ہم ہمیشہ غم ہی مین گرفتار رہے یا یہ کہ ہم کو کبھی ایسی خوشی بھی نصیب نہین ہوئی جو غم سے ملی ہوئی ہو۔

تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُنسے کیون کرو غالب — یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

گویا کوئی دوسرا شخص ہے جو غالب کو سمجھا رہا ہے اور کہتا ہے کہ تم اُن کے وعدہ کا اُن سے کیون ذکر کرتے ہو کہ بار بار یہ سنکر کہ ہم کو یاد نہین ناحق کا صدمہ اٹھانا پڑتا ہے اس سے یہی اچھا ہے کہ انکا وعدہ اُنہین یاد نہ دلایا کرو۔

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین — ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

تیرے گھوڑے کو صبا سے تشبیہ دیتے ہین اس سے ہمارے مضمون کی ہوا بندھ جاتی ہے۔ صبا باندھنے سے ہوا باندھنا بہت خوب ہے۔

معشوق کو شہسوار اور ترک قدر انداز وغیرہ لکھنا شعرائے اردو کی عادت مین داخل ہوگیا ہے حالانکہ بہت سے لکھنے والے ایسے ہون گے جو اس سے بےخبر ہون گے کہ یہ تشابیہ معشوق کے لئے خاص کیون کی گئی ہین۔ کیونکہ اگر اتفاق سے اس پہلو کو نظرانداز کردیا جائے کہ ہند کی شاعری مین عورت عاشق اور مرد معشوق قرار دیا گیا ہے۔ اور اہل ایران کی طرح امرد پرستی ہی کو شاعری کی بنا اور مرد کو معشوق کہا جائے تو بھی جہان تک تواریخ یا ہندوستان کے چھوٹے بڑے قصون سے مدد ملتی ہے یہ کہین نہین دکھائی دیتا کہ کسی امرد معشوق نے نیزہ بازی سیکھی ہو یا قدر اندازی سے کسی عاشق کی جان لی ہو۔ یا تلوارین چلائی ہون۔ یہان کے عشاق کی موت محض تیل افیون اور زہر کھانے کنوین مین ڈوب جانے پر منحصر رہی ہے بڑی کسی نے ہمت کی تو خود کو کوٹھے وغیرہ پر سے گرا دیا اپنے گولی ماری۔ چاقو مار لیا۔ یہان کی معشوق اگرچہ ہندی شاعری مین مرد اور عورت عاشق قرار دی گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی برعکس معاملہ تھا۔ بہت کم ایسی بے حیا عورتین ہندوستان مین پیدا ہوئی ہین جنھون نے غیر مردون کے عشق کو نصب العین قرار دیا۔ یہان تک کہ عفیفہ بھی تعداد مین کالمعدوم ہین جنھون نے شوہر پرستی کے جوش مین اپنے اصلی اور سچے جذبات کو شاعری کے ذریعہ سے مشتہر کرکے عوام کو

اُس سے آگاہ کیا ہو۔ انکا عشق اُنکی محبت کیسی ہی برانگیختہ ہوئی ہو مگر زیادہ تر سینہ کی چہار دیواری مین محدود رہی ہے اُنہون نے دنیا کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنا کبھی اپنا فخر نہین سمجھا مگر بہاشہ اور ہندی شاعری کے مٹ جانے کے بعد بھی اگر خیال فرمایئے تو اُردو شاعری جو فارسی کے قدم بقدم چلی ہے اُسکے شروع ہونے کے وقت سے اس وقت تک کوئی دور ایسا نہین آیا کہ کوئی جنگجو قوم معشوق بنکر یہان رہی ہو۔ اور جنھون نے تیر تلوارون نیزون وغیرہ سے عاشقون کا خون بہایا ہو۔ عربی ترکی گھوڑون پر چڑھ کر بازارون مین نکلے ہون۔ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کی شاعری زوال پذیر ہوئی اور فارسی شاعری معرض ظہور مین آئی۔ اتفاق سے وہان ترک غلام بہت کثرت سے تھے جو نہایت حسین تھے حسن پرستی اہل ایران کا شعار بنا ہوا تھا عیش وطرب انکا دور دورہ تھا چنانچہ یہ غلام بھی اس مصرف کے لئے نہایت موزون سمجھے گئے۔ اُمرا کی مجالس عشرت مین ساقی گری اور بزم آرائی یہی کرتے رہے۔ ایرانیون کو امرد پرستی بھی مرغوب تھی اس لیے یہی لوگ بالآخر مستقل معشوق قرار پائے اور شعرا کو ایک مستقل دل لگی کا ذریعہ ہاتھ آیا۔

معتصم بااللہ کے زمانہ مین فوج مین حسین اور خوشرو ترک بھرتی کئے گئے تھے۔ اسی لحاظ سے شعرا کے یہان ع

سمند ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا

کا مضمون ہوا جہان ترکون کو حسین کہا گیا تھا وہان اُن کی معشوقی کی صفات مین جنگجوئی قدر اندازی تیغ زنی وغیرہ کا بھی اضافہ ہوگیا اور اس کثرت سے یہ مضامین نظم ہونے لگے کہ بڑے بڑے شعرا اس اثر سے خود کو نہ بچا سکے۔

ہماری شاعری کو جہان فارسی والون سے ترکہ مین اور باتین ملی ہین یہ بھی ملگئی حالانکہ چند روز کے بعد ان مضامین کا ایران کی شاعری مین اثر کم ہوتا گیا۔ اور وہ عرفی ظہوری۔ نظیری۔ صائب وغیرہ کے زمانہ مین بہت کم رہ گیا۔ مگر اُردو مین آج تک وہی مضمون بلائے بیدرمان کی طرح گھسے ہوئے ہین۔

یہان یہ نکتہ بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اس امرد پرستی اور خلاف فطرت فعل سے اہل ایران کے طبائع اور اُن کے افعال قبیح ٹھہرتے ہین۔ مگر اُن کی شاعری پر کوئی نکتہ چینی نہین کیجا سکتی اس لئے وہ جیسا کچھ دیکھتے تھے ویسا لکھتے تھے۔ اور اس کا نقشہ اتار کر دیکھتے اور دکھاتے تھے

مگر ہمارے شعرا میں تو بہت سے ایسے ہون گے کہ جنھوں نے ترکون کی صورت بھی خوا
دیکھی ہو مگر اُن کے نام اور ان کی وہی معشوقانہ حالت محکومی کی حاکمانہ صفات۔ قد اللہ ندی
گھوڑون پر سوار ہو کر نکلنا شہسوار یکا فن قتل غارتگری وغیرہ وغیرہ بے تکلفی کے ساتھ
لکھی جاتی ہین۔ جو کسی حد تک بھی جایز قرار نہین دی جا سکتی ہین۔ اور یہی وجوہ ہین
جو ہماری شاعری مین اثر نہین پیدا ہونے دیتے اور دوسری قومون کی نظر مین ہمعنی
کا خطاب دلاتی ہین۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

کہتا ہے کہ آہ مین کہین اثر ہوتا ہے یا عاشق کی آہ سے کوئی کام نکلتا ہے
یہ صرف ہماری ہوا بندی ہے اس سے بس ہم اتنا کام لیتے ہین کہ ذرا مضمون مین
آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے۔

تیری فرصت کے مقابل اے عمر برق کو پابہ حنا باندھتے ہین

اے عمر تو اتنی تیز رو ہے کہ تیرے مقابل مین برق کی کوئی ہستی نہین تو
بہت جلد گزر جاتی ہے اور وہ دیر مین گزرتی ہے۔

قید ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سر و پا باندھتے ہین

قید ہستی سے کسی صورت مین رہائی نہین ہو سکتی آدمی باوجودیکہ معدوم تھا
اور معدوم ہو جائے گا مگر پھر بھی ہستی کی قید سے آزادی نہین ہے اس کی مثال اشک
کی ہے کہ لوگ اس کو بے سر و پا کہتے ہین۔ مگر پھر بھی باندھتے ضرور ہین ہستی سے
آزادی نہین ہو سکتی یا اشک کے مضمون کو شعرا باندھتے ہین

نشۂ رنگ سے ہے واشد گل مست کب بند قبا باندھتے ہین

پھول نشۂ رنگ سے مست ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کی واشد اور شگفتگی
کا یہی سبب ہے۔ مست بند قبا کب باندھتے ہین۔

غلطیہائے مضامین مت پوچھ لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہین

یعنی شعرا کے مضامین کی غلطیون کا کیا اظہار کیا جائے بس کچھ نہ پوچھئے نالہ
جو کبھی رسا ہوتا ہی نہین اور جو عنقا صفت معدوم ہے اس کو رسا باندھتے ہین۔
غلط ی کا لفظ ہے جو فاعل اور مفعول دونون کے معانی پیدا کرتا ہے
مگر ہندیون نے یائے مصدری کا لگانا بھی صحیح سمجھا ہے اس صورت مین جمع اسکی
درست ہو گی مگر اکثر شعرا و فصحا اس کو جایز رکھتے ہین۔

اہل تدبیر کی واماندگیاں آبلون پر بھی حنا باندھتے ہین

عقلا کی واماندگیان دیکھئے کہ اگر پاؤن مین چھالا پڑ جاتا ہے تو اُس پر حنا
باندھتے ہین یعنی ایک تو چھالا ہی ایسی چیز ہے کہ چلنے نہین دیتا دوسرے اُس پر
مہندی لگانا غلط در غلط ہے یعنی یہ مشہور اور ظاہر ہے کہ حنا لگا کر چل نہین سکتا۔
اس مین یہ بھی مفہوم ہے کہ اہل جنون کا علاج برعکس کرتے ہین اور اُن سے کچھ بن
نہین پڑتا۔

سادہ پرکار ہین خوبان غالبؔ ہم سے پیمان وفا باندھتے ہین

معشوق ظاہر مین سادے ہین مگر دراصل بڑے ہوشیار ہین ہم سے بیوفائی
کرنے کے لئے پیمان وفا باندھتے ہین یا یہ کہ ہم کو ذرا تغیر لہجہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے
(یعنی ہم سے اور پیمان وفا) کہ جو ان کی ہر ایک بات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہین خوب
کی جمع خوبان اب بغیر کسی ترکیب فارسی کے لکھنا برا ہے اور غیر فصیح ہے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسدؔ وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

گویا اس شعر کا قایل کوئی دوسرا شخص ہے جو کہتا ہے کہ زمانہ اسد کی جان پر
جو مصیبتین ڈال رہا ہے وہ اس کی آرزوؤن کو دیکھتے ہوئے کم ہے وگرنہ ہم کو تو
اس سے بھی بہت زیادہ اس سے تکالیف پہونچنے کی امید تھی اور ہے۔ اس امید

مین بجان اسد مضاف و مضاف الیہ ہین۔ اس مین (ب) کو قسمیہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ مگر اس حالت مین (بجان) اُردو کے لئے ایک غیر مانوس ترکیب ٹھہرے گی۔

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہین ہون مین — خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہین ہون مین

کاش مین پتھر ہوتا تو ہمیشہ تیرے دروازے پر پڑا رہتا یعنی تیرا سنگ آستان بنتا۔ ایسی زندگی پر خاک پڑے کہ مین پتھر نہین ہون۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہمیشہ تیرے ہی در پر مین نہین پڑا رہتا ہون افسوس ہے اور ایسی زندگی پر لعنت ہے کہ پتھر نہین ہون اور پتھر کی حالت ہو گئی ہے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پتھر کی طرح پڑا تو ضرور رہتا ہون لیکن تیرے در سے دور رہتا ہون مین پتھر نہین ہون کہ یہ گوارا کر دون۔

چوتھا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ اب مین تیرے دروازے پر پڑا ہوا نہین ہون ایسی بے حیائی کی زندگی کس کام کی کہ لوگ مجھپر آوازے کسین۔ اور طعنے دین اور مین برابر سُنا کرون مین آدمی ہون پتھر تو ہون نہین۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ تیرے در پر مین ہمیشہ نہین پڑا رہتا ہون تو یہ غلط سمجھا ہے بلکہ میرا مطلب اس پڑے رہنے سے یہ ہے کہ جیسی زندگی مین گذارتا ہون باوجود اس کے کہ پتھر نہین ہون۔ ہون آدمی مگر اس پر خاک پڑے تو اچھا۔

کیون گردش مدام سے گھبرا نجائے دل — انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون مین

اس گردش شبانہ روز سے میرا دل کیون گھبرا جائے آخر مین پیالہ و ساغر تو ہون نہین جن کے لیئے گردش لازمی ہے انسان ہون یا یہ کہ اس پریشان کُن زندگی سے دل کیون نہ گھبرائے۔ افسوس کہ مین انسان ہون پیالہ و ساغر نہین ہون کاش وہی ہوتا۔

ہمارے شعرا کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ جنکو طبیعت ثانیہ کہین تو کچھ بیجا نہین ہے کہ چند ایسے الفاظ جن کے معانی عام ہین مگر اُن کے مطالب کو محدود و خاص سمجھ لیا گیا ہے گویا انکا ذہن ایک قطب نما بن گیا ہے کہ کہنے والا کچھ سے کہے مگر انکا ذہن فوراً اُسی طرف کو منتقل ہو جائے گا۔ مثلاً پیالہ و ساغر جہان شاعر دیکھے گا اُس سے فوراً شراب کا ساغر و پیالہ۔ کل سے فردائے قیامت اور ازل۔ تیشہ سے تیشۂ فرہاد۔ چاہ سے چاہ کنعان۔ محمل سے محمل لیلےٰ وغیرہ وغیرہ مراد ہون گی اور فوراً انہین کا قیاس کیا جائے گا۔ اگرچہ کہنے والے بھی ایسے ہی ہین کہ وہ بھی جب کہتے ہین تو جو سمجھا جاتا ہے وہی اُن کا ارادہ بھی ہوتا ہے۔ مگر احیاناً قایل اور کچھ بھی کہے تب بھی سامع کو وہی خیال آئے گا۔ چنانچہ یہین خیال کیجئے کہ پیالہ و ساغر سے ایک سمجھنے والا غیر ذی روح اشیا کو قیاس کرے تو کیا غلط کرتا ہے۔ مگر نہین سب سے پہلے جو خیال آئے گا وہ یہ ہو گا کہ پیالہ و ساغر سے وہ ساغر مراد ہین جو دور شراب مین مستعمل ہین۔

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لئے — لوح جہان پہ حرف مکرر نہین ہون مین

اے خدا زمانہ مجھکو لوح جہان سے کیون مٹاتا ہے مین کوئی حرف مکرر نہین ہون جس کے مٹانے کی ضرورت پڑے۔ واضح ہو کہ مولانا نظم صاحب نے مکرر کے معنی غلط کے لکھے ہین حالانکہ مکرر کے معنی وہ لفظ ہے جو عبارت مین بہ تکرار لکھا جاوے یا سہواً لکھا جائے۔ اور غلط وہ ہے جو بے ضرورت ہو۔ اگر بجائے غلط کے مکرر کہا جاوے تو اس مین غلط کے معنی پیدا ہو سکتے ہین مگر غلط کہکر مکرر کے معنی مراد نہین لیے جا سکتے میری مراد یہ نہین ہے کہ مولانا اس لفظ کے معنی نہین جانتے بلکہ صرف بیان معانی مین ایک غلطی ہوئی ہے۔

مفہوم غالب صرف یہ ہے کہ اگر مین ایسا لفظ ہوتا جو غلطی سے مکرر لکھا گیا ہو تو اُس کے مٹانے کی ضرورت تھی۔ یا اُس لفظ کے مٹانے مین کچھ ہرج نہین ہے جو آیندہ عبارت مین کہین آئے اور اس کو اس وقت بے ضرورت سمجھا جاوے مگر یہ کچھ بھی نہین ہے اور پھر بھی مجکو مٹایا جاتا ہے آخر اس کا کیا سبب ہے بخلاف

اس کے اگر مکرر کے معنی غلط کے لئے جائین تو صرف وہی معنی ہوتے ہین اور کچھ نہین مگر غالب نے مکرر کے معنی غلط کے نہین لیے ہین -

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے — آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

ہر گناہ کی سزا کی حد چاہیے آخر مین گناہ گار ہون کافر نہین ہون جسکی سزا کی کوئی حد نہو اہل عجم کافر کی (ف) کو عموماً مفتوح نظم کرتے ہین - اردو مین بھی عموماً یہ لفظ بفتح فا مستعمل ہے ذوق مرحوم کہتے ہین سہ

اے ذوق دختِ رز کو تو ہرگز نہ منہ لگا — چھٹتی نہین ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے — لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

اس شعر کو نعتیہ بھی قیاس کر سکتے ہین، گویا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ آپ کو زر و گوہر سے نفرت ہے مگر مین تو وہ نہین ہون آپکا ایک غلام ہون پھر میرے عزیز نہ رکھنے کی کیا وجہ ہے -

دوسرا پہلو یہ ہے کہ معشوق سے کہا گیا ہے کہ اگر تم زر و گوہر سے مستغنی ہو تو مجھے کیون نہین عزیز رکھتے مین تمھارا عاشق صادق ہون -

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ — رتبہ مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

اس مین بھی نعت اور معشوق سے خطاب دونون سے مراد ہو سکتی ہے - رسول اللہ سے عرض کیا ہو کہ تم آخر قدم میری آنکھون سے کیون دریغ رکھتے ہو کہ تمنے شب معراج مین مہر و ماہ کو شرف قدم بوسی سے مشرف کیا ہے اور مین رتبہ مین اُن سے کمتر نہین ہون اس واسطے کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کی تمنا ہے -

کرتے ہو مجھکو منع قدمبوس کس لئے — کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

یعنی شب معراج مین آپ نے آسمان کو قدم بوسی کا اعزاز بخشا تو مین متمنی قدم بوسی ہون کیا رتبہ مین آسمان کی بھی برابر نہین ہون حالانکہ اُس سے بھی بہت

زیادہ میرا رتبہ ہونا چاہیے -

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا — وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

غالب ایک وہ دن تھے کہ ہر کس و ناکس سے تم مایوسی اور غم کے لہجہ مین کہتے تھے کہ مین نوکر نہین ہون مگر اب وہ زمانہ گزر گیا اب بجائے اُس کہنے کے شاہ عالم پناہ کو دعائین دو جس نے تم کو اُس غم سے آزاد کیا اور تمھارا وظیفہ مقرر کیا -

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہو گئین — خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہو گئین

نیرنگ فلک نے اتنی پیاری پیاری صورتین خاک مین ملائی ہین کہ جن کا حد و حساب نہین وہی صورتین سب تو خیر کیا مگر ہان کچھ لالہ و گل بن کر دنیا مین نمایان ہوئی ہین ہائے لالہ و گل کی خوبصورتی دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ صورتین کیسی پیاری ہون گی جو مٹ گئین بہت ہی خوب شعر کہا ہے - ایک اسی قسم کا مضمون ہے جو خسرو علیہ الرحمتہ نے اپنے یہان باندھا ہے فرماتے ہین سہ

اے گل چہ آمدی ز زمین گو چگونہ اند — ان رویہا کہ در تہ گرد فنا شدند

مرزا رفیع السودا نے نئی صورت سے کہا ہے سہ

گئے جہان سے کیا کیا سینہ رُو تہ خاک — کہ گل عدم سے جو آیا بہت نگار آیا

ایک میرا شعر اسی قسم کا ہے سہ

سنگ و صدف مین لعل و گہر بن کے رہ گئے — پژمردہ پھول اس چمن روزگار کے

یاد تھین ہمکو بھی رنگا رنگ بزم آرائیان — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہو گئین

اے محو بزم آرائی کبھی تیری طرح ہم کو بھی بزم آرائیونکا شوق تھا اور رنگا رنگ بزم آرائیان کرتے تھے لیکن اب وہی بزم آرائیان طاق نسیان کی زیب و زینت کا کام دے رہی ہین یعنی اب وہ سب بھول گئے بہت ہی خوب شعر کہا گیا ہے - اس مین تقابل کی جو صورت دکھائی گئی ہے اُس کا جواب نہین ہے -

تھین بنات النعش گردون دن کو پردہ مین نہان — شب کو اُنکے جی مین کیا آئی کہ عریان ہو گئین

بنات النعش سات تارے ہیں جن میں سے چار تارے جنازہ اور تین جنازہ کے اٹھانے والے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بنات النعش دن کو آسمان کے پردہ میں پنہاں تھیں مگر شب کو معلوم نہیں کہ کیوں بے پردہ ہو گئیں

واضح ہو کہ بنات النعش ابن النعش کی جمع ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اہل عرب اُن کو مونث مانتے ہیں بلکہ وہ اس قسم کے الفاظ کی جمع یونہی بناتے ہیں جیسے ابن المطر سے بنات المطر۔ مگر اہل فارس نے ایسے اکثر الفاظ کو قریب قریب مونث مانا ہے جیسے کہ بدرالدین چاچی کہتے ہیں سے

درسیاست گاہ قہرش بر نضائے کائنات قطب لا دائم جنازہ پر سر دختر است

انھوں نے لفظی ترجمہ مونث کا مونث کر دیا ہے اسی صورت سے اُن کو اپنی زبان میں لڑکیاں نہیں کہا ہے مگر ضمیر مونث لائے ہیں جس سے پردہ ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہرا معشوق کا کوئی مطلب نہیں معلوم ہوتا مگر در اصل مصنف نے ایک بات رکھی ہے گویا کہ یہ شعر اپنے معشوق کی طرف خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ بنات النعش بڑی پردہ دار تھیں۔ دن کو منہ چھپائے رہیں مگر شب کو وقت آیا تو اپنا پردہ اٹھا دیا۔ تم ایسے ہو کہ شب وصل میں بھی مجھ سے شرمائے جاتے ہو۔ حالانکہ یہ کوئی محل نہیں ہے۔ یا یہ کہ یہ ایک عاشقانہ چال ہے کہ معشوق سے کہتا ہے کہ دیکھو تم کہتے ہو کہ معشوقوں کا کام عریان اور بے پردہ ہونے کا نہیں ہے دیکھو بنات النعش دن میں کیسی چھپی ہوئی تھیں آخر شب کو اگر بے پردہ ہونے کا محل نہیں تو وہ بے پردہ کیوں ہو گئیں۔

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہرا قید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر نہیں لی مگر جذب عشق یہ تھا کہ آنکھیں دیوار زنداں میں روزن ہو گئیں جس سے انکا چہرہ ہر وقت دیکھتے رہے یہ کمال جذب عشق کا نمونہ ہے۔ مولانا نظم کہتے ہیں کہ آنکھیں روزن کی طرح سے نور ہو گئیں۔

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

دنیا بھر کے عاشقوں کا قاعدہ یہ ہے کہ رقیبوں سے ناخوش اور ناراض ہوتے ہیں مگر برعکس سب کے زلیخا اپنے رقیبوں سے خوش ہے جنھیں جمال یوسف علیہ السلام نے ایسا محو بنا دیا کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اس پر چاہیے تھا کہ زلیخا کے رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو مگر وہ خوش ہوئی کہ خیر اب یہ تو نہ کہیں گی کہ ایک غلام زر خرید پر عاشق ہوئی۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

اپنے ناصحوں اور دوستوں سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تم اشک خون بہانے سے مجکو منع نہ کرو یہ شب یلدائے فراق ہے اگر یونہی میری آنکھیں اشک گرم خون بہاتی رہیں گی تو کم از کم میں اُن سے یہ فائدہ اٹھاؤں گا کہ سمجھوں گا یہ دو شمعیں میرے سیہ خانہ غم میں روشن ہو رہی ہیں۔ ادب اردو کے لیئے یہ شعر نہایت اچھا نمونہ ہے۔

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام قدرتِ حق سے اگر حوریں بھی واں ہو گئیں

اگر یہی پریزاد جنپر ہم عاشق ہیں جنت میں حوریں بن گئیں تو ان کے ظلم و ستم کا ان سے ہم خوب بدلہ لیں گے۔

یہاں یہ بات قابل الذکر ہے کہ (ہو گئیں ضمیر مونث ہے) جس سے مراد فرقہ حسین اناث ہے۔ حالانکہ اردو فارسی میں جو شاعری کی بنا رکھی گئی ہے اُس کی قرار داد تو یہ ہے کہ غزل میں نہ معشوق کو مذکر کہا جائے نہ مونث اور یہاں مونث کہا گیا ہے جو خلاف ہے مگر اردو شاعری کا کچھ ایسا رنگ بگڑا ہے کہ اس میں ہمارے کنگھی چوٹی کا ذکر موجود ہے اور مشہور شعرا کے دیوان اس سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ بالکل خلاف ہے اسیوجہ سے افصح الفصحا جناب داغ مرحوم نے جوبن کو پستان کے معنی میں استعمال کرنے سے احتراز فرمایا ہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ ایرانی شعرائے امردوں کو اکثر جگہ اپنا معشوق قرار دیا ہے مگر در اصل انکی شاعری کا اصول یہی ہے کہ معشوق نہ مرد ہو نہ عورت اور جو اکثر جگہ امردوں کا ذکر اُن کی شاعری میں آیا ہے وہ محض ایک وبائی ہوا تھی جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

غالب مرحوم اگرچہ ایسی باتوں سے اکثر محترز رہے ہیں اور ان کی شاعری قریب قریب اس سے مبرا ہے۔ مگر اس غزل میں ردیف کی مجبوری سے وہ یہ سب باتیں لکھ گئے ہیں جو اُن کے واسطے باعث ننگ ہے۔ چنانچہ دوسرے شعر سے بھی یہ پتہ چلتا ہے۔

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں — تیری زلفیں جسکے بازو پر پریشاں ہو گئیں

اُسی کو سونے میں مزا آتا ہے۔ اُسی کا دماغ دنیا کی بہترین خوشبوئیں سونگھتا ہے اُسی کا دماغ صحیح ہے اُسی کا دماغ عرش اعلیٰ پر ہے۔ اسی کی راتیں آرام کے لئے ہیں اور اُسی کی راتیں راتیں کہے جانے کی مستحق ہیں جس کا ہم خواب تو ہے اور جس کے بازو پر سونے کی حالت میں تیری زلفیں بکھری ہوئی ہیں۔

واضح ہو کہ ہندوستان میں مردوں کے ایسے گھنے اور لمبے بال بہت ہی کم ہوتے ہیں جنھیں بے تکلف زلفوں کا خطاب دیدیا جائے اس سے صحیح پتہ بھی چلتا ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ یا دوسرا فرقہ کشمیریوں وغیرہ اور زنانوں ہیجڑوں کا ہے بہر حال ایسی اقوام اور ایسے لوگ کم ہیں جنھیں زلف رکھنے کا شوق ہو۔ یہ شعر کیا ہی ہو مگر بہترین شعر ہے جس سے بہتر اس زمین میں نہیں ہو سکتا۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا — بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

چمن میں میرے جانے سے گویا مکتب کھل گیا جیسے ہی کہ مجکو دیکھا بلبلیں نغمہ سنجی میں مشغول ہو گئیں یا اس لیے کہ ان کو بحیثیت عاشقی کے ایک ہم جنس ملا اس کی ان کو خوشی ہوئی۔ یا اس لیے کہ میں ایک دیوانہ تھا مجکو دیکھکر ان سے بھی جوش خوشی کو روکا نہ گیا۔ یا یہ کہ میں ایسا فصیح البیان تھا کہ میری غزلیں سنکر بلبل نے بھی نغمہ سنجی شروع کر دی اور یہ قاعدہ ہے کہ بلبل آواز خوش کو سنکر زمزمہ کرتی ہے۔ حالی ؎

آب رنگ گلستان عشق اکنون از منست — عندلیبان ہمہ میگویند مضمون از منست

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار — جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

نگاہ کو لوگ تیر سے تلوار سے استعارہ کرتے اور تشبیہ دیتے ہیں اور تیر یا تلوار کا زخم زبردست اور گہرا ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو غالب کہتا ہے کہ اے خدا اس کی نگاہیں بمنزلہ تیغ یا تلوار کے تھیں اور یہاں تک اچھا تھا کہ اُن کے وار سے دل کے ٹکڑے ہو جاتے یا دل کے پار ہو جاتا اور اس صورت میں جلد تر میرا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر میری کوتاہی قسمت (بدقسمتی) یہ رنگ لائی کہ انکو میری جانب سے اتنا کوتاہ کیا کہ انہیں تیر جیسی نگاہوں کو مژگان بنا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر وقت ایک کھٹک میرے دل میں رہتی ہے مگر اب بھی یہ حالت ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ دل کے پار ہوئی جاتی ہیں اور میں مرا جاتا ہوں آخر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی ہیں اور پھر بھی وہ تیر کا کام دے رہی ہیں نگاہوں کا مژگان ہو جانا ایک لطف رکھتا ہے۔

مولانا نظم لکھتے ہیں کہ مژگان ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس قدر میری طرف سے اس کی نگاہیں کوتاہ ہیں گویا مژگان ہو گئیں۔ مگر باوجود اس کوتاہی کے دل کے پار ہوئی جاتی ہیں۔

یہی مطلب قریب قریب مولانا حسرت نے لیا ہے ؎

دلکو توڑا ابروؤں نے اور گلے کاٹے نہیں — نیچے کوتاہی قسمت سے نشتر ہو گئے

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے — میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

بار بار میری آہوں نے زور کیا اور ابھرنا چاہا۔ لیکن میں نے ان کو ابھرنے نہ دیا اور ضبط سے کام لیا۔ اسی وجہ سے میری آہیں میرے سینہ میں ایسی پیچیدہ ہو کر رہ گئیں جیسے رشتہ بخیہ گر بار بار ابھر کر بخیہ کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے میرے نزدیک آہوں کا ابھرنا اور رشتہ بخیہ سے جو بار بار ابھرتا ہے تشبیہ دیکر بخیہ کی صورت میں منتقل ہونا ایک تشبیہ بدیع اور نیا مضمون ہے جس کا حاصل یہ ٹھہرتا ہے کہ ضبط کی وجہ سے میں نے اپنی مجنونانہ حالت کو بخیہ کی حالت میں منتقل کیا۔ یعنی ضبط کیا کہ آہیں سینہ میں رہیں اور اسی ضبط سے یہ نتیجہ نکالا کہ چاک گریباں کو بخیہ کیا۔ چاک گریباں سینہ پر ہوتا ہے اور آہ کا مقام بھی جو

ہو جائے شاعرانہ سینہ قرار دیا آہ کے ضبط نے اُدھر بخیہ ہوئی اور اُدھر چاک گریبان مین بخیہ ہو گئی ایک لطیف نکتہ اس مین یہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ چاک گریبان (جس سے غلطی سے صرف گریبان ہی مراد لیا جاتا ہے) پیراہن کے لئے ضروری اور اُس کا سی دینا ایک حرکت مجنونانہ ہے جس سے یہ حاصل نکلا کہ آہون کو بمقتضائے ضبط مین نے روکا مگر اُس سے بھی جنون کو ترقی ہوئی۔ غالباً یہ شعر بلاغت کا ایک بے مثل نمونہ ہے جس مین غور کیجئے تو کئی لطیف معانی پیدا ہوتے ہین مگر مولانا نظم انصاف کی گردن پر کند چھری پھیر کر فرماتے ہین۔

اس شعر مین بار بار آہ کے اُبھرنے کو اور بار بار ضبط کرنے کو رشتہ بخیہ گر کی حرکت سے تشبیہ دی ہے یعنی متحرک کی متحرک سے تشبیہ ہے اور وجہ شبہ حرکت ہے لیکن آہ کے لیے ایسی حرکت محض ادعائے شاعرانہ ہے اس سبب سے یہ تشبیہ ویسی بدیع نہین ہے جیسے اور شعر تشبیہ متحرک کے گذر چکے ہین۔ اور باعتبار مضمون کے شعر بے معنی ہے فارسی و اردو کے شعرا آنکھ بند کر کے ایسے مضمون کہا کرتے ہین یہان بخیہ اور سینہ مین جو ضلع بول سکے ہین لطف سے خالی نہین ہے۔

واں گیا بھی مین تو اُنکی گالیوں کا کیا جواب — یاد تھین جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں

واں بروزن فع۔ متروک ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مین بزم مین پہونچ بھی گیا تو آخر اس کی گالیون کا کیا جواب دونگا۔ کیونکہ جس قدر دعائین اُسکی گالیان کھا کر اُن کے مقابلہ مین اس کو دینے کے لئے لایا تھا وہ سب دربان کو دے چکا کہ اُسنے مجھے بزم مین جانے کی اجازت دی۔ یا اجازت لینے کے لئے اس کو اتنی دعائین دینی پڑین کہ اب کوئی دعا یاد نہین رہی۔

ہمارے شعرا کی عادت ہو گئی ہے کہ سنگدلی کے جتنے الفاظ ہین وہ سب معشوق کے لیے صرف کیے جاتے ہین۔ اور جتنے دنیا بھر کے عیب ہوتے ہین وہ سب کا مرتکب عاشق کو قرار دیتے ہین۔ جیسے کہ ایک جگہ سید انشا فرماتے ہین ؎

؎ خیال کیجئے کیا آج کام مین نے کیا — جب اُسنے دی مجھے گالی سلام مین نے کیا

ہم اس بحث پر اور کچھ لکھنا قریب قریب بیکار سمجھتے ہین مگر اتنا ضرور عرض کرین گے کہ ایسے بے تہذیب اور ادلادشر معشوق سے پرہیز واجب ہے۔

جان فزا ہے بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا — سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہو گئین

جس کے ہاتھ مین جام شراب آگیا۔ وہ اُس کے لیے جانفزا ہے اُس کے ہاتھ کی لکیرین گویا رگ جان ہو گئین اور ظاہر ہے کہ رگ جان سے حیات مستعار وابستہ ہے۔ بقول مولانا نظم گویا کا لفظ اس شعر کی جان ہے جو مبالغہ کو حد سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مبالغہ حد سے گذر جانے پر خلاف فصاحت ہو جاتا ہے۔

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم — ملتین جب مٹ گئین اجزائے ایمان ہو گئین

ہم توحید کے قائل ہین اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم سب رسوم وغیرہ اور تمام ملتوں کو ترک کر کے اوسی ایک کی طرف متوجہ ہو جائین جیسے جیسے ملتون کو مٹاتے جائین گے وہ ہمارے ایمان کے اجزا بنتی جائینگی۔ یعنی ہماری قوت ایمان کو ترقی ہوتی ہو جائیگی۔ ملتون سے مراد دیگر ملل جن سے تفرقہ پڑے۔ یعنی رسوم و قیود کو جسقدر مٹائینگے اوسی قدر ہمارے مسلک کو تقویت پہونچتی جائیگی اور توحید کو زور ہوگا۔ واحد وہ ہے۔ جو جہات طول عرض عمق۔ تغیر وغیرہ سب سے مبرا و منزہ ہو یعنی ہم کہتے ہین کہ خدا کوئی سمت کوئی جہت کوئی طول کوئی عرض کوئی تغیر نہیں رکھتا مرئی نہین غیر مرئی نہیں غرض جسقدر یہ دیگر ملل مٹیں گے اوسیقدر واحد کی صفت پر روشنی پڑیگی۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلین مجھ پر پڑین اتنی کہ آسان ہو گئین

جب انسان کو رنج و غم کی عادت ہو جاتی ہے تو رنج مٹ جاتا ہے۔ گویا العادت کالطبیعۃ الثانیہ۔ اسی طرح دیکھ لیجئے کہ مجھپر اتنی مشکل پڑین کہ اب وہ مشکلین مشکلین نہین رہین آسان ہو گئین۔

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان — دیکھنا ان بستیونکو تم کہ ویران ہوگئین

یہ شعر بہت ہی بلیغ ہی جس مین متفرق معانی نکلتے ہین - یعنی اگر غالب اسیطرح روتا رہا تو یہ بستیان ویران ہو جائین گی - سیلاب اشک سے - یا رونے کی تاثیر سے - یا یہ کہ سننے والون سے میرے نالے نہ سنے جائین گے اور سب بستی اور مکانون کو چھوڑ کر چلے جائین گے - یا یہ کہ
در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را - کا مضمون ہوگا -
اس شعر کا لفظ قابل داد ہے - یون ہی گر روتا رہا - یعنی جیسے زور سے اب روتا ہے - اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ اول تو امید نہین ہے کہ اس طرح آدمی کچھ زمانہ تک رو سکے - یا یہ کہ اس طرح ہم کو کون رونے دے گا یہان سے اس کو نکالدین گے یا یہ کہ ان نالونکے سننے کے لئے پتھر کا دل فولاد کا کلیجہ چاہیے اون سے یہ کب برداشت ہونگے وہ آپ آگر منا لین گے - یا یہ کہ یونہی گر روتا رہا - یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا - یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوسکی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر - اگر یونہی روتا رہا یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا - یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوس کی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر - اگر یونہی روتا رہا جیسے کہ تم نے اسکو اجازت دی ہے - ایسے ہی اہل جہان سے مراد صرف جہان دنیا ہی نہین ہے بلکہ عالم بالا بھی کہا جاسکتا ہے یعنی اے ساکنان عالم بالا اسی صورت سے ان بستیون مین جو اسم اشارہ (ان) صرف کیا گیا ہے وہ بہت بلیغ ہے ان بستیون سے صرف یہی بستیان مراد نہین ہین جہان غالب ہے بلکہ وہ تمام دنیا کی بستیون کو کہتا ہے - اور بتاتا ہے کہ دنیا مین جو تم یہ بستیان آج دیکھتے ہو - یہ ویران ہو جائیگی - ویران مین بھی ایک خاص بات ہے کہ اس جگہ کو کہتے ہین جہان پہلے آبادی ہو - اسیطرح دیکھنا ان بستیون کو تم - یعنی ہم تو کہان ہونگے - یا ان بستیون کے لوگ تو کہان ہونگے تم دیکھنا -

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین — یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

کہتا ہے کہ بت پرستی نے ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ بنادیا ہے کہ مین نے تمام

گریبان کو چاک کر دیا اور اب ایک تار بھی گریبان مین باقی نہین رہا - جس سے لوگون کو زنار کا دہوکہ ہوا اور مذہب بت پرستی میں مجھے شامل سمجھین -

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے — دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

ہم نے اپنے دل کو تمنائے دیدار مین مٹا دیا - مگر اب دیکھتے ہین تو ہم مین اتنی بھی طاقت باقی نہین ہی کہ اس کو دیکھ سکین دیکھا صیغہ ماضی کے معنے بھی دیتا ہے اور یہ بھی کہ خیال جو کیا -

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہے — دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہین

اگر تیرا ملنا سہل نہین ہی تو دشوار ہونا چاہیے - اور دشوار کی یہ صفت ہے کہ وہ ممکن الوقوع ہو - مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ تیرا ملنا دشوار نہین بلکہ ناممکن الوقوع ہے - گویا تو ہمکو کسی صورت سے نہیں مل سکتا یا یہ کہ اگر تیرا ملنا آسان نہیں یعنی دشوار ہے تو یہ تو ایک آسان بات ہے ہم صبر کر سکتے ہین اور دل کو سمجھا بجھا سکتے ہین مگر مشکل یہ ہے کہ تو غیر سے ملتا ہے اوسکے واسطے تیرا ملنا دشوار نہین ہے اسواسطے ہمکو صبر بھی نہین آتا -

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یہان — طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

ہمسے بغیر عشق کیے رہا نہین جاتا - یا عشق کسی شے کا ضروری ہوتا ہے اور آزار خاصۂ عشق ہے مگر ہم مین لذت آزار اوٹھانیکی طاقت نہیں اور عمر بغیر اس کے گذر نہین سکتی سخت مصیبت ہے -

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش — صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

جنون کا جوش ہے اور اپنا سر مجھے بار معلوم ہوتا ہے - اے خدا کیا کرون کہان جاؤن کیا علاج کرون کوئی دیوار بھی صحرا مین موجود نہین ہے کہ اپنا سر پھوڑ لیتا اور اس بار غم سے نجات حاصل کرتا - ایک جگہ کہتے ہین -

کہا تک روؤں اوسکے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے — مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

گنجایش عداوت اغیار اک طرف — یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

دشمنوں کی عداوت کی گنجایش کا تو خیر ذکر ہی فضول ہے۔ یاں دل اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ اب ہوس یار بھی اوس میں باقی نہیں مصرع ثانی نہایت بلیغ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یار کی محبت اب باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ۔ اب دل سے آرزوے وصال برداشت نہیں ہو سکتی۔ اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ میرے دل میں سما نہیں سکتی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی عاجز ہوتا ہے تو ہر وقت چاہتا ہے کہ میری آرزو کسی صورت سے پوری ہو جائے

ڈرنا لہاے زار سے میرے خدا کو مان — آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

میری رات دن کی گریہ وزاری سے ڈر۔ خدا کا خوف کر میرے نالے کچھ مرغ گرفتار کی آواز نہیں ہیں کہ اون کا اثر ہی نہو۔ نہیں ان کا اثر ہونا بہت ممکن ہے۔

دلمیں ہے یار کی صف مژگاں سے رو کشی — حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں

حالانکہ اب میرا دل اسقدر ضعیف ہو گیا ہے کہ اسمیں ایک خلش خار کی بھی طاقت نہیں ہے اور اسکے صدمہ اور دکھ کو بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر مژگان یار سے اوسی صورت سے مقابلہ کے لیے تیار ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایسی سادگی پر اور اس بچپن پر کون نہ مر جائے کہ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں تو اس صورت میں گویا یہ سادگی بجائے تلوار کے ہے۔

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا — دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

ہم نے اسد کو ظاہر و باطن میں بہت سی مرتبہ دیکھا ہے تم جو کہتے ہو کہ وہ دیوانہ

نہیں ہے تو اگر وہ دیوانہ نہیں ہے تو کچھ ہوشیار بھی نہیں ہے۔

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں — ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں

چونکہ کوئی زخم میرے جسم کا ایسا نہیں ہے جسمیں ٹانکے دیے جا سکیں اسواسطے بخیہ گر کی سوئی میرے حال پر روتی ہے۔ اور ناامیدی کے آنسوؤں کا تار اوس کی آنکھ میں رشتہ بن گیا ہے۔ چونکہ متواتر روتی ہے اسواسطے آنسوؤں کا تار بنا۔ اور اسکو رشتہ کہا گیا۔

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی — کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

میں اسقدر رویا کہ میرے آنسوؤں کے سیلاب نے میرے گھر کو تباہ کر دیا اور اب روزن میں کف سیلاب روئی کی طرح موجود ہے جس سے لذت تماشا و سیر بھی باقی نہیں رہی ہے۔

ودیعت خانہ بیداد کاوشہائے مژگاں ہوں — نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

میرے ہر قطرہ خون پر معشوق کا نام کھدا ہوا ہے۔ اور یہ بیداد کاوشہائے مژگان نے کھودا ہے اسی لئے اب میرا جسم جسم نہیں ہے بلکہ بیداد کاوشہاے مژگان کا امانت خانہ بن گیا ہے۔ دیکھئے اسی مضمون کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ایک جگہ پہلے ادا کیا ہے فرماتے ہیں ؎

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب — خون جگر امانت مژگان یار تھا

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی — شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

میرے سیہ خانہ کی ظلمت کا حال کس سے بیان ہو سکتا ہے یہ لت ہے کہ اگر اس کی دیواروں کے روزنوں میں پنبہ رکھدے تو اوس سے بھی چاندنی پھیل جاے یعنی اگرچہ وہ ایسا سامان ہے جس سے تاریکی بڑھ جانے کا احتمال ہے مگر ظلمت کی حد یہ ہے کہ اوس ایک ادنی سی سپیدی سے بھی ماہ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے یہی مضمون ہے۔

۵ کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے — پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن مین نہین

نکوہش مانع بیربطی شور جنون آئی — ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین

میرے احباب جو وحشت مین مجھے ملامت کرتے ہین اوس سے میرے شور جنون کی بیربطی جاتی رہی ہے اور گویا اون کا ہنسنا یعنی خندۂ دندان نما میرے جیب و گریبان کیلیے بخیہ کا کام دے رہا ہے۔

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے — پرافشان جوہر آئینہ مثل ذرّہ روزن مین

اُس مہروش کے عکس کے سامنے جوہر آئینہ اسطرح سے پرافشان ہوئے اور اڑنے لگے جیسے کہ ذرے آفتاب کی شعاع سے روزن مین اڑنے لگتے ہین۔

نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے — جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین

مین یہ تو نہین کہہ سکتا کہ مین اچھا ہون یا بُرا ہون مگر یہ ضرور جانتا ہون کہ جیسا مین ہون ویسی صحبت مجھے میسر نہین ہے اگر مین گل ہون تو اس صحبت کو جو مجھے حاصل ہے مین گلخن سمجھتا ہون۔ اور اگر خس ہون تو گویا گلشن مین ہون جو اسکی جگہ نہین بہر حال صحبت میرے حسب حال نہین ہے۔

گلخن و گلشن کے ایسے ہی مضمون مختلف طریقون سے مصنف نے کئی جگہ لکھے ہین۔ جو گذر چکے۔

ہزارون دل دئے جوش جنون عشق نے مجھکو — سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

سودائے جنون کی وہ زیادتی ہوئی کہ میرا ہر قطرۂ خون تن مین سویدا بن گیا۔ اور اس صورت سے گویا مجھے سیکڑون دل مل گئے گویا جسقدر قطرۂ خون میرے جسم مین ہین وہ سب دل ہین۔ اور ہر دل مین سودائے جنون بھرا ہے اور ہر دل مین معشوق کی یاد ہے یہ شعر بیت الغزل ہے۔

اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خوبان ہون — خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

اے اسد مین معشوقون کی تاثیر الفت کا اسیر ہون اونکا ہاتھ جو میری گردن مین مہربانی سے پڑا ہے وہ میری گردن کے لئے طوق بن گیا ہے۔ تاثیر الفت کا لفظ خصوصًا قابل داد ہے جس سے خم دست نوازش کو طوق بنا لیا گیا ہے۔

مزے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہیں — سوائے خون جگر سو جگر مین خاک نہیں

دنیا کے انواع و اقسام کے کھانوں میں ہمین کچھ لذت نہین آتی سوائے جگر کے خون کے کوئی شے ہمکو مرغوب نہین ہے اور حال یہ ہے کہ جگر مین اب کچھ باقی نہین رہا۔ (سو) اب قریب قریب متروک ہو گیا ہے۔

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لیجائے — وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

مگر بمعنی شاید۔ یعنی ہمارے بال و پر مین تو طاقت باقی نہین رہی ہے کہ اڑکر گلستان یعنی کوچۂ دلدار تک پہونچین شاید مرنے پر ہماری خاک کو ہوا اڑا کر وہان لیجائے۔

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے — کہ غیر جلوۂ گل رہگذر مین خاک نہین

یہ کون بہشت شمایل آج سیر باغ کے لئے آتا ہے کہ سوائے پھولون کے رہگذر مین اور کچھ نظر نہیں آتا۔

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

اگر اُسے میرے اوپر رحم نہ آیا تھا تو کچھ مجھی کو اپنے حال زار پر ترس آتا کہ اُس کے عشق سے باز آتا اور اس گریہ و زاری سے ہاتھ اُٹھاتا۔ مگر یہان یہ بھی نہیں۔ نہ وہ مانتا نہ دل مانتا ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ نفس کو بے اثر کہکر پھر کہنا کہ اثر نہین اس کی تاویل باعتبار معنی کے مشکل ہے۔ محاورہ مین ٹھیک ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی تقریر بھی غالب سے کم نہین کہ غلط بھی فرمایا ہے اور پھر درست بھی کہا ہے حالانکہ غالب نے تو صرف

یہی کہا ہے کہ میرے نفس مین اثر نہین بے اثر ہے۔

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش
شراب خانے کی دیوار و در مین خاک نہین

شراب خانہ کی شراب میکش سب ختم کر چکے اور اب وہان خاک بھی باقی نہین ہے مگر نشہ کی ترنگ مین آنکھوں میں سرسون پھولی ہوئی ہے۔
دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فصل بہار آرہی ہے اور اس کا خیال کہ اُس موسم مین بغیر شراب کے کیونکر گذارہ ہوگا۔ اون کو خراب کئے ہوئے ہے اور حال یہ ہے کہ میخانہ مین کچھ باقی نہین ہے وہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔
یا لوگ سمجھتے ہونگے کہ میخانہ کو دیکھکر میکش مست ہین یہ خیال غلط ہے میخانہ مین تو نقش و نگار کجا دیوار و در مین جان بھی باقی نہین ہے۔ اُس سے کیا مست ہونگے مگر جلوۂ گل کے خیال نے اُن کو مست کر رکھا ہے۔

ہوا ہون عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

عشق کی لوٹ مار اور دستبرد سے مین بہت ہی محجوب ہون کیونکہ گھر مین سوائے حسرت تعمیر کے کچھ نہین کہ وہ اُسے خراب کرے خاک نہین اسجگہ ایک خاص لطف رکھتا ایک جگہ فرماتے ہین۔

ع گھر مین تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

ہمارے شعر کیا ہین ایک دلگی ہی۔ بس زمانہ کی ناقدری سے معلوم ہوگیا کہ ہنر کے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہین ہے۔ غالبًا یہ غزل اُس زمانہ کی کہی ہوئی ہے جب مشکل پسندی کے سبب سے لوگون نے غالب پر بے معنی اور مہمل گوئی کا الزام لگایا تھا۔ اور بعض ظرافت مابون نے یہ قطعہ کہکر عین مشاعرہ مین غالب کے سامنے پڑھا تھا مجھے اچھی طرح یاد نہین مگر ایک شعر لکھتا ہون۔

ع کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مگر غالب مرحوم نے اگرچہ اپنا رنگ شاعری تبدیل کر دیا پھر بھی سبکو یہ جواب دیکر ٹالدیا تھا۔

ع نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

یا ع مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اُسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہین فرمایش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون
روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستائے کیون

اس زمین مین دیگر شعرا نے بھی غزلین کہی ہین مگر سچ یہ ہے کہ جیسے غالب کے اشعار ہین ان کی گرد کو بھی دوسری غزلین نہین پہونچین یہی ایک مطلع ہے جسپر دیوان کے دیوان صدقے کئے جاسکتے ہین۔
گویا معشوق عاشق کے رونے سے تنگ آکر جبر و تعدی کے ساتھ اس کو رونے سے باز رکھنا چاہتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ آخر اس رونے کا کوئی سبب بھی ہے اور عاشق کہتا ہی کہ ہم بھی اپنے سینہ مین دل رکھتے ہین کوئی پتھر نہین ہی جو تم یون ستاؤ اور وہ بھر نہ آئے۔ ہم تو ہزار بار روئین گے کوئی کیون ہمارا دل دکھائے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی مجبور و بیکس ہوکر زبان کھولتا ہی تو ظالم کو قابل خطاب نہین سمجھتا۔ اور بار بار یہی کہتا ہے کہ کوئی کیون ایسا کرے۔ کوئی کیون ہم سے بولے۔ کوئی ہمین کیون ستائے۔ اور یہ خطاب سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین
بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اٹھائے کیون

اردو کی شاعری ایسے ایسے اشعار پر جسقدر بھی ناز کرے کم ہی واقعی اگر چاہین تو اسکے نکات بیان کرنا دشوار ہے دیکھئے شاعر کہتا ہے کہ تو ہمکو مسلمان سمجھے تو دیر سے نکلوا سکتا ہے کافر اور رند مشرب کہکر کعبہ مین ہمکو نہ جانے دے۔ مجھکو ہمسے نفرت ہے اپنے در پر نہ بیٹھنے دے ہماری پیشانی تیرے سجدے کے قابل نہین ہے تو اسے اپنے آستان پر نہ آنے دے یا یہ کہ ان سب جگہون سے تو نے مجھکو نکلوا دیا تو اب جب میرا کوئی دنیا مین ٹھکانا باقی نہین رہا ہے مین سر راہ آکر بیٹھا ہون۔ مگر غیر مجھکو یہان سے بھی اُٹھا دینا چاہتا ہے

آخر کیون۔ دیکھیئے اسمین مصنّف نے بجائے کسی دوسرے لفظ کے رہگذر پسند کیا جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ تباہ ہوکر بھی ہماری تمنائے دیدار نہ گئی۔ گھر اجاڑ کر بیٹھے بھی تو رہگذر پر بیٹھے جہان سے معشوق کا گذر بھی ممکن ہی۔ اور وہ اسقدر بیوفا ہی کہ ان سب جگہون سے نکلوا کر بھی اسکو چین نہ آیا۔ اور اتنک ویسا ہی دشمن ہی کہ غیر کے ہاتھون مجھے رہگذر سے بھی اٹھوتا ہی بندش وغیرہ چست ہونے کے سوائے شعر مین بڑی خوبی ہی کہ معلوم ہوتا ہی جیسے کوئی بیکس نہایت عاجزانہ مگر زور کے لہجہ مین ایک بردست سے کچھ کہہ رہا ہی یا کسی سے اپنا انصاف چاہتا ہے۔

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز   آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ مین منہ چھپائے کیون

جب اوسکا جمال آفتاب نصف النہار کی طرح ہی جسکے دیکھنے کی بینائی مین طاقت نہین پھر آخر یہ پردہ مین منھ چھپانے سے اوسے کیا فائدہ ہی۔ یا یہ کہ جب اسکو کوئی دیکھ ہی نہین سکتا تو اسکا بے پردہ ہونا برا نہین ہے۔

مولانا نظم فرماتے ہین جیسے وہ پردہ مین چھپا ہوا نہین ہی بلکہ آشکارا ہے اور اسکے کثرت ظہور نے نگہ و نظر اوسکا احاطہ نہین کرسکتی جس طرح آفتاب کی کثرت نور سے نگاہ قاصر ہے۔

دشنۂ غمزہ جانستان ناوک ناز بے پناہ   تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

تیرے غمزہ اور ناز کے تیر و خنجر جانستان اور بے پناہ ہین تیرے سامنے ہرگز کسی کو آنا نہ چاہیئے اگرچہ وہ تیرا عکس ہی کیون نہو۔ ممکن ہی کہ وہ بھی زخم کھا جائے نکتہ یہ ہے کہ تیرا عشق ایسی شئے نہین ہے کہ جو آدمی ہی تک محدود ہو بلکہ ہر چیز پر خواہ وہ مادی ہو یا نہو سب پر اثر کرسکتا ہے۔

مولانا نظم صاحب اسکی شرح مین فرماتے ہین سبب یہ ہے کہ تیرے سامنے بھی کسی کا آنا اچھا نہین کوئی غیر آیا تو مارا پڑا خود عکس تیرا اگر آئینہ مین بھی دشنہ و ناوک لئے ہوے تیرے سامنے آیا تو تیرا کیا حال ہوگا۔

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین   موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حیات اور غم در اصل جدا جدا نہین ہین بلکہ یہ دونون ایک ہی شئے ہین لہذا جب تک

آدمی کی حیات ہے غم بھی موجود ہی اور جب یہ نہ ہوگی غم بھی نہ ہوگا۔ قید اور بند کا تقابل خصوصیت سے قابل داد ہے۔

حسن اور اسپہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم   اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیون

میرے معشوق مین جیسا حسن ہی ویسا ہی حسن ظن بھی ہی اسکو اپنے حسن عفت پر اعتماد ہے اسی سے غیر کی جو بوالہوس ہے شرم رہ گئی۔ یعنی رقیب نے اظہار عشق کیا تو اسے بغیر امتحان یقین آگیا اور آزمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیونکہ اسکو حسن پر ناز تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ ایسا کون ہے جو مجھے عاشقانہ نظر سے نہ دیکھے گا دوسرے یہ کہ اسنے رقیب کو دخل دیا اور عاشق بنایا۔ یہ دونون باتین اوسی حسن ظن کی بدولت عمل مین آئین جو اس کو اپنے حسن و عفت پر تھا۔ اگر اسکو خود پر بھروسہ اور حسن پر حسن ظن نہوتا تو وہ بوالہوس کے عشق اور نیت کی آزمائش ضرور کرتا۔

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع   راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلائے کیون

اسمین لف ونشر غیر مرتب ہی۔ یعنی اسکو غرور و ناز ہی اسواسطے وہ ہمکو بلاتا نہین اور ہم کو اپنی وضع کا پاس اور حجاب وغیرت مانع آتی ہی اسواسطے ہم وہان جا نہین سکتے نہ کہین پاس وضع اور حجاب کی وجہ سے ہم بازار وغیرہ مین نکلتے ہین کہ وہ ہمکو راستہ مین ملجائے۔

ہان وہ نہین خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی   جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی مین جائے کیون

اسمین یہ تصویر کھینچی گئی ہی۔ کہ لوگ ایک عاشق دلدادہ کو سمجھا رہے ہین کہ کمبخت ایک بے وفا کے عشق مین تو اپنا دین و دل کھو بیٹھا۔ اب بھی باز آ۔ تو معشوق کی برائی سن کر عاشق کو تاب باقی نہین رہی اور وہ بگڑ کر جواب دیتا ہے کہ اچھا جائیے وہ بیوفا ہی سہی جسکو اپنا دین و دل عزیز ہو وہ کیون اسکی گلی مین جائے کوئی وہ کسی کو بلانے تو آتا نہین ہی

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین   روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیون

غالب اگر مرگیا تو مرجانے دیجئے اوسکے بغیر کون سے کام بند ہین وہ اگر زندہ تھا

توکون سے کام کرتا تھا اور اب نہین ہے تو کیا بگڑ گیا

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں　　بوسہ کو پوچھتا ہون مین منہ سے مجھے بتا کہ یون

میرا یہ سوال ہے کہ بوسہ کیونکر لیتے ہین تو اُسکے جواب مین تجھے بوسہ لیکر منہ سے بتانا چاہئے
غنچہ دور سے کیون دکھاتا ہے کہ بوسہ لینے کی صورت ہے۔
دوسرے معنے یہ ہین کہ مین نے تم سے بوسہ لینے کی صورت دریافت کی ہے تو اسپر خاموش
کیون ہوکر کھڑے ہوئے ہو یعنی خموشی دہن کو غنچۂ ناشگفتہ کہا گیا ہے۔

پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے　　اسکے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون

مین اس سے یہ فضول سوال کیون کرون کہ تم دل کیونکر لیتے ہو۔ جب مین دیکھتا ہون
کہ اسکے ہر ایک اشارہ سے اس ادا کا اظہار ہوتا ہے اور ہر ایک اشارہ بزبان حال یہ جواب
دے رہا ہے کہ دیکھ دل یون لیتے ہین۔

رات کیوقت مے پیے ساتھ رقیب کو لئے　　آئے وہ یان خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یون

میرے نزدیک شعر مین لف ونشر مرتب ہے۔ یعنی رات کیوقت خدا کرے کہ مے پئے ہوے
وہ یہان آئے مگر خدا نہ کرے کہ رقیب کو ساتھ لئے ہوئے یہان آئے۔
مولانا نظم اس شعر کے یہ معنے لکھ کر کہ خدا کرے وہ آئے لیکن خدا نہ کرے کہ یون آئے
کہ رات کیوقت مے پئے الخ

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے　　سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

مین نے جو اس سے پوچھا کہ غیر سے رات کیا بنی تو وہ میرے سامنے آ بیٹھا۔ اور بتایا کہ
یون ہم اور وہ بالمقابل بیٹھے رہے اور لطف صحبت اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ اس سوال کے
سنتے ہی غصہ سے وہ میرے سامنے آن بیٹھا اور کہا کہ اب ہم آپ کے پاس آ گئے ہین تو
آپ یون چھیڑ نکالین گے اور یون ہمین ستائینگے یون گستاخی کرینگے۔ آن بیٹھنا اب بھی
اگرچہ مستعمل ہے مگر اکثر فصحا نے ترک کر دیا۔

بزم مین اُسکے روبرو کیون نہ خموش بیٹھئے　　اسکی تو خامشی مین بھی نکلے ہے یہ ادا کہ یون

ہم اسکے سامنے محفل مین خاموش کیون نہ بیٹھے رہین اسکے چپ رہنے کا یہی منشاء
ہے کہ تو بھی یون ہی خاموش بیٹھا رہ

مینے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی　　سنکے ستم ظریف نے مجھکو اُٹھا دیا کہ یون

اسمین ستم ظریفی کا نقشہ علی وجہ الکمال کھینچا گیا ہے کہ ہمنے جو اس سے یہ کہا کہ بزم ناز مین
غیر کا دخل نہ ہونا چاہیئے تو اس نے مجھے بزم سے اٹھا دیا کہ اسطرح۔ اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا
کہ گو خاطر سے اُسنے مجھکو بزم مین بٹھا رکھا تھا۔ مگر دلمین غیر ہی سمجھا تھا جسکا اُس کے
اس فعل سے ظہور ہوا۔

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کسطرح　　دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

مجھ سے جو یار نے کہا کہ ہوش کسطرح اُڑ جاتے ہین تو میری بیخودی دیکھ کر ہوا چلنے لگی کہ
اسطرح ہوش اڑ جاتے ہین۔ نکتہ یہ ہے کہ میری ہر شئے دشمن ہے۔ اُسکے سوال کا جواب
دینے کی مجھے نوبت بھی نہ آئی ہوا نے پہلے سے جواب دیدیا۔ یا یہ کہ ہر ایک شئے میرے
درد دل سے واقف ہے اور ہر شئے میری حالت پر گواہ ہے۔ یا یہ کہ اُسکی ہر چیز مطیع ہے
اور اُسکے سوال کے جواب کے لئے تیار ہے۔

کب مجھے کوئے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی　　آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون

مین یہ نہ جانتا تھا کہ کوئے یار مین کیونکر رہنا چاہیئے۔ نقش قدم نے مجھ کو بتایا کہ اسطرح
سے حیران اور بیکسی کیحالت مین پڑا رہنا چاہیئے۔

گر ترے دلمین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال　　موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شاید ترے دل مین یہ خیال ہوگا کہ وصل مین شوق کا زوال ہو جاتا ہے۔ تو اسی سے
جواب دینے کے لئے موج دریا اپنے سر کو ٹپک رہی ہے کہ کیا یونہی زوال شوق ہو جاتا ہے

یعنی عاشق کو اگر معشوق سے وصال نصیب بھی ہو جاتا ہے تو اضطراب کم نہین ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے جیسے کہ قطرات جب دریا سے نہ ملے تھے انکو سکون تھا اب دریا سے ملنے پر ان کی یہ صورت ہوئی کہ بصورت امواج تبدیل ہو کر وہی سر ٹپک رہے ہین اور بزبان حال کہتے ہین کہ کیا یونہی زوال شوق ہوتا ہے مولانا نظم اسکی شرح یون فرماتے ہین۔ کہ اگر مجھے خیال ہو کہ مبدء حقیقی تک پہونچکر کیونکر زوال شوق ہو جائے گا اور کس طرح اتحاد پیدا ہوگا تو موج محیط کو دیکھ وہ بتا رہی ہے کہ اسطرح دست و پا مارتے مارتے آخر اتحاد ہو جاتا ہے جو کہ مرتبہ اطمینان و سکون کا ہے۔

مولانا حسرت تحریر فرماتے ہین۔ وصل سے شوق کم ہو جاتا ہے دیکھ کہ موج بحر بھی بزبان حال کہہ رہی ہے موج کی حرکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصل بحر سے علیحدہ ہو کر کنارے پر پہونچنے کے لئے دست و پا مار رہی ہے غور فرمائیے اور جو معنے صحیح معلوم ہون انھین پر عمل کیجئے (مارے ہے) فی زمانہ متروک مارتی ہے مارتا ہے مارتے ہین مستعمل ہے۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی — گفتۂ غالب ایکبار پڑھکے اسے سنا کہ یون

جو یہ کہے کہ فارسی شاعری سے اردو شاعری کیونکر بہتر ہو سکتی ہے تو ایک مرتبہ غالب کی اردو شاعری اسکو سنا کہ یون اچھی ہوتی ہے دیکھو کہ مستعمل ہے۔ کیونکہ متروک ہے۔

ردیف واؤ (و)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو — کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

حاسد کی صفات مین تنگ چشمی بھی داخل ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے سوائے کسی کو دیکھ نہین سکتا اسکو مصنف کہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے تیرے دل مین افسردگی اور چشم مین تنگی پیدا ہو گئی ہے اسکا علاج یہ ہے کہ دنیا کا تماشہ کر۔ اور بغور ہر شے کو ملاحظہ کر تو ممکن ہے کہ کثرت نظارہ اپنی زیادتی کے سبب سے تیری تنگدلی اور تنگ چشمی کے مرض کو زائل کر دے یہ ظاہر ہے کہ بہت سی چیزونکے معائنہ سے وسعت بڑھیگی۔ اور کسی تنگ چیز کو بہت پُر کرینگے تو وہ ضرور کھل جائیگی۔

مولانا نظم فرماتے ہین۔ کہ تجربہ کے بعد تجھے معلوم ہو جائے گا کہ حسد کرنا بے جا ہے

دنیا مین دولت کیلئے کوئی سبب نہین درکار ہے ہر جگہ یہی حال ہے۔

بقدر حسرت دل چاہئے ذوق معاصی بھی — بھرون یک گوشۂ دامن گر آب ہفت دریا ہو

گنہگار کو فارسی مین تردامن کہتے ہین۔ اسی کی بنا پر یہ شعر کہا گیا ہے کہ اگر ہفت دریائے گناہ ہون تب میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا تو دامن کا تر ہونا تو بہت دور ہے۔ کیونکہ میرے دل مین گناہونکی حسرت بہت زیادہ ہے دوسرا شعر اسی مضمون کا گذر چکا ہے ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

اگر وہ سرو قد گرم خرام ناز آجائے — کف ہر خاک گلشن شکل قمری نالہ فرسا ہو

گر میرا سرو قد گلشن مین گرم خرام ناز ہو کر آجائے۔ تو خاک گلشن تک مثل قمری نالہ کرنے لگے خاک کو قمری بوجہ قمری کے خاکستر رنگ ہونیکے کہا گیا۔

کعبہ مین جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہین — بھولا ہون حق صحبت اہل کنشت کو

اگر مین کعبہ مین جا رہا تو مجھکو طعنہ نہ دو کیا مین تبخانہ والون کی صحبت کو بھول تھوڑا ہی گیا ہون۔ یعنی انکی یاد اب بھی تازہ ہے۔

طاعت مین تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ — دوزخ مین ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو

مین چاہتا ہون کہ عبادت کسی طمع سے نہو خالصًا لوجہ اللہ ہونی چاہیئے۔ شراب شہد اور بہشت کی طمع سے اگر عبادت کی تو کیا عبادت ہوئی لہذا اچھا ہے کہ کوئی بہشت کو دوزخ مین ڈالدو کہ کوئی طمع نرہے اور جو عبادت ہو وہ بے لاگ ہو۔

ہون منحرف نہ کیون رہ و رسم ثواب سے — ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو

راہ و رسم ثواب سے ہمارا منحرف ہونا ضروری ٹھہر گیا ہے کہ ہماری تقدیر مین اول ہی سے یہ انحراف لکھا ہے کیونکہ وہ قلم جس سے سرنوشت پیشانی لکھی گئی ہے اُسی پر قط ٹیڑھا لگا ہے۔

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

غالب مجھے اپنی سعی سے لہنا نہیں ہے کسی نہ کسی طرح سے میری کوشش بیکار ضرور ہو جاتی ہے اگر اتفاق سے ملخ نہ کھائے تو بجلی موجود ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ہم اس خیال سے آزاد ہیں کہ ہمارے ساتھ آپ محبت کیوں نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ہمارے ساتھ یہ منظور نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ع قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

ضعف نے مجھ میں کسی بوجھ اٹھانے کی طاقت باقی نہیں رکھی یہاں تک کہ اب نقش محبت بھی دل پر بار ہے دوسری جگہ اسی مضمون کو نئی صورت سے کہا ہے۔

ع گنجایش عداوت اغیار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

اگر تم مجھ سے غیر کی برائیاں کرتے ہو مگر مجھے اسکا گلہ ہے کہ تم اس ملعون کا میرے سامنے تذکرہ کیوں کرتے ہو۔ میرا ایک شعر اسی مضمون کا ہے۔

ع کرتے ہیں شب وصل وہ دشمن کی برائی
میں کہتا ہوں آخر وہ تمہیں آہی گیا یاد

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

لوگ کہتے ہیں کہ ہر مرض کی دوا پیدا ہوئی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو غم عشق کا علاج کیوں نہ ہو شعرا غم عشق کو لا علاج کہا کرتے ہیں۔

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

میری بے کسی نے میرا معاملہ کسی غیر سے نہیں ڈالا۔ یہاں تک کہ میں اگر خجالت بھی اٹھاتا ہوں تو دوسرے سے خجالت بھی منظور نہیں ہے اور یہ انتہائے غیرت ہے۔

یا یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اور کسی سے مجھے کچھ اور نفع حاصل نہ ہوتا تو خجالت تو حاصل ہوتی مگر میری بے کسی نے مجھے اس سے بھی بچایا۔ بیمثل شعر کہا ہے۔ معانی آفرینی کی حد کی گئی ہے۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

آدمی تنہا بیٹھے تب بھی خیالات گوناگوں کا ہنگامہ رہتا ہے لہذا ہم خلوت کو بھی جلوت ہی کہتے ہیں مومن خان مرحوم کا ایک شعر ہے جسے مرزا غالب بہت پسند کرتے تھے۔

ع تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کسی کا شعر ہے۔ ع ہمیشہ محشر صد آرزو میں رہتا ہے ÷ دل اپنا شورش روز جزا کو کیا جانے

ہنگامۂ زبونئ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجئے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

انفعال زبونی ہمت کی دلیل ہے۔ یعنی کسی سے کچھ حاصل کرنا باعث انفعال ہے لہذا عبرت بھی اگر حاصل کرو تو زمانہ سے مکرو کیونکہ اسمیں بھی شرمندگی حاصل ہوگی

یا یہ کہ انفعال سے کمی ہمت کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا کمی ہمت کا خود کو متہم ٹھہرانا بہت برا ہے زمانہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کیوں نہ کیجئے چاہے وہ عبرت ہی ہو۔ یعنی بے حصول کمال دنیا میں محض انفعال سے کام نہیں چلتا۔

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

آزاد رہنا اسکا نام نہیں ہے کہ دوسروں سے بیگانہ ہو گیا اور ان سے رمیدگی اور وحشت اختیار کر لی اگر وحشت بھی کرتا ہے تو اپنی ذات سے کر اوسوقت کامل بیگانگی دنیا کا پتہ چلے گا ورنہ سب جھوٹا ہے۔

مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کہیں
عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

اگرچہ عمر کا عبادت و طاعت میں صرف ہونا عمر کا بہترین صرف ہونا ہے پھر بھی اسکے

فوت ہونے کا غم کچھ ایسا نہین ہو کہ اسے کوئی بھول جائے - یعنی عمر عزیز ترین شے ہو - بہت خوب شعر کہا ہو

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسد
اسمین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

جا ہی کچھ ہو جائے مگر اب اوس کے در سے ہم اُٹھ نہین سکتے یہانتک کہ اگر قیامت بھی آجائے جس سے ہر چیز اُٹھے گی مگر ہم نہ اُٹھینگے -

حضرت داغ جہان بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہونگے تری محفل سے ابھرنے والے

قفس مین ہون گر اچھا بھی نہ جانین میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نواسنجان گلشن کو

اول تو میرے شیون میرے نالے سے نواسنجان گلشن کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور چونکہ اُنہین یہ حصول عبرت کا فائدہ حاصل ہوتا ہو اس لئے مجھکو اچھا سمجھنا چاہئے - مگر باینہمہ اگر وہ مجھکو اچھا بھی نہ سمجھیں تو برا بھی نہ جانیں کیونکہ میں خود آفت زدہ ہون قفس مین ہون کسی کا میرے ہونے سے کیا بگڑتا ہو کوئی میں آزاد تھوڑا ہی ہون کہ کسیکا کچھ بگڑ سکون یا کسی کو میرے آزادی پر حسد اور رشک آئے - یا مجھے اپنا شریک صحبت سمجھکر بُرا جانین

نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہو
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

دشمن کو اگرچہ میرے معشوق سے ہمکناری حاصل نہین ہو مگر میرے لئے یہ رشک بھی کم نہین ہو کہ جس کی میں تمنا رکھتا ہون اوسکی تمنا اوسکو بھی ہو - مرزا غالب مرحوم نے رشک کے مضامین کو جس صورت سے ادا کیا ہو اس سے بہتر کسی دوسرے شاعر کے یہان نہیں پائے جاتے چنانچہ یہ مضمون بالکل نیا ہو ایک جگہ اسی رشک کے مضمون کو فارسی میں یون ادا کیا ہو

یاد از عدو نیارم دانیم زود رنجی است
کاندر دلم گذشتن با یار ہم نشینی است

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پر
کیا سینہ مین جسنے خونچکان مژگان سوزن کو

افسوس کہ ایسے گہرے زخم پر تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا جسکو سینے میں مژگان سوزن نے بھی خونچکان کیا - افسوس ہے مولانا نظم لکھتے ہیں سوزن سے سوزن غم مراد ہے - جسکا مقام سینہ کے اندر ہو اور اگر یہ استعارہ سوزن کا نہ لیں تو شعر عامیانہ ہوجائیگا جیسے نافہم

شعرا غیر واقعی باتیں نظم کر دیا کرتے ہین خدا جانے غالب نے کیا کہا تھا - اللہ اکبر

نوشتہ باند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین
کبھی میرے گریبانکو کبھی جاناں کے دامن کو

ان ہاتھوں سے خدا سمجھے جنھون نے فراق مین میری گریبان دری اور وصل میں رخصت کے وقت اُسکے دامن کھینچنے کی عادت اختیار کر رکھی ہو (جانان) اس جگہ کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا مین اسمین مولانا حسرت کے قول کی تائید کرتا ہون کہ جانان کا دامن اگرچہ صحیح ترجمہ ہے - دامن جانان کا مگر تعجب ہے کہ غالب نے اسکا استعمال جائز رکھا -

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوئے خون مین تیرے توسن کو

ابھی ہم قتل گاہ کا نظارہ معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں تیرے توسن کو ابھی خون میں شناور نہین دیکھا ہے کہ ذرا حواس ٹھکانے ہوں مبالغہ خونریزی معشوق حد سے گذر گیا ہو معاذ اللہ - ہلاکو خان مات ہوگیا خدا کرے آجکل فرضی عاشقوں کو ایسے خیالی جلاد معشوق ملین

ہوا چرچا جو میرے پانو کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبش جوہر نے آہن کو

میرے زنجیر بننے کا جو شہرہ ہوا تو لوہے کے جوہر نے لوہے کو معدن مین بیتاب کر دیا کہ کاش مجھی سے ایسے کامل دیوانہ کی زنجیر بنے - کان کے نون کا غنہ ہونا بہت بُرا ہے نیز ایسا اغراق کرنا غالباً قوت متخیلہ کے قوت ممیزہ سے حد سے گذر جانے کا نتیجہ ہو تخیل وہین تک تخیل کی حد مین ہو جہان تک وہ اعتدال پر ہو - اگر وہ قوت ممیزہ سے گذر گیا - تو وہ شاعر کو مہمل بکنے پر مجبور کر دیتا ہو - یعنی جسقدر کہ متخیلہ خلاق المعانی ہے اسیصورت سے ممیزہ اوسکی روک ٹوک کرنیوالی ہو اور کبھی اوسکو اسقدر پرواز کی اجازت نہین دیتی جانسے وہ گرے اور اسکی ہڈی پسلیاں جکنا چور ہوجائین - قوت متخیلہ کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ آسمان سے تارے توڑ کر شاعر کے سامنے لا رکھتی ہو مگر ممیزہ اوسکے صرف کی بہ لحاظ وضع الشئے علیٰ غیر محلہ - کبھی کسی زمین پر لگانے کی اجازت نہین دیتی - اور اگر ایسا ہوا تو سمجھ لیجئے کہ قوت متخیلہ حاکم اور ممیزہ محکوم ہوگئی - اور اس کا اثر وہی ہوگا

جیسا کہ ایک پیاسے کو زہر کا شربت پینا مضر ثابت ہوتا ہے۔
جہاں شاعر مبالغہ سے کام لیتا ہے وہاں ممیزہ اکثر محکوم ہو جاتی ہے اور متخیلہ غالب رہتی ہے یہ ایسا سچ ہے کہ آجکل غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جہاں تک مبالغہ ہو وہ شعر کیلئے زینت ہوگی مگر دیکھا جائے تو عربی کی ابتدائی شاعری میں کہیں جھوٹ کا نام بھی نہیں ہے۔ چنانچہ زہیر ابن ابی سلمیٰ جو دور اول کا شاعر ہے کہتا ہے۔ احسن القول ما صدقہ الفعل۔ یعنی بہترین کلام وہ ہے جسکی فعل بھی تصدیق کرے اسی لئے حضرت عمر نے زہیر کو اشعر الشعراء کا خطاب دیا تھا اسی طرح عرب میں سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ مگر خلفائے بنی عباس کے زمانہ سے برابر جھوٹ کو ترقی ہوتی رہی۔ بیوقوف امیر بیجا مدح سنکر خوش ہوتے رہے یہانتک کہ مبالغہ شعر کے ارکان ضروری میں داخل ہو گیا۔ مگر ہم اُس زمانہ کے شعراء کو الزام نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتے تھے اور اسکی بدولت انعام اور دولت حاصل کرتے تھے۔ مگر اب خیال کیجئے کہ زمانہ کی قدردانی کا اب یہ حال ہے کہ جیسے پہلے امراء خزانہ دیتے تھے آج کوئی بجائے اسکے واہ کہنے کو بھی تیار نظر نہیں آتا۔ پھر آخر اس اتباع سے کیا فائدہ ہے کیوں وہی ترانہ خائی مد نظر رکھی جاوے۔ اور کیوں شاعر کے بجائے خود کو لاغی کا خطاب دلایا جائے۔

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

اگر میرے کھیت پر ابر آئے تو اسکی مجھے کوئی خوشی نہیں ہے اسواسطے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی باوجودیکہ کچھ نہیں ہے مگر برق خرمن کو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ کسی کا شعر ہے

کبھی ہنستی ہے بجلی اور کبھی روتا ہے ابر اسپہ
ابھی پتی ہی پھوٹی ہے مری شاخ نشیمن میں۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

وفاداری اور اپنی وضع کو نباہنا ایمان کی دلیل ہے۔ یہانتک کہ اگر برہمن بت کی عبادت کرتا کرتا بتخانہ میں مرجائے تو وہ کعبہ میں گاڑنے کے قابل ہے بیانتہا اچھا شعر ہے۔ اسی مضمون کو عرفی شیرازی کہتے ہیں۔

بہ کیش برہمنان آنکہ از شہید الست
کہ در عبادت بت رو دبر زمین میرد

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

میری قسمت میں شہادت تھی اسی لئے مجھکو یہ عادت ملی تھی کہ جہاں کہیں تلوار دیکھتا تھا گردن جھکا دیتا تھا۔ یہی ہوا کہ اس عادت کی بدولت میں مارا گیا اور شہید ہوا۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یہ شعر بیت الغزل ہے۔ کہتا ہے کہ اگر دن کو میں لٹ نہ جاتا تو رات کو ایسا بیخبر کیوں سوتا۔ دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی مال چرا کر نہ لیجائے۔ اب کہ لٹ گیا ہوں تو آرام کی نیند پڑا سوتا ہوں اور رہزن کے لئے جس نے مجھے اس غم سے سبکدوش کیا ہے تہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

ہمارا جگر معدن ہے اور سخن جوہر ہے اگر ہمارے پاس جگر اور سخن نہ ہوں تو جاکر معدن کو کھودیں کہ وہاں سے جواہرات نکالکر لائیں۔

مرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

مانا کہ فریدون جمشید کیخسرو و بہمن سب عالی قدر بادشاہ تھے مگر میرے بادشاہ سے انکو نسبت نہیں میرا بادشاہ سلیمان مرتبت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان ان سب سے بڑے بادشاہ تھے کہ جن ہوا پرند وغیرہ پر بھی حکمران تھے اور بادشاہ ملک معنے بھی تھے کہ پیغمبر تھے۔ نیز بہادر شاہ بھی ایک درویش صفت بادشاہ تھے۔

دھوتا ہوں میں جو پینے کو اس سیمتن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

محاورہ ہے کہ فلاں فلاں کے پاؤں دھو دھو کر پیتا ہے۔ اسکی معشوق ادا کرتا ہے کہ اگر میں کمال عقیدت سے اوس ظالم کے دھونے کے لئے پاؤں دھو دھو کے پینے کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ ضد سے لگن کے باہر پاؤں کھینچ لیتا ہے۔ گویا مجھے اسقدر ذلیل سمجھتا ہے کہ اپنے پاؤں کا دھووں بھی

پلانا بھی منظور نہین کرتا۔
پانو کے آخر مین اہل لکھنؤ نون لکھتے ہین اکا اہل دہلی واؤ۔

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو — ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

فرہاد نے سادگی سے محض پیرزن کے مکر و فریب پر جان دیدی ہائے ہائے پیرزن کے پانون کیون نہ ٹوٹ گئے ہائے ہائے مین اُسکے پانون پڑون وہ بچرا سادہ تھا یہان میرے نزدیک پانون پڑنے کا محاورہ کچھ اچھا صرف نہین ہوا۔

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ — ہوکر اسیر دابتے ہین راہزن کے پانو

ہم راہزن سے بہت بھاگے تھے اُسی کی سزا یہ ملی ہی کہ اب اسکا مطیع ہوکر ہمکو اُسکے پانون دابنے پڑتے ہین نظم صاحب فرماتے ہیں اس شعر کے جو معنی حقیقی ہین وہ تو شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتے ہان اگر یہ سب باتین استعارہ سمجھو تو وہ بھی صاف نہین ہین۔

واقعہ تو یہی ہی جو جناب نظم نے لکھا ہی کہ یہ شعر کلام غالب سے بالکل خلاف ہے۔ اسمین پانون دابنا وغیرہ یہ سب رکیک رکیک مضمون ہین۔ مگر معلوم ہوتا ہی کہ غالب کی زبان پر یہ لفظ ضرور تھا ایک جگہ اور کہتے ہین

ع اسد خوشی سے مرے ہاتھ پانون پھول گئے — کہا جو اُسنے ذرا میرے پانو دابو تو دے

مگر وہان محاورہ اچھی طرح صرف ہوا ہے اگرچہ مضمون وہ بھی اچھا نہین معلوم ہوتا۔ مگر سچ ہی کہ ردیف اور قافیہ کی بھاری قید جو اردو کی شاعری مین ہی وہ کبھی کبھی شاعر کو ایسا مجبور اور مجنون کرتی ہی کہ وہ کچھ کا کچھ کہہ جاتا ہی یہی معاملہ غالب کو بیش آیا ہی ورنہ وہ خود کہتا ہے

ع غالب بنود شیوۂ من قافیہ بندی — ظلمی است کہ بر کلک و قلم میکنم امشب

مگر یہان یہ دونون شعر ایسے ہی ہین۔ جنمین قافیہ بندی کے سوا کچھ نہین۔

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور — تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کے پانو

مجھے مرہم کی جستجو کرنے مین وہ زحمت اُٹھانی پڑی ہی کہ وہ اصل مرض سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے اور میرا جسم اتنا فگار نہین ہی جتنے کہ پانو زخمی ہوگئے ہین

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ — ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

مجھے دشت نوردی کا وہ شوق و ذوق تھا کہ مرنے کے بعد بھی خود بخود کفن کے اندر میرے پانون ہلتے ہیں یہ شعر بیت الغزل ہی۔

ہی جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف — اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

چمن مین بہار کا اسقدر جوش ہی کہ طایران چمن کے اُڑتے ہوئے پھولون کے جال مین پانون پھنستے ہین دوسرے نازک معنے یہ پیدا ہوتے ہین کہ اگر وہ اڑنے اور چمن سے باہر جانے کا ارادہ بھی کرتے ہیں تو رونق چمن اونکے لئے دام بنجاتی ہی اور کہین جانے نہین دیتی۔

شب کو کسی کے خواب مین آیا نہو کہین — دکھتے ہین آج اُس بت نازک بدن کے پانو

آج اُس بت نازک بدن کے پانو دکھتے ہین کہین خواب مین شاید وہ گیا ہوگا۔ کیسا شعر ہے۔

ع وہ خواب مین عدو کے گھر آیا گیا نہو — مہندی لگی ہی پانون مین چھالا پڑا نہو

غالب مرے کلام مین کیونکر مزا نہو — پیتا ہون دھو کے خسرو شیرین سخن کے پانو

چونکہ بادشاہ شیرین سخن کے پانو دھو دھو کر پیتا ہون اسواسطے اُن کے اثر سے میرے کلام مین مزا پیدا ہوگیا ہے مزا۔ پینا۔ شیرین۔ خسرو وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب ہین جو نہایت صفائی سے نظم ہوئے ہیں۔

وان پہونچکر جو غش آتا پے ہم ہی ہمکو — صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہی ہمکو

مجھکو وہان پہونچکر جو پے در پے غش آتا ہی یہ خالی از علت نہین ہی بلکہ اس لئے ہی کہ سو مرتبہ میرا جی چاہتا ہی کہ مین اپنے قدمونکو بوسہ دون۔ اور یہ پانون کی توقیر مجھے اس لحاظ سے منظور ہے کہ اُسی کے ذریعہ سے کوچہ محبوب مین جانا ہوتا ہی۔ پیہم بغیر اضافت اور مع الاضافت دونون طریقہ سے صحیح ہی مگر اردو مین بغیر اضافت مستعمل ہی

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہی   کسقدر ذوق گرفتاریٔ ہم ہی ہمکو

میں اپنے دل کو۔ اور میرا دل مجھے دام وفا مین پھنسائے رکھتا ہی اس سے ہمارے لذت آزار کے خوگر ہونے کا پتہ چلتا ہی۔

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن   تیرے کوچہ سے کہاں طاقت رم ہی ہمکو

جس ناتواں کے گلے میں اتنا بھاری طوق ہو اوسمین بھاگنے کی طاقت کہاں باقی رہ سکتی ہے یعنی ایک چونٹی کے پاؤں کا نقش بھی طوق گردن ہی۔

جان کر کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو   یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہمکو

مین تغافل کو بھی منع نہین کرتا آپ شوق سے تغافل بھی کیجئے لیکن تغافل آشنا یانہ کیجئے نا آشنا یانہ کیجئے یہ نگاہ غلط انداز تو ہمکو زہر معلوم ہوتی ہی۔ تغافل جو جانکر کیا جاے گا اُس سے کم ازکم یہ تو امید بندھے گی کہ اب نا آشنا ہو تو کبھی تو آشنا ہوگے۔

رشک ہمطرحی و درد اثر بانگ حزین   نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہی ہمکو

مرغ سحر کی آواز ہمارے لئے تیغ دودم ہی یعنی اوس سے ہمکو دو قسم کے صدمے پہونچتے ہین ایک تو رشک ہم رنگی کا یعنی رونے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ بھی آپکا عاشق ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسکی آواز دردناک ہمپر اثر کرتی ہے

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا   ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہی ہمکو

ہم نے جو سر اڑانے کے وعدہ کی مکرر اُن سے التجا کی۔ تو ہنسکے جواب دیا کہ ہمین تیرے سر کی قسم ہے ضرور اڑائینگے۔ یا یہ کہ ہنسکر کہا کہ تیرا سر اوڑانے کی تو ہمکو قسم ہے ہم نہ اڑائینگے۔

پہلا مطلب صاف ہی۔ ہنسنا۔ اور سر اڑانے پر سر کی قسم کھانا ایک ایسا لطف پیدا کرتا ہے جسے شاعر ہی خوب سمجھ سکتا ہی۔

دل کے خوں کرنیکی کیا وجہ ولیکن ناچار   پاس بیرونقی دیدہ اہم ہی ہمکو

دل کے خون کرنیکی کوئی وجہ نہین مگر مجبور ہیں ہمین اپنی آنکھ کی بیرونقی بری معلوم ہوتی ہی۔ یعنی ہم خون رونے کو رونق دیدہ سمجھے ہوئے ہین۔ یہ شعر بھی بہت خوب ہی۔

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو   ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہی ہمکو

ان دونوں مصرعوں میں حد مشق دکھائی گئی ہے۔ یوں تو ظاہرا برابر کے مصرعے ہیں۔ اس کا مضمون بھی قیامت ہے تم اتنے نازک ہو کہ میری خموشی تمکو فغاں معلوم ہوتی ہے مگر مین اتنا عاجز ہوں کہ تم نے ستم سے ہاتھ اٹھاکر جو انداز تغافل اختیار کیا ہی اُسکو بھی ستم سمجھا۔

لکھنؤ آنیکا باعث نہین کھلتا یعنی   ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہی ہمکو

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ مرزا غالب کہین جاتے ہوئے لکھنؤ مین ٹھہرے۔ کہتے ہین کہ ہمکو لکھنؤ کے آنیکا کچھ سبب نہین معلوم ہوتا سیر و تماشا کی ہوس سو وہ ہمکو بہت کم ہی۔ محض اس لئے دلی سے یہاں آ نہین سکتے۔

مقطع سلسلۂ شوق نہین ہے یہ شہر   عزم سیر نجف و طوف حرم ہی ہمکو

ہمارا سلسلہ شوق سیر یہاں کیا قطع ہو سکتا ہی بلکہ یہ سلسلہ شوق حرم اور نجف اشرف مین جاکر منقطع ہوگا۔

لئے جاتی ہی کہین ایک توقع غالب   جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

ہم کہیں کسی توقع پر جارہے ہیں اور مرکز کاف کرم ہمارے لئے جادہ راہ بنا ہوا ہے یعنی محض کرم کی امید پر ہم کہین جارہے ہین۔

ولن اسکو ہول دل ہی تو یاں میں ہوں شرمسار   یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

وہاں اُسکو ہول دل ہی میں اس سے بیقرار ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ کہیں کمبخت

میری آہ نے اثر نہ کیا حالانکہ اس کا ہول دل محض رقیب کی جدائی میں ہے۔ ایک جگہ بالکل یہی مضمون فارسی میں کہا ہے ؎ دانمش در انتظار غیر عالم زار زار ۔ دامن گرفتہ باشد خوش ابن غم عاشق

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ — آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

اوسکو ذوق ستم اتنا ہے کہ خود آرائی کو بھی اسکے آگے ہیچ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اگر اپنی شکل دیکھتا ہے تو آئینۂ دیدۂ نخچیر میں دیکھتا ہے۔

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو — مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

خیر ہم رشک رقابت کو بھی گوارا کرتے ہیں غیر سے تم راہ و رسم رکھتے ہو تم جانو تمہارا کام جانے مگر مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہے ؎ عدو کے ساتھ ہی آئیں وہ خیر وقت اخیر وہ اب کرینگے گوارا جو عمر بھر نہ کیا

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے — قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

یعنی تم نے محض اس لحاظ سے کہ مجھسے حشر میں کوئی مواخذہ نہو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا رقیب سے قتل کرایا ہے۔ مگر کیا تم اس حیلہ سے بچ جاؤگے۔ رقیب قاتل ہے تم گواہ ہو۔ مواخذہ تم سے ضرور ہوگا۔ یہ شعر بیت الغزل ہے۔

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں — مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

اچھا تمہاری خاطر سے ہم نے یہ بھی مان لیا کہ تم انسان نہیں ہو خورشید و ماہ ہو۔ مگر کیا خورشید و ماہ بھی تمہاری طرح بیجرم آدمیوں کا خون بہاتے ہیں اور ناحق شناسی سے کام لیتے ہیں۔

ابھرا ہوا نقاب میں ہے انکے ایک تار — ڈرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

انکی نقاب میں ایک تار ابھرا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں اور اس شک سے مرا جاتا ہوں کہ یہ کسی کی نگاہ نہ ہو۔

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس میں اس مضمون کو شوخی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ جگہ جو ہمکو مرغوب تھی اور جہاں شراب پینا باعث لطف تھا ہم سے چھوٹ گئی تو خراب مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی جگہ ہم وہیں پی لیں گے۔ اگر صحرا دشت ویرانہ وغیرہ کہا جاتا تو شعر میں یہ خوبی اور یہ شوخی پیدا ہوتی۔ اس زمین میں یہ شعر بھی بہت خوب ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

واعظ بہشت کی جو تعریفیں کرتے ہیں وہ سب سچ سہی لیکن بہشت اسوقت ہمکو اچھی معلوم ہوگی جب وہاں تیرا دیدار دیکھیں ورنہ وہ کچھ بھی نہیں۔

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں — دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

بھی نے اس شعر میں یہ لطف پیدا کیا ہے کہ اول تو بادشاہ کے لئے ضرور ہے کہ غالب جیسا شاعر اور مداح اوسکے دربار میں ہو۔ اور اچھا اگر یہ بھی نہو تو کچھ نقصان نہیں۔ میرا بادشاہ جم جاہ سلامت رہے۔ یہی سب کچھ ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہیں۔ کہ میری عمر بھی بادشاہ کو ملے

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو — کہے سے کچھ نہوا اب کہو تو کیونکر ہو

اب وہ زمانہ گیا جب ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ ہم اُن سے دو باتیں کریں تو ہم اپنے درد و غم کا اُن کے سامنے نقشہ کھینچ دینگے اور وہ ہمپر یقیناً مہربان ہو جائینگے تو وہ موقع بھی میسر ہوچکا اب اپنا تمام دکھڑا بھی اُن کے سامنے رو چکے۔ اور انہیں مطلق رحم نہ آیا۔ اب بتاؤ کیا علاج۔ گویا رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی۔ یا یہ کہ پہلے گفتگو کی تمنا تھی۔ گفتگو ہو چکی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ اگر اب اپنی داستان پھر اونکے سامنے بیان کیجائے تو جو بات پہلے نہ ہوئی اب کیونکر ہوگی۔ یعنی اب وہ کیونکر مہربان ہو جائینگے

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال — کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

گویا کہنے والا وصال کے اصلی معنے ہی نہیں سمجھتا - اور اس سے انتہائے محرومی کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے - وہ کہتا ہے کہ ہم تو وصال کے اتنے ہی معنے سمجھتے ہیں کہ اگر وصال نہو تو کہاں جائیں - اور اگر ہو تو ہونے کی کیا صورت ہے - یہ ویسا ہی انداز بیان ہے جیسا کہ ~ لب تک آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غم سے + اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں - ہیں یہ مولانا نظم اسکی شرح فرماتے ہیں - یعنی اسی فکر ہی میں ہم خوش رہتے ہیں وصال کبھی نصیب نہیں تا ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے　　حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیا کہیے

اگر ہمارا یہی ادب - یہی دلی الجھن - یہی گو مگو کا اور انکا یہی حیا کا عالم ہے تو آخر کیونکر کام بنے گا اور کیا ہوگا -

تمھیں کہو کہ گذارہ صنم پرستوں کا　　بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

تم ہمکو تو کہا کرتے ہو کہ تو ہمکو ہمیشہ بدخوئی کا الزام دیتا ہے مگر لیجئے ہم آپ ہی سے انصاف سے پوچھتے ہیں کہ جیسی تمھاری عادت ہے اگر ایسی ہی معشوقوں کی عادت ہو تو کیونکر بنے اور عاشقوں اور صنم پرستوں کا گذارہ کیسے ہو -

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ　　جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

اگر تم آئینہ دیکھتے ہو تو گھنٹوں اپنے عکس سے الجھتے ہو گستاخی معاف اگر شہر میں تم سے دو چار حسین ہوں تو پھر تو بڑی مشکل ہو جائے پھر تو جینا بھاری کر دیں - آئینہ میں عکس دیکھکر معشوق کا لڑنا یہ عام مضمون ہے - معمولی معمولی شعراء کے دواوین بھی اس سے خالی نہیں ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہے -

بھویں تنتی ہیں آنکھیں سرخ ہیں کچھ کہتے جاتے ہیں + لڑائی لڑتے ہو تم آئینہ رکھکر مقابل میں

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا　　وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

میرا دن اور میری رات یکساں ہے لہذا مجھے مجبوراً اسی روز سیاہ کو جو رات کی طرح ہے دن کہنا پڑتا ہے نہ کہوں تو کیا کروں - سیاہی ہی کا خیال کیا جائے تو گویا دن مجھے

دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا -

یا یہ کہ میرا روز سیاہ رات سے زیادہ تاریک ہے اور مجبوراً میں رات کو دن دن کو رات کہتا ہوں - غالباً عرفی کا شعر ہے ~

ز فروغ آفتابم نبود خبر کہ ہے تو + چو دو زلف تست یکساں شب و روزم از سیاہی

ہمیں پھر اُن سے اُمید اور انہیں ہماری قدر　　ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو ہمکو اُن سے کوئی اُمید اور اُن کو ہماری قدر کیونکر ہو - اس شعر میں (ہ) کو قافیہ کیلئے واؤ بنا لیا ہے - اس لئے کہ یہ ہے (ہ) تلفظ میں نہیں ہے - بلکہ اظہار حرکت ماقبل اس سے مقصود ہے دوسرا واؤ محض اشباع یعنی پر مکر کے پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے - اور یہ صحیح ہے - خود مصنف مرحوم نے اسکو اسی صورت سے دوسری جگہ نظم کیا ہے ~ کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے - اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے - نظم صاحب نے لکھا ہے کہ میر کی زبان پر لفظ وہ بفتح واؤ تھا اور (ہ) ملفوظ تھی یہ شعر اُن کا شاہد ہے ~ کہتا ہے کون تجھکو یاں یہ نکر تو وہ نکر - پھر ہو سکے تو یار ے دل میں بھی ٹک جگہ کر - مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے میر صاحب کی زبان پر وہ بفتح نہ تھا بالضم تھا اور "ہ" دیکھے یہاں بھی مکتوبی ہی تھی ملفوظی نہ تھی بلکہ جگہ کا کاف فارسی اُنھوں نے مضموم کرکے وہی قاعدہ اشباع جاری رکھا - اور یہ لفظ جگہ بضم کاف نواح دہلی میں ابتک بولا جاتا ہے اس سے غالب کا وہ لکھنا صحیح رہتا ہے - اور میر صاحب بھی الزام سے بری ہوتے ہیں ورنہ غالب سے بھی یہ بعید ہے کہ دو دو جگہ ایک لفظ میں دھوکہ کھا جائیں - اور میر صاحب بھی مشکل سے دنیا بھر سے خلاف ہو کر وہ بالضم کو بفتح لکھیں گے -

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا　　نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

ہمکو گمان تھا کہ اُن کے خط سے ہمکو تسلی ہو جائے گی - اور یہ گمان صحیح بھی تھا - کہ المکتوب نصف الملاقات کا مضمون ہے مگر ایسا نہ ہوا دیدۂ دیدار طلب کو خالی خط سے تسلی نہیں ہوتی ہم مجبور ہیں -

جتا وُس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

کوئی بتائے کہ اُسکی مژہ کو دیکھکر مجھکو کیونکر قرار آئے یہ گویا ایک نشتر ہے جو رگ جاں میں اُترا ہوا ہے جس سے قرار آنا غیر ممکن ہے۔ مژہ کی بجائے "مژہ" کا دنبا فارسی مین جائز اور صحیح ہے یا یہ کہ مجھکو سمجھانے والے اُس مژہ کو دیکھیں پھر مجھے میرے سوال کا جواب دیں ۵ کہ گوئی بکژدم گزیدہ منال۔ والا حساب ہے۔

مجھے جنون نہیں غالب ولے بقول حضور
فراقِ یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

غالب مین مجنون نہیں ہون یہ سچ ہے مگر بقول حضور کے مصرع ثانی مین قول ہے جو بہادر شاہ ظفر بادشاہ آخری سلطنت مغلیہ کا کہا ہوا ہے۔ اور یہ غالبًا شاہی فرمایش ہی سے مصنف نے غزل لکھی ہے۔

کسی کو دیکے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منھ میں زباں کیوں ہو

اگر کسیکو کوئی دل دیدے تو پھر آخر فریاد کیون کرے جب پہلو مین دل نہو تو زبان منھ مین کیون ہو۔ یہ غزل غالب کی مقبول عام ہے اور واقعی اسکے شعر ایسے ہین جنکی بندش وغیرہ سحر تک کا مقابلہ کرنیکو تیار ہین۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

انکی عادت ناراضگی کی ہے اور ہم بھی وضعدار ہین۔ وہ اپنی عادت کو نہین چھوڑتے تو ہم کیون اپنی وضع کو نہ نباہین اور اُن سے یہ کیون پوچھکر ہلکے بنیں کہ آخر آپ ہم سے کیون ناراض ہین۔

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

میرے غمخوار نے مجھے رسوا کردیا میرا رنج و غم دیکھکر وہ اسقدر مضطرب ہوا کہ دنیا کو میری حالت کی خبر ہو گئی۔ ایسی محبت جہنم مین جائے جو غم اُٹھا نہ سکے وہ میرا رفیق بننے کی کیا جرأت کرے

دمبدم دیکھو دیکھو رہتا ہے
یار کے در پر ہی نشین ہیں ہم

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

جب ہماری قسمت مین سر پھوڑنا بدا ہے تو پھر کیسی وفا اور کہاں کا عشق جہان جی چاہیگا اپنا سر پھوڑ لیں گے تیرے ہی آستانے پر کیوں سر پھوڑین۔

۵ جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید + مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
اس شعر کی بندش مین وہ چستی ہے جسکی تعریف غیر ممکن ہے۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اسکی تعریف کرنا فضول ہے کیونکہ جسقدر معانی اس شعر مین بھر دیے ہین وہ ادا بھی مشکل سے ہو سکتے ہین اور پھر لطف یہ ہے کہ بندش نہایت چست۔ مضمون موثر اور بجدد دنان ہے گویا ایک طائر قفس مین عرصہ سے مقید ہے اور اسکو چمن و آشیانہ کی کچھ خبر نہین ہے ایک طایر کہین سے آکر اوسکے سامنے آکر بیٹھتا ہے اور یہ اُس سے اپنے نشیمن کا حال بتاتا ہوا ہچکچاتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ طایر مقید نے کل بجلی گرتی ہوئی دیکھی ہے۔ تو جب طاہر نووارد بتانے مین ہچکچاتا ہے تو یہ اُس سے جھنجلا کر کہتا ہے کہ واہ یہ کہتے کہتے تم رہ کیون جاتے خدا نہ کرے جو کل کی بجلی سے میرا آشیان جلا ہو دوسرے مصرع کی داد نہین دیجا سکتی ہے جسمین اسنے مضمون کو بہت خوبی سے ادا کیا ہے کہ باوجود یہ جاننے کے کہ آشیانہ جل گیا ہے کسطرح اپنے دل کو سمجھا بجھا کر تسلی دیتا ہے۔

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

یعنی تم یہ تو کہہ نہین سکتے کہ ہم تیرے دل مین نہین ہین۔ اچھا جب مسلم ہو گیا کہ آپ دل مین ضرور ہین تو پھر براہ عنایت یہ بھی بتا دیجیے۔ کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھون سے نہان کیون ہو۔

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

تم مجھ سے میرے جذب دل کا شکوہ فضول کرتے ہو کہ تیرا جذب محبت ہمکو کھینچتا ہے اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو۔ کہ ادھر میرا جذب دل تم کو کھینچے اُدھر تم کھینچو اسی مضمون کو اسی زمین مین مرزا غالب کے ایک شاگرد جناب سخن دہلوی تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یون لکھتے ہین۔

؎ کرے گر وہ مرے جذب دل بیتاب کا شکوہ
سخن پھر مجھکو اُس بت سے شکایت درمیان کیون ہو

مگر غالب کے یہان یہ مضمون نہایت اچھے طریقے سے بندھا ہوا ہے۔ اُستادی اور شاگردی کا فرق ظاہر ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسمان کیون ہو

اسمین اضمار قبل الذکر ہے۔ یعنی جسکے تم دوست ہوئے اوسکا دشمن آسمان کیون ہو۔ آپکی دوستی کیا کسی کی خانہ ویرانی اور بربادی کے لئے کچھ کم ہے۔ یہ بھی ایک فتنہ ہے سخن صاحب نے اس مضمون کو بھی اسطریقہ سے ادا کیا ہے ؎

ستم جو کچھ ہین مجھ پر ہین فقط تیرے تغافل سے
اگر تو دوست ہو تو میرا دشمن آسمان کیون ہو

یعنی چونکہ تو دوست نہین ہے اس لئے آسمان مجھ پر ستم کرتا ہے اگر تو دوست ہو جاے تو اسکو مجھ پہ ستم کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ ہے۔

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہین
عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو

حال تو یہ ہے کہ رقیب روسیہ کے آپ ہو چکے اور پھر مجھے آپ ستاتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہین کہ ہم تو اسکی محبت کا امتحان کرتے ہین۔ کیون صاحب اسکا نام امتحان ہے تو ستانا کس جانور کا نام ہے۔ اگرچہ غالب کے یہان یہ مضمون بہترین طریقہ سے ادا ہوا ہے۔ مگر مرزا داغ نے اسی مضمون کو زبان کی لطیف چاشنی دیکر اتنی ترقی دیکر ادا کیا ہے کہ تعریف نہین ہوسکتی۔ گویا شراب دوآتشہ ہے بلاحظہ ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ ایک مشاق شاعر اگر کسی مضمون کو دوسرے شاعر سے لیتا ہے تو اپنے حسن بیان کے سبب سے اتنی گنجائش باقی نہین رکھتا ہے کہ پھر اسپر کوئی سرقہ یا اتباع کا بھی الزام لگا سکیں بلکہ وہ مضمون کو اپنا کر لیتا ہے۔

؎ ہو چکا قطع تعلق تو جفائین کیوں ہوں
جنکو مطلب نہین رہتا وہ ستاتے بھی نہین

کہا تم نے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

گویا معشوق سے کہا گیا ہے کہ دیکھو غیر کے ملنے میں تم رسوا ہو جاوگے اور وہ ستم شعار ناعاقبت اندیش جھلا کر جواب دیتا ہے کہ غیر کے ملنے میں کیوں رسوائی ہوگی۔ اسپر یہ دوسرا مصرع پڑھتا ہے بجا ہے درست ہے ذرا پھر تو کہو کہ ہان کیون رسوائی ہو۔ اس کہلانے سے گویا اسکو واقعات یاد دلانے چاہتا ہے کہ دیکھو کیا مشہور ہو رہا ہے مجھے ایک شعر بیخود صاحب دہلوی کا یاد ہے مگر اسکے شاید کچھ الفاظ بدل گئے ہین پھر بھی میں لکھتا ہوں۔

؎ سنا ہے کچھ اڑا رکھی ہیں خبریں کیسی دشمن نے
[illegible] تو میرا کہنا اور جاؤ بزم دشمن میں

نکالا چاہتا ہے کام طعنوں سے تو اے غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیون ہو

حضرت غالب اب طعنے دے دے کر کام نکالنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایسا نہین ہے کہ آپکے ان دمون مین آجاے اور آپ کے بے مہر کہنے سے مہربان ہو جائے۔ ایک شعر مرزا داغ دہلوی کا ہے کیا خوب فرمایا ہے۔

؎ دھمکیاں دیتے ہو تم جذبہ دل کی اے داغ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

رہیئے اب ایسی جگہ چلکر جہان کوئی نہو
ہم سخن کوئی نہو اور ہم زبان کوئی نہو

دنیا کے دوستون سے ہم تنگ ہو گئے اور عاجز آگئے لہذا اب ایسی جگہ چلنا چاہیئے جہان کوئی نہو نہ کوئی ہمارا ہمزبان ہو نہ کوئی ہم سے بات کرنیوالا ہو کہ ہم کو کوئی رنج پہونچ سکے

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو

جب در نہین ہے تو دربان کیسا۔ اور جب دیوار نہیں تو ہمسایہ کہاں۔

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خوان کوئی نہو

بیمار پڑ جائین تو کوئی تیمارداری کے لئے نہ آئے اور مر جائیں تو کوئی نوحہ خوانی

نہ کرے۔ یعنی ہمکو پھر ان لوگوں کی جنسے نفرت ہے صورت نہ دیکھنی پڑے۔ تینوں شعروں مین بے کسی کی تصویر کھینچدی ہے۔

ردیف "ہ"

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ　　طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

آفتاب سے لیکر ذرہ تک دل ہی دل ہے اور دل آئینہ کی صورت ہے تو گویا اس طوطی کو ہر طرف سے آئینہ میں اپنی شبیہ نظر آتی ہے۔ طوطی اور آئینہ مشہور مضمون ہے۔ مضمون شعر کچھ ایسا ہے کہ تا دیل مشکل ہے یعنی اگر غور کیا جائے تو تمام دنیا متحد بوجود واحد ہے۔

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ　　جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں نہ پوچھ

میرے گھر مین گریہ وزاری کی نمی سے تمام جگہ سبزہ اُگا ہوا ہے اور یہ گویا میرے گھر کی بہار ہے جس سے ویرانی کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر خیال کیجیے جسکی بہار یہ ہے جو خزاں سے بدتر ہے تو خزاں کی کیا حالت ہوگی۔ مصنف نے سبزہ کے اوگنے کا کئی جگہ اعادہ کیا ہے۔ جیسے کہ

شعر　اُگا ہے گھر مین سبزہ میری ویرانی تماشا کر　　مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

یا شعر　اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب　　ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے　　دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

جبوراً ہمکو اب بیکسی کی بھی حسرت اُٹھانی پڑتی ہے۔ یعنی ایسی چیز کی حسرت کرتے ہیں جسکی کوئی حسرت نہیں کرتا۔ مگر بیکسی کو ہم ایسے ہمراہیوں کے ہونے سے اچھا جانتے ہیں جو ظالم ہیں اور جنکی وجہ سے راستہ طے ہونا دشوار ہو گیا ہے۔

مولانا حسرت صاحب نے اسکی یہ شرح لکھی ہے۔ ستم ہمرہاں اس لحاظ سے کہا کہ ان کی موجودگی کے باعث سے بے کسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑتی ہے۔ کیونکہ جب لوگ ہمراہ ہیں تو ہم اپنے آپ کو بے کس بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ مطلب بھی اس شعر سے پیدا ہو سکتا ہے بعض جگہ مصرع ثانی اس صورت سے ہے۔ دشواری رہ ستم ہمرہاں نہ پوچھ۔

یعنی راہ ظلم ہمرہاں کا کاٹنا سخت دشوار ہے جس سے ہم بیکسی کی حسرت اُٹھاتے ہیں کہ کاش ہم بیکس ہوتے تو اس راہ کو طے نہ کرنا پڑتا۔

ردیف یا (ی)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے　　طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نظر اُٹھائیں تو جلوہ ہائے گوناگوں دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ہم میں طاقت نہیں ہے کہ نظارہ کا احسان اُٹھائیں۔ یہ ہمارے لئے بہت دشوار ہے۔

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق　　یعنی ہنوز منت طفلاں اٹھائیے

معاش جنوں کا فرمان سنگ طفلاں پر لکھا گیا ہے۔ یعنی جنوں کی معاش کا دار و مدار سنگ طفلاں پر ہے اسکے یہ معنے ہیں کہ دیوانہ ہو کر بھی خوشامد اور احسان کی ضرورت باقی رہتی ہے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم　　اے خانماں خراب نہ احساں اُٹھائیے

دیوار کا خم ہونا محض مزدور کے بار احساں سے ہے لہذا ہرگز کسی کا احسان نہ اُٹھانا چاہئے دیوار کے خم ہونیکی تمثیل کی تخصیص محض خانماں خراب کی رعایت سے ہے۔ غالب نے بار بار اس مضمون کا اعادہ کیا ہے مگر مختلف صورتوں مین۔ اس سے اونکی عادت پر ایک روشنی پڑتی ہے کہ وہ کیسے غیور تھے۔

شعر　نہ پکڑین دامن الیاس گرداب بلا میں ہم　　کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے　　یا پردہ تبسم پنہاں اٹھائیے

یا تو میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے یعنی لوگوں سے یہ شکایت نہ کرتے پھریے کہ یہ جلتا ہے اور رشک کرتا ہے یا یہ جو رقیبوں کے ساتھ آپ چھپ چھپ کر ہنستے ہیں اس پردہ کو ہٹائیے اور ہنسنا چھوڑ دیجیے۔ زخم رشک کو رسوا کرنا محض پردہ اور تبسم پنہاں کی رعایت سے کہا گیا ہے۔ یہ شعر بیت الغزل ہے اور اسکی بندش نہایت چست ہے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے　　بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

مسجد کو بوجہ محراب وغیرہ کے ابرو سے اور آنکھ کو بہ لحاظ مستی کے میخانہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مصنف یہی ثبوت پیش کرتا ہے کہ مسجد کے پاس ایسے ہی شراب خانہ کی ضرورت ہے جیسے آنکھ کے پاس ابرو کی۔ بھوں اگرچہ صحیح ہے اور محاورہ میں یہ مفرد بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر یہاں بہت ہی برا معلوم ہوتا ہے۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر　　آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

آپ بھی ایک اور شخص پر عاشق ہوئے ہیں اچھا ہوا میرے اوپر یا دوسرے عشاق پر جور و جفا کی اسکی کچھ سزا ملنا چاہیئے تھی۔ اب اسیطرح انکو بھی رنج اوٹھانے پڑینگے جیسے کہ مجھے انکی جدائی میں صدمہ جھیلنے پڑتے ہیں۔

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا　　ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

یعنی باغ میں انواع و اقسام کے پھول کھلے ہوئے ہوتے ہیں ہر ایک کی بو جدا اور رنگ علیحدہ ہوتا ہے مگر بہار کا ثبوت ہر ایک سے ملتا ہے۔ بہار سب میں پوشیدہ ہے۔

سر پائے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی　　رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

بیخودی کے وقت خم کے پاؤں پر لوٹنا چاہیئے اور مناجات کے وقت قبلہ کی طرف منھ کرنا چاہیئے یعنی ہر وقت حسب موقع وقت کا کام کرتا رہے۔ نواب مصطفٰے خاں صاحب شیفتہ فرماتے ہیں۔

ع پانی وضو کو لاؤ رخ شمع زرد ہے　　مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

یعنی بہ حسب گردش پیمانہ صفات　　عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہیے

یعنی جس صفت کو دیکھیے اوسی پر ذات کو یاد کر کے مست و بیخود ہو جانا چاہیئے کہ صفت لوازم ذات سے ہے۔

بساط عجز میں تھا اک دل یک قطرہ خوں وہ بھی　　سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

میرے بساط عجز میں محض یک دل تھا وہ دل بھی ایسا جو ایک قطرۂ خوں سے زیادہ نہ تھا اسکی بھی یہ کیفیت ہے ٹپکنے اور بہ جانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور وہ بھی سرنگوں ہو کر جس سے پتہ چلتا ہے کہ فوراً بہ جانے والا ہے۔ اسی مضمون کا یہ شعر غالباً علامہ فیضی کا ہے۔

ع دریاب کہ ماندست ز دل قطرۂ خونے　　آں قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اسی سے ترجمہ کیا ہے مگر شان استادی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے فارسی میں محض قطرۂ خون کو لبریز چکیدن سے ترقی دی ہے غالب نے ترقی در ترقی کا منظر دکھایا ہے بساط عجز۔ اوسمیں ایک دل۔ دل بھی ایک قطرۂ خون قطرہ خوں بھی آمادہ چکیدن۔ آمادہ چکیدن بھی بحالت سرنگونی۔ دلکو باندازِ چکیدن کہنا لطف سے خالی نہیں ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ چکیدن مصدر فارسی ہے مگر یہاں بے تکلفی سے صرف ہوا ہے اور چنداں برا نہیں معلوم ہوتا۔

دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی　　ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے

اے فلک کچھ نہ کچھ تو مجھے اون رنج اور غموں کا بدلہ دے کچھ تو مجھے خوشی حاصل ہو دوسرا لطیف پہلو یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ نہیں کرتا تو کم از کم میرے دل حسرت پرست کی داد ہی دے۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری　　تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

معشوقوں کے لیے ہمنے مصوری سیکھی ہے آخر حصول ملاقات کا کوئی تو ذریعہ چاہیئے کبھی نہ کبھی تو وہ تصویر کھنچوانے کے لیے ہمکو بلائینگے۔ مولانا نظم مصوری کو شاعری کا کنایہ ٹھیراتے ہیں۔ فارسی میں فرماتے ہیں۔

ع خود را ہمی بہ نقش طرازی علم کنم　　تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

میرا پینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ نشاط اور سرور رہو۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ہر وقت ایک بے خودی رہے تاکہ ذرا اپنے غم کو بھولا رہوں۔

نشوونما ہے اصل سے غالب فروع کو — خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

یہ ایک قطعہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے جس میں مصنف اس بات کے ثبوت میں کہتا ہے جو بات پیدا ہوتی وہ خاموشی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی پہلے آدمی خاموش ہو کر کچھ سوچتا ہے پھر اُن باتوں کا اظہار کرتا ہے تو گویا ہر کلمہ کی اصل خاموشی ہے۔ اور اسکی مثال۔ ہے کہ جڑ سے ٹہنیوں کو طاقت پہونچتی ہے حالانکہ جڑ پوشیدہ ہے اس شعر میں خاموشی کی ی دبتی ہے۔ اور یہ مصنف نے بربنائے قاعدہ فارسی صحیح سمجھا ہے مگر بعض اہل لکھنؤ یائے الفاظ فارسی کا گرانا جائز نہیں قرار دیتے۔ اپنی طبیعت کا ہر شخص مختار ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب محاورہ میں ے کا گرنا جائز ہے بلکہ بعض جگہ اگر نہ گرائی جائے تو محاورہ بُرا اور بھونڈا معلوم ہوتا ہے تو پھر شعر میں اس قاعدہ کو دیکھتے ہوئے کہ جو کچھ بولو وہی لکھو۔ اسکا گرانا کیوں کر ناجائز قرار دیا جا سوائے زبردستی کے اور کچھ نہیں۔ اسی لئے آتش وغیرہ نے اسکی پابندی نہیں کی ہے۔ بلکہ متقدمین میں تو اکثر ایسے ہیں کہ اُنھوں نے الف اور یے واؤ ہی نہیں بلکہ بہت سے حروف کا گرنا عیب نہیں سمجھا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے — تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

چند روز از راہ تکلف ہم اپنے معشوق سے آزردہ رہے وہ بھی ایک انداز جنون تھا۔ مصرع ثانی میں جو محاورہ تکلف برطرف استعمال کیا گیا ہے وہ نہایت برمحل صرف ہوا ہے جس سے شعر میں ایک صنعت لفظی یہ پیدا ہو گئی کہ تکلف (یعنی تصنع سے ہم اوس سے آزردہ تھے۔ تکلف کو اٹھا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک انداز جنون تھا۔ ورنہ معشوق سے آزردہ ہونا اپنے آپ سے آزردہ ہونا ہے۔

خیال مرگ کب تسکیں دل آزردہ کو بخشے — مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی

صرف ایک موت کے خیال سے مجھے کیا تسکین ہو سکتی ہے کیونکہ میری تمنا کے جال میں

ایسے ایسے ہزاروں شکار آیا کرتے ہیں۔ ایک معمولی سا شکار یہ بھی ہے۔ یعنی جیسا کہ ایک مشکل کام مرنا ہے اس قسم کے ہزاروں خیال میں کیا کرتا ہوں۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم — کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

اے ہمدم میں نے سمجھا تھا کہ رو کر دل کی بھڑاس نکل جائیگی۔ مگر کیا معلوم تھا کہ رونے سے اور بھی زیادہ دل میں درد پیدا ہو جائے گا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں ہرگز نہ روتا۔ مصرع ثانی میں تین اضافتیں پے در پے آئی ہیں۔ اگرچہ یہ جائز ہے۔ مگر وہیں تک کہ شعر میں اک لطف اور تازگی باقی رہے۔

نہ اتنا بُرشِ تیغ جفا پر ناز فرماؤ — مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موج خوں وہ بھی

غالباً آپ کو ناز ہے کہ میری تیغ جفا کی بُرش نے عاشق کا کام تمام کیا۔ مگر آپ کا یہ ناز قریب قریب بالکل فضول ہے کیونکہ آپ کی تلوار بھی میرے دریائے بیتابی میں ایک موج سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ یعنی بے انتہا ایسی موجیں ہیں جنمیں سے ایک یہ بھی سہی۔ یعنی صرف آپ ہی کی تیغ جفا نے مجھے نہیں مارا بیتابی نے بھی بہت سی تلواریں میرے اوپر چلائیں۔

مے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجیے — لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی

ساقی گردوں سے شراب عیش کی ہم کیا تمنا کریں۔ کیا ہم دیکھ نہیں رہے کہ دو چار الٹے پیالے لئے بیٹھا ہے شراب عشرت انمیں کہاں رکھی ہے۔ ایک دو چار سات ہوتے ہیں یعنی سات آسمان بالکل اسی مضمون کا مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے۔

س آسمان جام نگوں داں کز مئے عشرت تہی ست — جستن مے از تہی ساغر نشان ابلہی است

مرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوہ ہجراں — خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

غالب میرے دل میں وصل کا شوق اور جدائی کا شکوہ بھرا ہوا ہے خدا کرے کہ جلد وہ دن آئے کہ مجھے اُس سے یہ دونوں سنانے کی نوبت آئے۔

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے — تنگ آگئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

معشوق اسقدر خوشامد پسند واقع ہوئے ہیں کہ بات ہمارے لبوں سے خفا ہو گئی یعنی اب ہم سے خوشامد نہیں کی جاتی دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ معشوق کے سامنے بوجہ رعب حسن وغیرہ کے لب سے بات نہیں نکلتی اور وہ چاہتی ہے کہ ہم اُس کی خوشامد کریں تب وہ کہیں ہمارے لب تک آئے۔

ہے دورِ قدح وجہ پریشانی صہبا — اکبار لگا دو خُمِ مے میرے لبوں سے

بار بار پیالہ میں بھرنے سے شراب گرتی ہے اس سے یہ مناسب ہے کہ خم مے اکدم میرے منہ سے لگا دیا جائے اسکے گرنے سے مجھے نقصان پہونچتا ہے۔ جناب آرزو صاحب لکھنوی فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں

ع ساقیا نقصانِ جاں ہے میر نیض بسجول — جتنے قطرے مے کے ٹپکے خون اتنا جل گیا

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد — زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

اے زاہد وہ رندان بادہ نوش جو قب دروزِ میخانہ کے در پر رہتے ہیں کہیں ان کا مقابلہ نہ کر بیٹھنا کہیں ان سے کچھ کہہ دینا شراب کی حرمت ان کے سامنے بیان نہ کرنا یہ بڑے گستاخ ہیں۔ طرف ہونا محاورہ فارسی ہے اُردو میں متروک اور ناقابل استعمال ہے۔ اسی مضمون کا ایک شعر فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کا ہے۔ جسکے بتبذل مضمون کو شوخیٔ بیان نے چار چاند لگا دئے ہیں۔

ع زاہد نہ چھیڑ ان کو مستانے آدمی ہیں — تجھ کو لپٹ پڑینگے دیوانے آدمی ہیں

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر — ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

بیداد وفا ملاحظہ کیجیے۔ یعنی اُس وفا نے جو تیرے عشق میں مجھے کرنی پڑتی ہے یہ ظلم ڈھایا ہے کہ اگرچہ میری جان کو لبوں سے بہت ربط اور محبت تھی یعنی وہ ہمیشہ ہونٹھوں پہ رہتی تھی مگر اسی بیداد وفا کی بدولت اُسنے لبوں کو چھوڑ دیا۔ اور گویا دو ایسے شخص

جدا ہوئے جنمیں محبت تھی۔ اور دو دلوں کو جدا کرنا بڑا ظلم ہے اسی واسطے بیداد وفا کہا ہے۔

تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا — سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

معشوق کے انتہائے رنج، شوخی۔ اور سفاکی کا حسین نقشہ کھینچا ہے۔ کہ اگر کوئی ہمارا ذکر اوسکے سامنے چھیڑتا ہے تو وہ سن لیتا ہے کہ ہمکو موقع شکایت باقی نہ رہے۔ یا ہم اُس کے رنج کا اندازہ کرکے اوس سے معذرت چاہیں یا یہ شکایت کریں کہ آپکو ہمارے نام سے بھی نفرت ہے۔ اگرچہ ہمارا ذکر کبھی نہیں کرتا۔ یہ ظلم اور بھی ظلم ہے کہ ہماری حالت سنکر بھی اُسکو رحم نہیں آتا اور وہ ہمارا کبھی ذکر نہیں کرتا۔

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم ان کو — وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

نہایت بلیغ شعر کہا ہے جسکے اتنے معنے پیدا ہوتے ہیں (کہ غالب) یعنی عاشق رو رہا ہو اور کہتا ہے کہ کوئی میرا حال اُن کو سنا دے اسپر کسی دوست کو ترس آتا ہے وہ حال سنانے کے لئے تیار ہوتا ہے اور معشوق کے پاس جانے کا قصد کرتا ہے تو یہاں گدگدی سی پیدا ہوتی ہے اور جناب عاشق اپنے پیامبر دوست سے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسی صورت بھی نکالنا کہ ایک گھڑی بھر کے لیئے وہ ہمکو اپنے پاس بلائے تو وہ دوست جھنجھلاتا۔ اور کہتا ہے کہ حال تو ہم اُنکو سنا دینگے اسکے ذمہ دار نہیں ہوتے کہ وہ تمکو اپنے پاس بلا بھی لیں۔

دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ غالب بے ہوش پڑا ہے۔ کوئی آتا ہے اور پکارتا ہے کہ اُٹھ غالب اُٹھ تیرا احوال ہم اونکو سنا دینگے۔ خیر یہ بھی یہ کام ہم سے ہو سکتا ہے کہ دینگے حال بلا لینا یہ اون کا کام ہے ہم اسکا ذمہ نہیں کر سکتے۔ یا یہ کہ باتوں باتوں کسی نہ کسی طرح تیرا احوال ہم اُن کو ضرور سنا دینگے وہ سنکے بلائیں یا نہ بلائیں معشوق کے غرور اور عاشق کے شوق کا بھی اس شعر سے پورا پتہ چلتا ہے۔

دراصل شاعری اسی کا نام ہے جسمیں قلیل الفاظ میں معانی کثیرہ پائے جائیں۔ اور جس جس پہلو کو مصنف دکھانا چاہا ہے وہ نہایت عمدگی کے ساتھ تصویر بنکر پڑھنے والے کے سامنے آجائے۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا — وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

میرے گھر میں رکھا ہی کیا تھا کہ تیرا غم اوسکو غارت کرتا۔ ایک حسرت تعمیر تھی وہ اب بھی موجود ہے اسے کمبخت عشق نے بھی غارت نہ کر دیا۔ اسی قسم کا ایک شعر گذر چکا ہی ہے۔

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی — فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

اول تو غم دنیا کیوجہ سے سر اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی اور اگر اتفاق سے فرصت بھی ہوتی ہے تو اُدہر آسمان کو دیکھا ادہر تو مجھے یاد آیا۔ کیونکہ ظلم وستم کے وجہ سے تو آسمان سے مماثل اور اسکا ہمسر ہے اسی بہانے سے غم کا سامنا ہوجاتا ہے یعنی غم سے فرصت پاکر سر اٹھانا بھی میرے لئے باعث غم ہے۔

کھلے گا کسطرح مضموں مرے مکتوب کا یارب — قسم کھائی ہے اوس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

یا الٰہی میرے مکتوب شوق کا مضمون اس پر کیونکر ظاہر ہوگا کیونکہ اس کافر نے تو قسم کھائی ہے کہ اب جو کاغذ بطریق خط میرے پاس آئیگا۔ یا ہر کاغذ کو میں جلا دوں گا تو یقیناً اب وہ میرے مکتوب سے باخبر نہیں ہوسکتا مولانا نظم و حسرت صاحبان نے اسکی شرح یہ فرمائی ہے کہ خط کے کھولنے کی تو اس سے امید ہی نہیں اوسنے جلا ڈالنے کی بھی قسم کھائی ہے کاش کے جلاتا اور مکتوب سے شعلہ اٹھتا تو مضمون مکتوب یعنی حال سوز و گداز اسپر ظاہر ہوتا۔ یہ مطلب بھی پیدا ہوتا ہے غلط نہیں ہے۔ مگر ذرا بعید ہے۔ صاف وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا۔

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے — ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

سوز غم دل میں چھپانا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے آدمی آگ پرنیاں یعنی حریر میں لپیٹ سکتا ہے مگر سوز غم دل میں نہیں چھپا سکتا۔ بقول غالب۔

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا — جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

مضمون دونوں ایک ہیں مگر الفاظ کا لباس جدا جدا ہے۔

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا — اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ارادہ یہ تھا کہ ذرا اپنے زخمیوں کو دیکھ آئیں مگر سیر گل کا بہانہ کیا۔ گویا گل اوسکے زخمی تھے اونکا تماشہ دیکھنے گیا تھا ذرا بہانے کی شوخی تو دیکھئے کہ اپنے زخمیوں کے دیکھنے کو پھول کی سیر سمجھتے ہیں۔ قریب قریب ایسا ہی مضمون ہے جو گذر چکا۔

ہوا ہے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل — کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا — ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

ہم اپنی سادگی سے اس التفات ناز پر مر مٹے کہ تو یہاں تک آیا۔ یعنی ہمکو دھوکہ ہوا کہ تو نے ہم پر مہربانی کی حالانکہ یہ بھی ایک تیرا ناز تھا۔ یعنی ادھر آیا اودھر جانے کا قصد ہے گویا آنا جانے کی تمہید بن گیا۔ اور اس سبب سے یہ التفات ناز ہو گیا۔

لکدکوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی — مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

مری طاقت سے اب حوادثات زمانہ بھی نہیں اٹھ سکتے یا ایک وقت میں یہ ایسی قوی تھی کہ بتوں کے ناز اٹھانے کی ضامن تھی۔ گویا نازِ بتاں لکدکوب حوادث سے زیادہ ہے۔ یا یہ کہ میری طاقت ضامن اس بات کی تھی کہ بتوں کے ناز اٹھائے آخر یہ اسکے ساتھ لکدکوب حوادث کا طوفان کیسا آیا۔ میری طاقت اس کا تحمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب — بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

اہل جہاں کے اوضاع شریفانہ کی کیا خوبی بیان کروں جس سے بارہا ہم نے نیکی کی اونے ہمسے بدی کی۔ نیکی۔ اسمیں قافیہ معمولہ ہے۔ قواعد قافیہ میں معمولہ قافیہ کو عیوب میں سے سمجھا گیا ہے۔ مگر آجکل اسکو صنعت میں داخل کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ اب بھی شعر کو ویسا ہی سست کر دیتا ہے جیسا کہ پہلے کرتا تھا اور جسکی وجہ سے یہ عیوب میں داخل کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ اول تو توانی ہی کی قید ہماری شاعری میں ایسی ہے کہ شاعر کو

کچھ سے کچھ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اسکے ساتھ جب صنعتوں وغیرہ کا التزام کیا جاتا ہے تو رشتۂ معانی اور فصاحت و بلاغت سب غائب ہو جاتے ہیں اور شعر جسکی صفات میں سادگی جوش حقیقت اثر وغیرہ ہیں وہ بالکل رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سے ہمیشہ احتراز لازم ہے۔ البتہ بے تکلفی کے ساتھ اگر کوئی صنعت آجائے تو وہ حسن شعر ہے

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

آرزو خرامی سے مراد آرزو کا چکر لگانا۔ اور گشت کرنا ہے نہ یہ کہ جیسے مولانا نظم سمجھے ہیں کہ آرزو خرامی سے مراد خرام حسب آرزو مراد ہے۔ اور اسی بنا پر ترکیب کو اہمیات قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے آرزو تو جو دل میں پھرتی ہے اور اُمید رکھتی ہے کہ جوش گریہ سے کچھ نفع حاصل ہوگا سو یہ بخیر ہے اس سے ہاتھ دھو بیٹھ یعنی نا اُمید ہو جا۔ (جوش گریہ سے ہاتھ دھو بیٹھنا بے مثل ٹکڑا ہے۔ یعنی اس سے بس اتنا ہی فائدہ متصور ہے کہ تو ہاتھ دھو بیٹھے باقی کچھ نہیں) کیونکہ دل جوش گریہ میں ایک ڈوبی ہوئی آسامی ہے (ڈوبی ہوئی اسامی وہ جس سے لگان وغیرہ وصول ہونے کی امید نہو) یعنی اس سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا ڈوبی ہوئی اسامی بھی اس محل پر خوب صرف ہوا ہے۔

اسامی جمع ہے اسم کی چونکہ زمیندار اپنے کاغذات میں فہرست وار کاشتکاروں وغیرہ کا نام لکھتے ہیں اس صورت سے اسامی مستقل کاشتکاروں اور قرضداروں وغیرہ کے معانی کے لیے موضوع ہو گیا۔ اور یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے قارورہ جسکے اصل معنی شیشی کے ہیں چونکہ طبیبوں کو اسمیں رکھکر پیشاب دکھاتے ہیں اسواسطے اسکے مستقل معنے پیشاب کے مقرر ہو گئے۔ اس قسم کے ہزارہا الفاظ مل سکیں گے۔ فارسی میں اسی قسم کے محاورے بہت ہیں۔

اُس شمع کی طرح سے جسکو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

جس شمع کو کسی نے بجھا دیا ہو اور وہ تمام دم جلنے پائی ہو میں بھی ایسا ہی ہوں کہ پورے طریق سے جلنے نپایا تھا کہ مجھے بجھا دیا۔ اور میں اس سے جلگیا ہوں۔ اسی مضمون کا شعر ہے جو گذر چکا۔

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے
اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

کیا تنگ ہم ستمزدگاں کا جہان ہے
جسمیں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہم غمزدوں ستم رسیدوں کا جہان اتنا تنگ ہے کہ ایک بیضہ مور اُسمیں آسمان کی برابر ہے یعنی جہان میں ہمارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ (ستمزدگاں) اچھا نہیں ہے۔

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

کائنات کی حرکت تیرے ذوق کی وجہ سے ہے۔ یعنی شوق میں تیری طرف دوڑ رہی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ آفتاب کے پرتو سے ذرہ میں جان پڑ جاتی ہے۔

حالانکہ ہے یہ سیلیٔ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

میرا شیشہ پتھر کی چوٹ کھاکر لالہ رنگ ہو رہا ہے لیکن غافل کو یہ گمان ہے کہ اسمیں شراب سرخ بھری ہے۔

کی اُسنے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

وہ سینۂ اہل ہوس یعنی رقیبوں میں جاکر رہا ہے اور سے پسند کیوں نہ آئے وہ مکان ٹھنڈا ہے یعنی اونکے دلوں میں سوز عشق تو ہے نہیں۔ (جا گرم کرنا) فارسی کا ترجمہ ہے جو ٹھنڈے مکان کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ مگر کچھ اچھا نہیں ہے۔

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منھ میں زبان ہے

کیا آپنے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس رہنے دو نہ تو ہمارے منھ میں بھی زبان ہے کچھ در منھ سے نکل جائیگا۔ ایسے مضمون کا ایک شعر انور دہلوی شاگرد مرزا غالب و ذوق مرحوم کا مجھے یاد ہے جو بہت ہی خوب ہے۔

شعر: نہ میں سمجھا نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں — فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

جو سایۂ دیوار یار میں بیٹھا ہے وہ گویا ہندوستان کا بادشاہ ہے۔ چونکہ ہندوستان بھی کالا ملک ہے اور سایہ بھی سیاہ ہے اسواسطے ہندوستان کی تخصیص بیجا نہیں ہے۔ اسمیں اعلان نون بعد اضافت کیا گیا ہے جو اب متروک ہے مگر غالب اور ذوق وغیرہ کے وقت تک جائز تھا اور اس قسم کے اشعار ان بزرگوں کے کلام میں اکثر مل سکتے ہیں۔

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا — کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

میرے جگر کو داغ غم نے ایسا کھا لیا۔ کہ اب اگر کسی سے یہ کہوں کہ میرا داغ جگر کا نشان ہے تو کسی کو میرے اس کہنے کا یقین نہیں آسکتا۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ اسکے جسم میں پہلے جگر تھا بلکہ سب جھوٹ سمجھیں گے کسیکا شعر ہے

ہوتا جو دل تو تمکو دکھاتا میں داغ دل — اب کیسا دکھاؤں اب تو نہ دل ہے نہ داغ ہے

ہے بارے اعتماد وفاداری اسقدر — غالب ہم اسمیں خوش ہیں کہ نامہرباں ہے

ہم اس سے خوش ہیں کہ وہ ہمپر نامہربان ہے کیونکہ ہم اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمپر اسکو وفاداری کا اعتماد ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ہم کیسے ہی نامہربان ہوں لیکن وہ وفا کو ترک نہ کرے گا۔ یا یہ کہ اسکے عہد بیوفائی کے ایفاء سے ہم خوش ہیں۔

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے — کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

اے ظالم میرے درد سے تجھکو بیقراری ہے ہائے تیری غفلت شعاری کیا ہو گئی کہ میں مرتا اور غم کرتا تھا تجھے اوسکی پروا بھی نہ ہوتی تھی۔ یہ غزل تمام اپنی معشوقہ کے مرثیہ میں کہی ہے یا کسی دوسرے کو اوسکے معشوق کا مرثیہ لکھکر دیا گیا ہے۔ مگر جیسے درد کے شعر ہیں ان سے صاف صاف یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ سب آپ بیتی ہے دوسرے کے لئے ایسے دردانگیز اشعار نکلنا محال ہیں۔

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ — تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

اگر تو مجھے رنجیدہ دیکھکر برداشت نہ کر سکتا تھا تو تو نے میری غمگساری کا کیوں دم بھرا تھا مجھ سے بیخبر رہنا تیرے لئے اچھا تھا۔

کیوں مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال — دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

تو نے میری غمخواری کا ارادہ کیا تھا۔ مگر میرے درد کی تو تاب نہ لا سکا اور آخر اپنی جان کھو دینی پڑی گویا میرے ساتھ دوستی کرنا اپنے ساتھ دشمنی تھی۔

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا — عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

اگرچہ تو نے میرے ساتھ عمر بھر کے لیئے وفا کرنے کا عہد کر لیا تھا۔ مگر کیا فائدہ ہوا کم بخت عمر بھی تو نا پائدار ہے آخر اسنے دغا دی۔ تو خود مجھ سے جدا نہوا تو اسنے جدا کر دیا۔

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی — یعنی تجھسے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

مجھے زندگی کی آب و ہوا زہر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسکی تجھ سے موافقت نہ تھی۔ لہذا چونکہ وہ تیری دشمن تھی میں بھی اوسکا دشمن ہوں اور وہ مجھے بری معلوم ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ تیرے مرنیکی وجہ سے اب میرا بھی جینے سے دل بیزار ہے۔

گلفشانیہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا — خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

کبھی تیرا جلوہ گلفشانی کیا کرتا تھا اور آج یہ وقت ہے کہ تیری قبر پر لالہ کاری ہو رہی ہے اور پھول پڑے جا رہے ہیں۔ ہائے تیری گلفشانی جلوہ کو کیا ہو گیا۔

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں — ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

تجھے عشق کی رسوائی پسند نہ آئی اور اس شرم سے نقاب خاک میں جا چھپا۔ الفت و محبت کی پردہ داری تو نے ختم کر دی۔ اس سے زیادہ کوئی رسوائی عشق کو کیا چھپا سکیگا۔

حکیم مومن خاں مرحوم نے بھی اپنی معشوقہ کے مرثیہ میں پردہ کا ایک شعر کہا ہے جو حد سے زیادہ درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

۵ بے پردہ جسکو صحن میں دیکھا نہ تھا کبھی ۔ لاش اوسکی جائے ہے سر بازار ہائے ہائے

خاک میں ناموس پیمان محبت مل گئی ۔ اٹھ گئی دنیا سے رسم و راہ یاری ہائے ہائے

شرم پیمان محبت کو تو نے خاک میں ملا دیا۔ دنیا سے راہ و رسم محبت اوٹھ گئی تو نے مجھ سے بیوفائی کی گویا اس شعر میں شکایت کر رہے ہیں مگر اس سے درد مترشح ہوتا ہے اور یہ ایک بین ہے۔

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا ۔ دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے ہائے

میرے دلبر ابھی تیغ محبت نے گہرا زخم نہ کیا تھا کہ تیغزن کا ہاتھ ہی بیکار ہو گیا۔

کسطرح کاٹے کوئی شبہائے تار برشگال ۔ ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

میری ہی آنکھوں کو عادت پڑی ہوئی ہے کہ میں رات کو تیرے انتظار میں تارے گن گن کر تمام کروں مگر اب یہ برسات کی اندھیری راتیں ہیں کیونکر کٹیں گی کہ نہ تارے ہونگے نہ تیرے ملنے کی امید ہوگی۔ شب برشگال میں وصل معشوق زیادہ لطف دیتا ہے شعرا کے یہاں ایسے مضمون بہت ملتے ہیں۔ اسی مضمون کا داغ مرحوم کے یہاں ایک شعر ہے

شب تاریک میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے ۔ کاش گنتے جو نمودار ستارے ہوتے

گوش مہجور پیام و چشم محروم جمال ۔ ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

کان کو کوئی مژدہ پیام سننے کو ملتا ہے اور نہ آنکھ کو جمال یار دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہائے ہائے ہمارے پہلو میں ایک دل ہے اور اس پر یہ نا امیدواری ہے۔

مولانا نظم صاحب لکھتے ہیں کہ لکھنؤ کے شعرا میں آتش و ناسخ وغیرہ اور دلی میں ذوق و مومن وغیرہ مصنف کے زمانہ سے کسی قدر پیشتر ہی ہیں۔ تسپر کسی کے کلام میں نہیں ہے نہ لکھنؤ نہ دلی میں عرصہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے مصنف کے قلم سے اس لفظ کا نکلنا نہایت

حیرت ہے اور یہ لفظ اسبات کا شاہد ہے کہ مرزا نوشہ مرحوم کی زبان دلی کی زبان سے کسی قدر علحدہ ہے۔ انتہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ لفظ آجتک دہلی کے روزمرہ میں داخل ہے۔ مجھے یہ یاد ہے کہ مومن خاں کے یہاں میں نے یہ لفظ کئی جگہ دیکھا ہے اور غالباً ناسخ کے یہاں بھی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے شعر یاد نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکا استعمال عام ہے مثال کے لئے میں دو ایک شعر لکھتا ہوں۔

دل بھلا ایسے کو اے درد نہ دیجئے کیونکر ۔ ایک تو یار ہو اور تسپہ طرحدار بھی ہے
مجروح ہو سب سینہ تسپر ہے نمک پاشی ۔ آنکھوں کے لڑانے کا ہم خوب مزا دیکھا
طاقت نہیں ہے جان میں کڑھنا غضب ہے اور ۔ بے لطفیاں کرو ہو یہ تسپر غضب ہے اور

راجہ جسونت سنگھ مرحوم معروف بہ کاکاجی ابن مہاراجہ بینی بہادر نائب نواب شجاع الدولہ شاگرد لالہ سروپ سنگھ دیوانہ۔

بحر ہستی میں ترا جسم ہے مانند حباب ۔ تسپہ اکدم کی ہوا کھانے پہ مغرور ہے تو
اے دل ازار تو ہی کر انصاف ۔ ہے یہی طرز دلربائی کی
عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار ۔ آہ تسپر بھی بے وفائی کی

لیجئے ناسخ کی ایک رباعی یاد آگئی اسمیں تسپر بندھا ہوا ہے۔

۵ ہر چند ہوں پیر اور سر پر ہے اجل ۔ تسپر نہیں پیٹ کے سوا فکر عمل
ہے رشتہ عمر مختصر سا لیکن ۔ شیطاں کی آنت ہے مرا طول امل

نظیر اور میر درد کے یہاں بھی بہت ہے میر حسن کے یہاں بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ مولانا نے اپنی شرح میں صرف اپنی معلومات سے کام لیا ہے تحقیق کو دخل نہیں دیا۔ ایک جگہ مرزا غالب مرحوم نے غلطی لکھا ہے اُسے بھی غالباً غلط بتایا ہے۔ اوّل تو غلط کہا ہے پھر یہ کہکر ٹال گئے ہیں کہ ہندیوں کا تصرف ہے۔ فرماتے ہیں کہ قدیم اردو میں بھی ''ی'' نہیں بڑھائی گئی تھی۔ اور اسپر میر تقی مرحوم کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

غلط اپنا کہ اس جفا جو کو ۔ سادگی سے ہم آشنا سمجھے

مگر یہ خیال نہیں فرمایا کہ میر صاحب یوں بھی فرماتے ہیں

۵ سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو ۔ وہ یاد فراموش تھے ہمکو نہ کیا یاد

یا یوں سمجھئے کہ غالب اساتذہ مسلم سے ہیں۔ اگر بھول کر ایک جگہ غلطی ہو گئی تھی تو دوسری جگہ درست کی۔ ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

میرے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ اختیار کیا تھا کہ معشوق نے جان دیدی۔ مجھے جو اُسکے عشق میں ذلت وغیرہ کی خواہش تھی وہ دل ہی میں رہ گئی۔

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

مجھے اپنی سرگشتگی میں اپنی زندگی سے ناامیدی ہو گئی ہے لہذا میری تسکین کو نوید دینی چاہیے کہ تیری خوشحالی کا زمانہ قریب ہے۔ مجھے اپنے مرجانے کی اُمید ہے۔ یعنی میں وہ دیوانہ ہوں کہ مر کر مجھے تسکین ہوگی۔

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

اب تک سے یہ معنے پیدا ہوتے ہیں کہ میرا دل مٹ گیا تباہ ہو گیا۔ اور وہ اُسکی اس خیال خبر نہیں لیتا کہ میرا دل ابھی تک میرے پاس ہے۔

کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

اپنے تپِ غم کا سرور کیا بیان کروں کہ اس کی وجہ سے میرا ہر ایک موئے تن زبانِ سپاس بن گیا ہے قاعدہ ہے کہ جب تپ چڑھتی ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسکو زبانِ سپاس کہا گیا ہے تلک اب متروک ہے۔ اگرچہ بقول مولانا نظم بلا وجہ ہے۔ کیونکہ یہ تک اور تلک کے بعد پیدا ہوا۔ اب بجائے تلک کے تک صحیح ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ زبان کے دائرہ کو بلا وجہ تنگ کرتے جاتے ہیں اول تو خیال کیا جائے کہ اردو زبان خود ہی ایسی تنگ ہے کہ جو مضامین دوسری زبانوں میں چار چار سطر میں ادا ہو جاتے ہیں اُنکے لیے چار چار صفحے رنگنے پڑتے ہیں مگر پھر بھی علیٰ نہیں ہے۔

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے

وہ جو میری قدر نہیں کرتا اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ناحق پسند اور جفا کیش ہے نہیں اسکے پاس دلِ حق شناس ضرور ہے مگر غرورِ حسن اسکو اسطرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

پی جسقدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

جسقدر شبِ مہتاب میں شراب ملے پی۔ کیونکہ شبِ مہتاب کا مزاج بلحاظ سردی۔ یا بلحاظ رنگ۔ یا بوجہ مرطوب ہونے کے بلغمی ہے۔ اور بلغم میں گرم دوائیں دیجاتی ہیں کیونکہ اکثر حکما مرض کا علاج بالضد کرتے ہیں۔

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

ہر ایک مکان کی رونق مکیں سے ہوتی ہے مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل ویران معلوم ہوتا ہے

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ بے وقوف ہیں اُنکو خاموش رہنا مناسب ہے تاکہ اُن کے راز کی قلعی نہ کھلیں اگر یہ واقعی ہے تو میں بہت خوش ہوں کہ مجھے ہر وقت خاموش بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی ہے میرا راز کوئی نہ سمجھ سکیگا۔ مگر یہ خیال غلط ہے میری خاموشی ایسی ہے جو میرے لیے اور اُلٹی غماز سب سے زیادہ ثابت ہوگی۔

دوسرا پہلو اسمیں یہ بھی ہے کہ خاموش رہنے کا صرف اک یہ فائدہ ہے کہ کوئی راز دل پر وقوف نہیں پا سکتا ہے مگر میں خوش ہوں کہ میں وہ مجذوب ہوں کہ اگر میں خاموشی سے بھی کام نہ لوں تب بھی کوئی میری بے تکی بڑ کو سمجھ نہیں سکتا ہے۔ یعنی بیان بغیر خاموشی ہی فوائد خاموشی حاصل ہیں۔

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلا
دل فردِ جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے

139

میں اپنی حسرت اظہار کا کس کے سامنے گلا کروں بس میرا دل ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ کسقدر مجھے حسرت دل کا اظہار کرنا چاہیئے تھا اور زبان سے کسقدر اظہار ہو سکا۔ گویا میرا دل ایک جمع اور خرچ کی فرد ہے۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر حسرت اظہار اسمیں جمع ہے وہ زبان کے ذریعہ سے کچھ بھی خرچ نہیں ہو سکی ایک جگہ ایسے ہی مضمون کا ان الفاظ میں اظہار کر چکے ہیں۔

ع نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدار حسرت دل ہے   میری نظر میں ہے سب جمع و خرچ دریا کا

کس پردہ میں ہے آئینہ پرداز اے خدا   رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

اس شعر میں آئینہ پرداز کے معنے غالباً جلوہ گر ہونے کے لئے ہیں یعنی ایخدا رحمت جو لب بے سوال کی طرف سے عذر خواہی کرتی ہے وہ کس پردہ میں حیران اور سرگشتہ جلوہ گر ہو رہی ہے۔ میں لب بے سوال رکھتا ہوں میری وہ عذر خواہی کیوں نہیں کرتی۔ اور مجھ پر رحم کیوں نہیں ہوتا۔

جناب نظم صاحب کی شرح کا مطلب اگرچہ میں نہیں سمجھا۔ مگر لکھے دیتا ہوں خدا جانے کیا فرمایا ہے ممکن ہے کہ ناظرین سمجھیں لب بے سوال کا بے نفس ہونا ضرور ہے اور لب کو بے نفس و بے سوال اس مناسبت سے کہا ہے کہ نفس کے پہونچنے سے آئینہ مکدر ہو جاتا ہے۔ تو ضرور ہوا کہ آئینہ پرداز سے ملنے کی خواہش لب بے سوال سے کرنا چاہیئے اور آئینہ پرداز وہ جو آئینہ کو جلا کرے رحمت کا فعل محذوف ہے یعنی رحم کر۔

ہے ہے خدانخواستہ وہ اور دشمنی   اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

اے شوق تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے دشمن کو دوست سمجھکر اسے اپنا دل دیدیا یہ تیرا خیال غلط ہے وہ ہمارا دشمن نہیں ہے بھلا وہ اور دشمنی خدا نکرے یہ تیرا خیال اس قابل ہے کہ تو اسپر شرمندہ ہو۔ یا یہ کہ اے شوق تو جو شرمندہ ہے کہ ہم نے دشمن کو دوست سمجھنے میں غلطی کی یہ تیری شرمندگی خلاف اور بیجا ہے وہ دشمن نہیں ہے فی الحقیقت دوست ہے بھلا وہ اور دشمنی کا شیوہ اختیار کرے گا۔ ایک جگہ فرما چکے ہیں۔

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ   میں اور خدا نکردہ تجھے بیوفا کہوں

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان   ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

چونکہ حضرت علی وہاں پیدا ہوئے یا وہاں تھے محض اسکی وجہ سے لباس کعبہ مشکیں ہے ایہام کیا ہے۔ یعنی لباس کعبہ خوشبودار ہے حالانکہ لباس سیاہ ہے۔ لہذا اُسی سیاہ کو مشکیں کہہ کر خوشبودار کے معنی نکالے اور پھر نتیجہ مرتب کیا کہ اسکا مشکیں ہونا کچھ اسوجہ سے نہیں ہے کہ اسکو ناف زمین کہا گیا ہے۔ ناف غزال خوشبودار ہوتی ہے اور مشک وہاں سے نکلتا ہے نہ کہ ناف زمیں سے۔ یا مشکیں سے مراد دونوں جگہ سیاہ لیجئے مگر محض سیاہی میں کچھ قدم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف نہیں نکلتی۔ یہ مضمون غالباً مصنف ہی کا ہے ایک جگہ فارسی میں بھی فرماتے ہیں۔

ع از کمر تش ناف زمیں ناف غزال است   مشکین زچہ شد ورنہ لباس حرم آیا

وحشت پہ میرے عرصۂ آفاق تنگ تھا   دریا زمین کو عرق انفعال ہے

میری صحرا نوردی کے موافق چونکہ زمین پر میدان اور جنگل نہ تھے اور یہ اتنی وسیع نہ تھی تو زمین کو شرمندگی ہوئی اور پسینہ آیا۔ یہ دریا نہیں ہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ یہ اُسکا پسینہ ہے۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد   عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

عالم دنیا محض ایک دھوکے کی ٹٹی یعنی حلقۂ دام خیال ہے اسکے فریب میں نہ آنا۔ یعنی ہستی ایک خیالی جال ہے اور اسی میں ایک عالم پھنسا ہوا ہے ورنہ دراصل ہستی کوئی چیز نہیں ہے۔ مت متروک آجائیو غیر فصیح آنا صحیح۔ اسی مضمون کا یہ شعر ہے

ع ہاں کھائیو مت فریب ہستی   ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو   حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

آخر تم اُن شکووں کو جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں کھود کھود کر کیوں پوچھتے ہو مناسب یہی ہے کہ اس ذکر کو چھوڑ دو کیونکہ جن کو تم شکوہ سمجھے ہو وہ دراصل شکوہ نہیں ہیں بلکہ آگ ہے۔ ممکن ہے کہ بھڑک اُٹھے اور فتنہ و فساد کو اشتعال ہو۔

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر ۔۔۔ نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

اے دل اس درد و الم سے گھبرانا فضول ہے کیونکہ آخر کو یہ تمام دردوں سے نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت سے یہ درد و الم کچھ دنوں رہا تو ہمارا کام تمام کردے گا اور کام تمام ہوا تو یہ آہ نیم شبی اور گریہ سحری سب غائب ہو جائینگے۔

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا ۔۔۔ ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

تیرے کاغذ پر وفا گویا ایک حرف غلط تھا۔ جو صرف ایک جگہ لکھا تھا سو خود بخود مٹ گیا

جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں ۔۔۔ ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے

ظاہر تو اسکا یہ مطلب ہے کہ ہمارا دل ذوق فنا کی ناتمامی اور ناکامی پر کیونکر نہ جلے باوجودیکہ ہماری آہ اسقدر آتشبار ہے مگر پھر بھی ہم جل نہیں جاتے۔

دوسرا مفہوم وہی طلب کا مسئلہ ہے جسکو مصنف پانچ چار جگہ نظم کر چکا ہے۔

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے ۔۔۔ اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا ۔۔۔ ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

جب آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں تو اس سے بھی آواز نکلتی ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ عاجزی کے وقت ہر کسی کے منھ سے فریاد نکل جاتی ہے۔

ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ ۔۔۔ جسکے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

جسکے جلوہ سے زمین سے لیکر آسمان تک کائنات کا ایک ایک ذرہ سرشار اور بدمست ہو رہا ہے وہ اس بدمستی کا خود ہی عذر خواہ ہے کہ میرا جمال اور حسن ایسا ہے جس سے ہر کوئی بدمست اور سرشار ہونا چاہیے۔

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی ۔۔۔ زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

مجھ سے یہ نہ کہہ کہ تو ہمکو اپنی زندگی کہا کرتا تھا۔ خیر یہ بھی سہی کہ تیری جدائی کے سبب یا دنیا کے انکار کی وجہ سے آجکل میرا دل زندگی سے بھی بیزار ہے۔ گویا معشوق ان کو مار رہا ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا ۔۔۔ تجھ پہ کھل جائے کہ مجھکو حسرت دیدار ہے

میں نے عنوان نامہ یا سرنامہ پر اپنی آنکھ کی تصویر اسواسطے کھینچدی ہے کہ کم از کم تجھے یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے دیدار کی حسرت ہے۔ ذوق

؎ یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر ۔۔۔ آنکھ اپنی ہو لفافہ خط پر لگی ہوئی

پینس میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے ۔۔۔ کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

میرے کوچہ سے انہیں ایسی نفرت ہے کہ جب پالکی میں سوار ادھر سے گذرتے ہیں تو اگر کہار کندھا بدلنا چاہتے ہیں تو بدلنے نہیں دیتے کہ یہاں اتنی دیر بھی نہ ٹھہرنا چاہیے۔ یا یہاں ظلم و ستم معشوق مراد ہے کہ ایسا ظالم ہے کہ میں دیکھتا ہوں جب وہ میری گلی سے گذرتا ہے تو کہاروں کو کندھا بھی نہیں بدلنے دیتا۔ لفظ فنس۔ اور پینس دونوں صحیح ہیں اسیطرح کاندھا اور کندھا دونوں درست۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ یہ ایک رکیک مضمون ہے۔ مگر اسکی رکاکت ہمیں معلوم نہیں کہ اسپر کچھ لکھیں۔ افسوس ہے کہ گالیاں کھانے کے مضموں رکیک نہیں ٹھہرائے جاتے اور جو مضامین واقعتاً نزیہے اور صحیح ہیں انکو رکاکت سے متہم کیا جاتا ہے یا للعجب

مری ہستی فضائے حیرت آباد تمنا ہے ۔۔۔ جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

میری ہستی ہستی نہیں حیرت آباد کی ایک فضا ہے۔ جسمیں نام نالہ مثل عنقا موجود ضرور ہے مگر نالہ کا کہیں پتہ نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ حالت حیرانی میں انسان نہ نالہ کر سکتا ہے نہ فریاد کر سکتا ہے۔ یعنی میں سراسر حیران ہوں نالہ وغیرہ کچھ نہیں کر سکتا کمال حیرانی سے مجھ میں نالے کا نام باقی ہے مگر اسکا وجود نہیں ہے۔

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کسکو کوئی موسم ہو ۔۔۔ وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

ہم خزاں اور بہار سے کچھ مطلب ہی نہیں رکھتے کوئی موسم ہو ہمیں بال و پر کے ماتم کے سوائے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس شعر کی بندش نہایت چست ہے۔

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم — اثر فریاد دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

معشوقوں کی وفا اتفاقی ہے ورنہ جذب وفا میں یہ تاثیر نہیں کہ وہ کسی کو مہربان کرے یا آہ و فریاد سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ معشوق اُس کو سنکر وفا کریں۔ یہ ایک امر اتفاقی ہے۔

ف آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے — ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تاب رنج نومیدی — کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

میری شوخی اندیشہ سے رنج یاس و نا امیدی اُٹھ نہ سکا۔ حالانکہ یہ مایوس ہو چکی ہے اور یہی خیال سے یہ ہاتھ مل رہی ہے مگر اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ از راہ تجدید بیعت تمنا اسکا یہ فعل ہے اور نکتہ اسمیں یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کے فوت ہونے کا افسوس کر کے ہاتھ ملتا ہے تو گویا وہ از سر نو تمنا کرتا ہے کہ ہائے ایسا ہو جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ آہ ایسا کیوں نہ ہوا۔

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے — نبض بیمار وفا دود چراغ کشتہ ہے

اے ظالم عاشق بیمار پر اب بھی تو ستم کرتا ہے اب وہ قابل رحم ہے اوسکی ہستی اب کوئی ہستی نہیں ہے جس سے اسقدر بغض رکھا جائے۔ بیمار وفا کی نبض چراغ کشتہ کا دھواں ہے کہ وہ بتدریج کم۔ اور سرد اور کمزور ہوتا جاتا ہے اسی صورت سے آخری وقت کی نبض کی آخری وقت نبض کی جو حالت ہوتی ہے اُسے حکما نے یوں لکھا ہے۔ ھو فی غایۃ الصغر والتواتر دیکھئے عن کمال سقوط القوۃ و قریب الموت مولانا ناظم نے اس آخری نبض کو دودی لکھدیا ہے وہ دودی کمزور ضرور کرتی ہے مگر وہ بالکل قوت کو ساقط نہیں کرتی۔ اسکی تعریف یہ ہے صورتہ کالموجی فی الشھوق الا انہ لیس بعریض ولا ممتلی۔ ویدل علی سقوط القوۃ لکن لا اشتباہ ان مصنف کی تشبیہ یقیناً نقل سے زیادہ بدیع ہے

ف از الم مرغ کہ آخر رسید کار — شمع خموشم و از سرمہ دود سرود

دل لگی کی آرزو بیچین رکھتی ہے ہمیں — ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

کیا کریں ہم کو دل لگی کی آرزو مجبور کرتی ہے ورنہ چراغ کی بے رونقی سے جیسے کہ اُسکو فائدہ پہونچتا ہے ایسے ہی عشق نہ کرنے سے ہمکو بھی فائدہ پہونچے گا۔ غرض یہ کہ دل لگی کی آرزو ہی ہماری تباہی کا پیش خیمہ ہے اگر ہم اسے چھوڑ سکیں تو نفع میں رہیں۔

اگرچہ ظاہرا یہ زمین بڑی ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے مگر ہم نے دیکھا ہے کہ غالب نے مشکل سے مشکل زمین بھی ایسی اختیار کی ہے جسمیں اگر فکر کی جائے تو ہر شخص کچھ نہ کچھ اچھے شعر نکال لیگا اس سے غالب کے مذاق سلیم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بخلاف دیگر حضرات کے کہ اونکی نکالی ہوئی سنگلاخ زمینیں گویا کہ انہیں کے واسطے تھیں۔ باقی ہیچ۔

بعض آدمیوں کا خیال ہوتا ہے کہ ہمیشہ سخت ترین زمینوں میں غزل لکھیں۔ مگر یاد رہے کہ وہ ہمیشہ اپنی طبیعت کو خراب کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مشکل زمینوں میں غزل لکھنے میں قافیہ پیمائی کے سوائے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا وہاں تو یہ فکر ہوتی ہے کہ مضمون کو کسی صورت سے اس قافیہ کے ساتھ گانٹھ دیا جائے باقی معانی کے لحاظ سے سوائے آورد کے آمد کا کہیں نام بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ ضرور ہے کہ آورد میں معانی آفرینی کسیقدر کر لیجئے مگر سادگی۔ اصلیت۔ جوش۔ اثر وغیرہ سے شعر بالکل علیحدہ رہتا ہے اور یہ شاعری ایسی ہے جیسے تیلی کا بیل رات بھر چلنے کے بعد بھی صبح کو اپنی ہی جگہ پر ملتا ہے۔

چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے — سرمہ تو کہوے کہ دود شعلہ آواز ہے

معشوقوں کی آنکھ اگرچہ خاموش ہے۔ مگر اس خاموشی میں بھی وہ سخنگوئی کرتی ہے اس پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ جو لوگ سرمہ کھا جاتے ہیں اونکی آواز نہیں نکلتی اور البتہ ہو جاتی ہے پھر آنکھ کہ جسمیں سرمہ موجود ہے اُسکو آپ سخنگو کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ تو گویا دوسرا مصرعہ اس کا جواب ہے۔ کہ سرمہ سرمہ نہیں ہے اوس شمع رو کی آواز مثل ایک شعلہ کے ہے اور یہ مسلم ہے کہ شعلہ سے دھواں اٹھتا ہے تو یہ سرمہ اُسی شعلہ کا جما ہوا دھواں ہے

توکہوے - توکوئی کا ترجمہ ہے

پیکر عشاق ساز طالع ناساز ہے　　　نالہ گویا گردش سیارہ کی آواز ہے

عشاق کے جسم گویا طالع ناساز کے لئے ساز ہیں اور نالہ اوسکے گردش ستارہ کی آواز ہے - حاصل یہ کہ عشاق طالع ناساز کے ہاتھ میں گویا ایک باجہ ہیں جسمیں سے نالہ فریاد کی آواز نکلتی ہے - عشاق بھی فارسی میں ایک باجے کا نام ہے جیسے سعدی فرماتے ہیں

ے درنالہ عشاق ونہاوند وحجاز است - الخ سیارہ سے مراد ستارہ بدقسمتی ہے

دستگاہ دیدۂ خونبار مجنوں دیکھنا　　　یک بیابان جلوۂ گل فرش پا انداز ہے

ذرا مجنوں کی چشم خونبار کی قدرت دیکھئے کہ تمام بیابان کو اوسکی آنکھ کے خونی آنسوؤں نے گلزمیں بنادیا ہے اور اس صورت سے گویا مجنوں کے قدموں کے نیچے ایک پھولوں کا فرش بچھادیا ہے -

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی　　　میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

اسمیں سہی یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ تو میرے عشق و محبت کو وحشت کہتا ہے اچھا میں بھی مانتا ہوں عشق نہ سہی وحشت ہی سہی - مگر یہ کیا کم ہے کہ میری وحشت سے تیری شہرت ہوتی ہے - نواب مصطفے خاں شیفتہ مرحوم یوں فرماتے ہیں

ے عشق ذلت ہے تو ذلت ہی سہی　　　میری ذلت تری عزت ہی سہی

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے　　　کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

ہم سے قطع تعلق نہ کیجئے اگر محبت نہیں کرتے تو عداوت ہی کیجئے - اس مضمون کو مصنف نے بہت جگہ لکھا ہے - جیسے کہ ے

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہو　　　کیجئے ہماری ساتھ عداوت ہی کیوں نہو

اب جفا سے بھی محروم ہم اللہ اللہ　　　اسقدر دشمن ارباب وفا ہوجانا

شیفتہ مرحوم اسی مضمون کو یوں باندھتے ہیں -

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہے　　　نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی　　　اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

اے کا لفظ یہاں بطور ندا نہیں ہے بلکہ ایک محاورہ ہے - مگر یہ محاورہ اکثر عورتوں میں مستعمل ہے مطلب یہ ہے - کہ آپ کہتے ہیں کہ تو ہمارے یہاں نہ آیا کر کوئی ہم مجلس تو کرتے نہیں ہیں اسیکا یہ جواب دیتا ہے - کہ اے صاحب وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی مگر میں ہوں گا تو آپ کی کیا رسوائی ہوجائے گی -

ے ہمیں ورسے اٹھادینے کی خرج بھی کوئی　　　یہاں بیٹھے ہیں تو کچھ آپ کا نقصان کرتے ہیں

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے　　　غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اسکے معنے مولانا نظم اور حسرت صاحب نے یہ لکھے ہیں - کہ کوئی ہم اپنے دشمن تھوڑی ہی ہیں کہ اسبات کا یقین کر کے کہ غیر کو تجھ سے محبت ہے پھر بھی تجھسے محبت کئے جائیں اور رشک رقابت میں جان دیں مگر غور کیا جائے - تو لفظ - بھی - اور سہی - اس بات کے شاہد ہیں کہ مصنف یہ نہیں کہنا چاہتا جو کچھ سمجھا گیا بلکہ مطلب یہ ہے - کہ غیر کو تجھ سے محبت ہے تو سہی ہم بھی جانتے ہیں - مگر ہم بھی تو دشمن نہیں ہیں ہم بھی تو اپنے ہی ہیں - ہمکو بھی تجھ سے محبت ہے پھر ہمکو اوسکے مقابلہ پر ذلیل کیوں سمجھا جاتا ہے -

شیفتہ مرحوم نے الفت کا قافیہ خوب کہا ہے

ے میرے آزار کی ہمت ہی سہی　　　تمکو الفت ہے تو الفت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو　　　آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

یعنی جو کچھ حاصل کیجئے اپنی ذات سے حاصل کیجئے دوسرے کی منت پذیری بہت بری ہے - اسمیں ایک پہلو تصوف کا یہ بھی نکلتا ہے - کہ جو کچھ حاصل کرو اپنی ہستی اپنی ذات سے حاصل کرنا چاہیے وہ غفلت ہی کیوں نہو اور جب اپنی ذات سے غفلت حاصل کی تو یہ عین آگاہی ہے

عمر ہر چند کہ ہے برقِ خرام — دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

اگرچہ عمر بہت جلد گذر جاتی ہے تو اتنی فرصت تو ہے کہ اپنے دل کو خون کر ڈالیں - برق بھی گویا ابر کا خون شدہ دل ہے - یہ شعر بھی خوب ہے۔

شیفتہ - زد بام غم در تنگ حرماں — پھر بھی فرصت ہے تو فرصت ہی سہی

اگرچہ یہ شعر بھی بہت خوب ہے مگر غالب کے یہاں نیا مضمون ہے - اور شیفتہ مرحوم نے ایک خوبی کے ساتھ پرانے پامال مضمون کو باندھا ہے۔

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں — نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کیا یہ سمجھ کر عشق سراسر مصیبت ہے - یا عشق میں سب ہی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے ہم وفا ترک کر دیں گے ایسا نہیں ہو سکتا۔

ع موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے — آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف — آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

اے آسمان ناانصاف مجھے کچھ تو دے - اگر میری مراد نہیں دیتا تو آہ و فریاد کی اجازت تو دے تو نے وہ کیا ہے کہ ع

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے — گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

ایک جگہ یوں کہہ چکے ہیں ع

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی — ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے

اس شعر میں حسرت (داد رس) کا خاکہ کھینچا گیا ہے اور اگرچہ اس میں لفظ رخصت استعمال کیا گیا ہے جو اردو میں بجائے اجازت کم مستعمل ہے مگر اس شعر میں نہایت لطیف ہے۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی

ابھی تو ہم یہ سمجھے تھے کہ تو بے نیاز ہے اور عجز و نیاز وغیرہ سے کچھ کام نہیں چلتا - اب معلوم ہوا کہ بے نیازی تیری عادت ہے لہذا اب ہم بھی تسلیم و رضا کی عادت ڈالیں گے کہ تیری بے نیازی کو بخوشی خاطر برداشت کر سکیں۔

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ — گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یار سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چلی جائے کچھ نہیں تو اظہار حسرت و ارمان کی حسرت ہی سہی اس سے یہ لطیف معنے بھی پیدا ہوتے ہیں کہ ہم جو اسکو حال سنانے کے لیے مجبور کرتے ہیں تو وہ اسکو چھیڑ سمجھتا ہے - اچھا خیر یہ چھیڑ جاری رہنی چاہیے۔

مومن - ہاں جوشش تپش چھیڑ چلی جائے کہ پر تو — چھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگے

اس زمین میں نواب مصطفے خاں شیفتہ کا مقطع اور کئی شعر قابل داد ہیں - تفریح طبع ناظرین کے لیے لکھنے پر مجبور ہوں۔

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام — عشق کی آپ سے نسبت ہی سہی
دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے — قتل کی میرے ندامت ہی سہی
سب فسانہ کا نہیں ہے جو دماغ — ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی
ناشکیبی کی دعا مانگیں گے — صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی
ہجر تو جائے جو ہو جائے وصال — وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی
کیجئے اغیار سے ملنا موقوف — مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی
وصل اغیار سے بے وجہ نہیں — میرے مر جانے کی عبرت ہی سہی
دعویِ الفت و بیتابی حیف — گر اذیت ہے اذیت ہی سہی
میری خاطر سے چلو شیفتہ وہاں
غیر اون سے تمھیں نفرت ہی سہی

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے — صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

میں دیوانہ ہوں - ہرزہ گردی - اور بیاباں نوردی - بے آرامی وغیرہ میرے لیے بہت ضروری چیزیں ہیں ان سب کو چھوڑ کر جو میں وطن میں بیٹھ رہا ہوں - تو صبح وطن

میرے اوپر ہنس رہی ہے اور اسکا ہنسنا بجا ہے کیونکہ آرام دراصل میرے لئے نہیں بنا ہے یہی بات ہے جسے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے اور مضمون کو بالکل نیا کر دکھایا ہے

٥ نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی — مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی

ڈھونڈے ہے اس مغنیِ آتش نفس کو جی — جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

ایسے گانے والے آتش نفس کا گانا سننے کو جی چاہتا ہے جسکی آواز میرے حواس و ہوش عقل جان و دماغ کے ساتھ بجلی کا کام کر جائے۔ یعنی آواز کا شعلہ مجھے پھونکدے یعنی ایسا مست و بیخود ہوں کہ میری ہستی کا نشان باقی نہ رہے مولانا حالی مرحوم ایک شعر لکھتے ہیں

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب — درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال — تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

وادیِ خیال کو اس مستانہ روش سے طے کر رہا ہوں کہ اب مجھے اُس استغراق سے اپنے میں آنیکا ہوش ہی باقی نہیں ہے اور اس راستہ کو مستانہ طے کرنیکی وجہ بھی یہی ہے کہ میں کسی خیال میں غرق ہو کر پھر ہوش میں نہیں آنا چاہتا۔ کروں ہوں متروک ہے۔

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں — آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

چونکہ تو باغ میں بے حجابیاں کرتا ہے۔ اور نکہتِ گل اسکا حظ اُٹھاتی ہے اسی بنا پر اب مجھے نکہتِ گل سے شرم آتی ہے کہ وہ میری ایک کامیاب رقیب ہے۔ اب میری نظر اُسکے سامنے نہیں اُٹھتی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ — شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

چونکہ میں نے ہمیشہ عاشقانہ شعر پسند کئے۔ لوگوں نے میرا حالِ دل اس سے معلوم کر لیا اور سب مجھکو عاشق سمجھ گئے نظیری نیشاپوری کہتا ہے ٥

رازِ دیرینہ زرخ پردہ برانداخت دریغ — حالِ ما شہرہ بانشائے غزل ساخت دریغ

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب — ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

جب ہماری زندگی اس صورت سے گذری کہ کبھی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی کبھی کوئی حقیقی خوشی نصیب نہیں ہوئی تو ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ ہمارے کوئی خدا تھا۔ بالکل اسی مضمون کو فارسی میں لکھا ہے۔

٥ گفتنی نیست کہ بر غالبِ ناکام چہ رفت — میتواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نداشت

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے — بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

اگرچہ غیروں سے اونکے اشارے ہوتے رہے۔ مگر اسکی محفل میں میں غیرت سے کام نہیں لے سکتا۔ مجبوراً بیٹھا رہا نہ بیٹھتا تو کیا ہوتا مجبوراً چلکر اپنے گھر چلا آتا۔ اور یہ بھی مجھے منظور نہیں تھا۔

یا یہ کہ لوگ مجھ پر آوازے کستے رہے پھر بھی بیٹھا رہا

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا — میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے

آخر تیر یا فولاد تو ہے نہیں میرے پہلو میں بھی اک دل ہے گیا تھا اس ارادہ سے کہ تیرے در پر صدا دوں مگر دربان کمبخت کا خوف معلوم ہوا مجبوراً بغیر صدا دئے ہوئے واپس چلا گیا ورنہ میں اور تیرے در سے بغیر فقیرانہ صدا لگائے ہوئے ٹل جاؤں (بن) متروک ہے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہنِ مے — مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کئے

مدت سے آب و ہوائے بہاری کی دعوت نہیں کی ہے اس لئے مصلے اور عمامہ گرو رکھکر شراب خریدتا پھرتا ہوں۔

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر — حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

عمر اگرچہ کتنی ہی طویل ہو مگر پھر بھی بیفائدہ ہی گذر جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خضر بھی کل قیامت کے دن کہینگے کہ ہم اتنی طویل مدت تک دنیا میں رہے مگر ہم نے کیا کیا۔ اس شعر میں

ہیں لیجا کاٹ ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں اچھے نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم — تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

اگر مقدور ہو تو خاک سے یہ پوچھوں کہ اے لئیم اتنے خزانہ تجھ میں دفن تھے تو نے ان سے کیا کام لیا۔ مقدور کا لفظ یہ دیتا ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر دولت میرے پاس جمع ہو جائے تو میں لوگوں کو فائدہ پہونچاؤں اور زمین کو طعنہ دوں کہ آخر تو نے اس قدر خزانوں سے کیا کام لیا۔ یا کسی کو کیا فائدہ پہونچایا۔ نظم صاحب گنجہائے گرانمایہ سے وہ معزز لوگ جو مدفون ہو چکے ہیں مراد لیتے ہیں۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو — کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

جیسے فقرے تراشنا محاورہ ہے ایسے ہی تہمتیں تراشنا محاورہ ہے یعنی کس دن دشمنوں نے ہم پر تہمتیں بیجا لگا کر ہم پر ظلم نہیں کیا۔

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو — دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے

وہ وصل میں بغیر التجا بوسہ دینے لگا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بری عادت دشمن نے سکھائی ہو۔

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں — بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کئے

اگر اسے ضد چڑھ جائے تو خیر لو سکا تو ذکر نہیں مگر واقعی اسکی عادت بری نہیں ہے چنانچہ اگر بھول گیا ہے تو بہت سی دفعہ اسنے وعدے پورے کر دئے ہیں۔

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا — مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

غالب تم وہاں اس بہر و سہ پر جاتے ہو کہ وہ ہماری داستاں کو سن لینگے تو اچھا یہ بھی مانا۔ تم نے اپنا قصہ ان کو نہیں سنایا۔ اور انہوں نے سن بھی لیا۔ مگر کیا وہ کچھ جواب بھی دینگے۔ اور تم ہی سوچو تمہیں بتاؤ کہ تمہاری بے تکی بڑ دن کا وہ جواب کیا دینگے یہ گویا کوئی غمخوار ہے جو غالب کو سمجھا رہا ہے۔

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے — اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

جیسے کہ گردش آفتاب سے جس پر صبح و شام کا ہونا منحصر ہے جس سے ہفتہ اور ماہ بنتے ہیں سال کا حساب کیا جاتا ہے اسی طرح سال عمر کا حساب برق سے کرنا چاہیئے یعنی عمر کے سال برق کی طرح تیز گذر جاتے ہیں۔ کیونکہ عمر کی رفتار اس راہ کو طے کر رہی ہے جو سراسر اضطراب ہے اندا برق کو آفتاب بنا کر اوس سے حساب کرنا السب ہے۔

مینائے مے ہے سرو نشاطِ بہار سے — بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

بہار کی خوشی میں مینائے مے بہار نشاط کی وجہ سے سرو معلوم ہوتا ہے۔ اور جلوہ شراب کی موج بال کشائی تدرو معلوم ہوتی ہے قمری اور سرو کا ذکر اکثر آتا ہے مگر مصنف نے ایسی ہی تشابہ کا غزل ردیف ب میں ذکر کیا ہے۔

۵ پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب — دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

ایک جگہ اور مینائے مے کو سرو کہا ہے۔

۵ نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مستِ طرب — شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ایک جگہ شیشۂ مے کو سر شیشہ باز کہا ہے۔

۵ ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے — ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

اس سے غالب کی مضامین آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا — نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

دوسرے ایک شعر میں گویا مصنف نے اسکی شرح خود لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

ہوئے ہیں پانو ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی — نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

یہاں پائے ثبات لکھکر اور زیادہ نازک مضمون کر دیا ہے۔

جا دادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت — غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

دنیا رنداں بادہ نوش کی جائے داد ہے اور غافلوں کا گمان یہ ہے کہ وہ گیتی خراب آوارہ

دنیا و سعتر و سامان زمانہ ہیں اگر وہ بے سر و سامان زمانہ ہیں تو ان سے زیادہ اور کون اچھا ہے
ظاہر ہے کہ غم کشتہ کی ترنگ میں اگر دونوں جہان کو اپنا سمجھ لیا جائے تو بھی روا ہے ۔ کوئی
روکنے والا نہیں ہے ۔ اس حساب سے تمام دنیا کے وہ مالک ہیں

نظارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حسن کا — جوشِ بہار جلوہ کو جسکے نقاب ہے

نظارہ کی کیا طاقت ہے کہ اُسکے جمال کو دیکھ سکے جسکے جلوہ کے لیے جوشِ بہار نقاب
بنی ہوئی ہے یعنی اُس کے جلوہ میں اسقدر بہار ہے کہ جلوہ کو اُس نے چھپا لیا ہے ۔ اس مضمون کو
دوسرے طریقہ سے مصنف نے یوں کہا ہے

ع نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا — مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں — مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

میں نے یہ مان لیا کہ چشمِ تصور سے میں ہر وقت تمکو دیکھ رہا ہوں ۔ یا یونہی تمھارے
رخ انور پر میری متحیر نگاہیں پڑ رہی ہیں مگر میں تو نامراد ہوں اس سے بھی میری مراد بر نہ آئی
یعنی دل کی تسلی نہیں ہوئی ۔ ایک جگہ کہا ہے ۔

ع غلط نہ تھا ہمیں خط پر گمان تسلی کا — نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

اس سے ترقی کرکے شعر مانحن فیہ کہا گیا ہے ۔

گزرا اسد مسرت پیغام یار سے — قاصد پہ مجھکو رشکِ سوال و جواب ہے

اسد میں اس خوشی سے باز آیا کہ قاصد ہمکو پیغام یار سنائے گا ۔ مجھے رشک آتا ہے
کہ وہ اس سے بات چیت کرے گا بیان میر بھی کہتے ہیں ع

رشک آئے ہے غمخوار مرا حال نہ کہنا — میں جا نہ سکوں واں تلک اور میری خبر جائے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

میری بدقسمتی دیکھئے کہ کسی صورت سے اول تو میں اسکو دیکھ نہیں سکتا اور اگر دیکھنے
کا موقع ملتا ہے تو اپنے اوپر خود مجھے رشک آتا ہے ۔ بھلا میں اُسے دیکھوں تو مجھ سے کب دیکھا جاتا ہے

اسی مضمون کو مصنف نے کئی جگہ کہا ہے

ع تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن — وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

غالباً اسیطرح میں دہلی میں غالب کے زمانہ میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا تھا جسمیں اکثر
اساتذہ کی غزلیں ملتی ہیں خصوصاً غالب مومن ذوق مرحوم نے خوب خوب غزلیں لکھی ہیں
چنانچہ ہم اُن دونوں استادانِ فن کے بھی اسی زمین میں مطلع سناتے ہیں ۔ دیکھئے ہر شخص نے
کیا دادِ فصاحت دی ہے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نے ایسا کہا ہے کہ اُس بہتر دوسرا
نہیں مگر غور کیجیے تو نہ تینوں میں کوئی آگے ہے نہ پیچھے سب برابر ہیں ۔

ذوق ع کار خصت آزندانِ جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے — مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
مومن سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے — تھامتا ہوں لیک دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشہ میں ہے — آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے

اگر اندیشہ کی یہی کیفیت ہے اور ایسی ہی اسمیں گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لینا چاہیئے ۔ کیونکہ
دل ان گرم خیالات کی برداشت نہیں کر سکتا ۔ یہ ایک ایسی تیز شراب ہے جسے مینا گداز کہا جا سکتا
یہی مضمون فارسی میں خود مرزا صاحب نے ادا کیا ہے فرماتے ہیں ع

مینائے مے از تندیِ مے بہ گدازد — پیغام غمت در خور تحویل صبا نیست

فرق صرف یہ ہے کہ اردو میں اپنے دل کو مینا اور فارسی میں دل قاصد یا صبا کو مینا قرار دیا ہے
مصنف کا یہ خاص انداز استادانہ ہے کہ جا بجا ایک ہی مضمون کو ادا کرتے ہیں مگر ذرا سے تغیر سے شعر
کو نیا کر دیتے ہیں ۔

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے — گر حیا بھی اسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

غیر کے چھیڑنے اور گستاخی کرنے سے اسکو شرم آتی ہے تو وہ اس شرم سے بھی شرما جاتا ہے
بقول شخصے کہ ع

ادا ادا میں ادا نکلتی ہے — تری ادا کی کہیں انتہا نکلتی ہے

یا شرما جانے سے مراد یہ ہے کہ اسکو شرم ضرور آتی ہے مگر وہ غیر سے بولنے سے اور اسکے ساتھ
جھگڑا کرنے سے شرماتا ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے — دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائیے

شوق کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ ہر دم نالہ کشی کا خواستگار ہے اور دل ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ اب سانس لینا بھی ناگوار ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ جیسا میرا شوق دیوانہ ہے ایسا ہی دل ہے کہ میں دم لیتا ہوں یعنی ذرا نالہ کشی سے باز رہتا ہوں تو گھبراتا ہے۔ غرض دونوں یکساں ہیں اور میری حالت تباہ کر رہے ہیں

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ — نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

تیری بزم طرب کو خدا نظر بد سے محفوظ رکھے اسمیں سرور افزائی کا یہ حال ہے کہ اگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہاں پہونچکر وہ نغمہ بنجاتا ہے۔ یعنی چاہیئے یہ کہ وہ کسی کے دل پر اثر کرے اور افسوس ہو مگر برعکس اسکے وہاں اوسکو سب لوگ سنکر خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ ایک جگہہ اور فرماتے ہیں۔

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست — واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبار نغمہ ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق — پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اگرچہ وہ ہم سے ہمارا راز عشق چھپانے کے لئے بزم میں تغافل برتتا ہے مگر دائے برحال ما کہ ہم تغافل سے ششدر و متحیر و پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور اسکو وہ سمجھ جاتا ہے مجبوراً اسکو ہمپر ستم کرنا پڑتا ہے۔

مومن۔ کل تم جو بزم ناز میں آنکھیں چرا گئے — کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

اسکی بزم آرائیاں سنکر دل رنجور یاں — مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

جب سنتا ہوں کہ اغیار کے ساتھ اسنے محفل آرائی کی ہے تو میرا دل ایسا بیٹھا جاتا ہے جیسے غیر کا وہاں سکہ بیٹھا ہوا ہے یا جیسے اوسکا وہاں نقش بیٹھا ہوا ہے۔

ہو کے عاشق وہ پری رو اور نازک بن گیا — رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

وہ پریرو جو دوسرے پر عاشق ہو کر لاغر ہوا اور رنگ اڑ کر اوسکا رنگ سفید ہو گیا ہے تو اور نازک بن گیا ہے۔

نقش کو اسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں — کھینچتا ہے جسقدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

اسکے نقش کو مصور پر بھی کیسے کیسے ناز ہیں وہ اسکو کھینچتا ہے۔ مگر وہ اسکو اپنا عاشق سمجھکر اوس سے کھنچتا جاتا ہے۔ دو لفظوں کے جمع ہونے سے یہاں ایک لطف پیدا ہو گیا ہے۔ دوسرا پہلو اسمیں یہ بھی موجود ہے کہ اسکی تصویر مصور پر بھی ناز کرتی ہے وہ اسکو کھینچتا ہے (کھینچنا چاہتا ہے) مگر وہ اس سے کھنچتی جاتی ہے۔ یعنی نہیں کھنچتی۔ حاصل یہ کہ مصور بوجہ نزاکت کے اوس کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد — پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

جیسے دھواں آگ سے بھاگتا ہے ایسے ہی میرا سایہ مجھسے بھاگتا ہے۔ سچ تو ہے مجھ پر سوز و غم کے پاس کس سے ٹھہرا جاتا ہے۔ ایک جگہ یوں کہا ہے۔

ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجو — سایہ ہمچوں دود بالا میرود از بال ما

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے — تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے

شکل نہالی وہ جو بستر پر تصویریں وغیرہ بنی ہوتی ہیں مصنف کہتا ہے کہ شب غم میں میں نے جو تصویر نہالی کو دیکھا اور اسپر تو یاد آیا کہ آہ یہ تصویر پہلو میں ہے اور تو نہیں ہے تو اسپر میں گرم نالہ و فریاد ہوا اور اپنا پہلو گرم کیا۔ ورنہ شب ہجر کی سردی مجھے چین نہ لینے دیتی۔

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم — لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

میری عالی ہمتی نے مجھے دونوں عالم کے نسیہ و نقد کے ہاتھ نہ بکنے دیا۔ بلکہ ان دونوں سے مجھے خود خرید لیا یعنی میری بلند ہمتی نے غم کونین کی پروا نہ ہونے دی۔ اور کبھی مجھے دنیا و عقبیٰ کی فکر نہیں رہی۔

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم　　　کردیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

یعنی وحدت کو لباس کثرت میں آراستہ کرنا اور وحدت کے ساتھ کثرت کا شمار رکھنا یہ وہم کے سوائے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔ اور انہیں خیالی اصنام نے مجھے کافر بنا دیا ہے۔ یعنی وحدت کے ساتھ ہی ساتھ کثرت کا خیال آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب وحدت کے ساتھ کوئی دوسرا خیال آیا تو حقیقتاً وحدت کو وحدت نہ سمجھا۔ اور یہی علامت کفر ہے۔ یا یہ کہ یہ خیال کرنا کہ کثرت وحدت سے ہے تو یہ پرستاری وہم اور باعث کفر ہے انمیں ایک کے ساتھ دوسرے کا ذکر نہ کرنا چاہیے۔

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا　　　خواب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

اب کبھی مجھے خیال میں بھی سیر گل و گلستان کا خیال نہیں آتا۔ میری بے پر و بالی نے مجھے بہت آرام دیا سوداسہ

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے　　　کہ جسنے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے　　　برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

مصنف مرحوم نے خود ان تینوں شعروں کا عود ہندی میں مطلب بیان کیا ہے لہذا وہی لکھدینا زیادہ مناسب ہے، داغ ساماں مثل انجم انجمن وہ شخص کہ داغ جسکا سرمایہ و ساماں ہو موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے بعد اسکے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بو یا جاتا ہے۔ دہقاں کو بونے جوتنے پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و عنا ہے مزارع کا۔ وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے۔ وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف　راحت اور صورت رنج ہے　تھی اسی مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔ اوسمیں کچھ تغیر ہے۔ حاصل اوسکا بھی یہی ہے۔

سہ　مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی　　　ہیولے برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

غنچہ نا شگفتہ کو برگ عافیت معلوم　　　باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے

یعنی کلی جب تک کھلے کھلے ساز و برگ عافیت کا حاصل ہونا یعنی آفت سے اوسکا محفوظ رہنا کہاں سے معلوم ہے جب یہ حال ہوا تو گل کو باوجود دلجمعی پریشانی ہے اور غنچہ کو دل سے تشبیہ ہے اور جمعیت دلکی صورت بھی اسی سے ظاہر ہے اسیطرح گل شگفتہ کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا پریشانی کی صورت ظاہر کر رہا ہے اور گل کی خاموشی اور بیحجابانہ گی خواب کا عالم دکھا رہی ہے غرض یہ کہ تینوں حالتیں گل پر طاری رہتی ہیں تو باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں رہتا ہے اور سبب پریشانی کا یہ ہے کہ اُسے اندیشہ ہے کہ دیکھیئے ساز و برگ عافیت اس دار بلا میں ممکن ہوتا ہے یا نہیں۔ ایسا ہی مضمون ہے جسے دوسرے لباس میں یوں جلوہ گر کر چکے ہیں۔

سہ　دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ　　　دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

ہمسے رنج بیتابی کسطرح اٹھایا جائے　　　داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

مطلب یہ کہ اس رنج کی تاب ہمسے نہ ہو سکے گی اور یہ ہلاک کر دے گا دست عجز سے وہ ہاتھ مراد ہے جو صدمہ کے دفع کرنے سے عجز رکھتا ہے۔ اسی سبب سے اُسے خس سے تشبیہ دی ہے اور داغ کو شعلہ سے پشت دست زمین پر رکھنا عاجزی کرنے کے معنی پر ہے یہ ظاہر ہے کہ شعلہ کی آفت کو خس نہیں اُٹھا سکتا وہ اُسے جلا کر فنا کر دیتا ہے۔ اور خس بدنداں گرفتن بھی اظہار عجز کے معنی پر ہے یہ دوسرا پہلو اس شعر کے معنی میں نکلتا ہے یعنی میرے دست عجز کا داغ شعلہ خس بدنداں ہے کہ میری طرف سے اظہار عجز کر رہا ہے کہ رنج بیتابی اس سے نہ اُٹھ سکے گا۔

یہ وہی اشعار ہیں جو مرزا مرحوم نے بیدل اسیر و شوکت کے رنگ میں کہے تھے اور جنمیں سے چند شعر اس دیوان میں باقی رہ گئے ہیں۔

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب　　　ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ہم جنگلوں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں اور گھر تنا ویران ہو گیا ہے کہ وہاں در و دیوار

سبزہ جما ہوا ہے گویا بہار آئی ہے۔ اس سے دو پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایسے دیوانہ ہیں کہ بہار کو چھوڑ کر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور بہار کی بھی پروا نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ گھر کو چھوڑے ہوئے اتنا عرصہ گذر گیا کہ اب وہ جنگل بن گیا۔ بمثل شعر کہا ہے۔ اس مضمون کو بھی مختلف پیرایوں میں مصنف نے کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً

اگا ہی گھر میں سبزہ میری ویرانی تماشہ کر — مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہی میرے درباں کا

سادگی پر اُسکی مرجانے کی حسرت دل میں ہے — بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

میں چاہتا ہوں کہ اُسکی سادگی پر اپنی جان دیدوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں کہ وہ ہاتھ میں قتل کرنیکے لئے خنجر لئے ہوئے ہے اور میری سادگی پر مرجانے کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے۔ سادگی سے مراد یہی ہے کہ خنجر اُسکے ہاتھ میں نہو۔ پھر سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ کئی مرتبہ سادگی پر مرنے کا ارادہ کر چکے ہیں مگر وہ ایسا ظالم ہے کہ جب ہمیں دیکھتا ہے خنجر ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ایک جگہ صاف الفاظ میں یوں کہہ چکے ہیں

ے اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

گویا مصنف کے نزدیک سادگی خنجر سے زیادہ قاتل ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

میں اُسکی لذت تقریر میں اتنا محو ہوں کہ جو کچھ وہ کہتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے دل میں تھی۔ یا یہ کہ جو بات وہ کہتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اسی بات کے سننے کی مجھے حسرت ہے۔ یا یہ کہ اوسکی ہر ایک بات اتنی دلفریب ہے کہ اوسکے ہونٹوں سے نکلتے ہی میرے دل میں اُتر جاتی ہے۔

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے باایں ہمہ — ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

اگرچہ میرا ذکر برائی سے کیا جاتا ہے مگر باوجود ان سب باتوں کے میرا ذکر مجھ سے بہت اچھا ہے کہ اُس محفل میں وہ پہونچ تو گیا۔ میں تو کسی طرح وہاں جا ہی نہ سکا۔

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی — یہ جو اک لذت ہماری سعیٔ بے حاصل میں ہے

اے ہجوم یاس و ناامیدی میرے حال زار پر تو رحم کھا اور میرے دل میں تمنا و آرزو کا خاتمہ نکر۔ ہم بھی جانتے ہیں کہ ہماری سعی بے حاصل ہے مگر ہمکو اسی میں اک لطف آرہا ہے تو اسے پامال نکر۔

رنج رہ کیوں کھینچئے واماندگی کو عشق ہے — اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

میں جہاں تھک کر بیٹھ جاتا ہوں وہی اپنی منزل خیال کرتا ہوں اور میری واماندگی کو اسی منزل سے جو فی الحقیقت منزل نہیں ہے عشق ہے۔ اسی کی وجہ سے جو قدم منزل پر پڑا ہے وہ پھر اُٹھ نہیں سکتا۔

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی — فتنۂ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے

یہ خاص مصنف کا طرز بیان ہے اور مضمون ایسی خوبصورتی سے ادا کرنے میں مرزا غالب مرحوم کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ کہتے ہیں کہ اچھا آپ ہمکو فرماتے ہیں کہ تیرے دل میں تو ایک دوزخ بھری ہے اور وہ بھڑک رہی ہے مگر یہ بھی تو مہربانی کرکے بتا دیجئے کہ فتنہ شور قیامت کون ہے وہ حضور ہیں نہ آپ سراپا حشر ہوتے نہ ہمارے دل میں دوزخ ہوتی۔ یعنی دوزخ تو یقینی قیامت سے کو بھڑکائی جائیگی اسی انداز بیان کا ایک شعر مصنف کا فارسی میں ہے

ے بیخود بوقت ذبح طپیدن گناہ ما — دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہ کیست

ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب — رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

غالب کا دل دل نہیں ہے بلکہ طلسم پیچ و تاب ہے اور اسی میں تیری تمنا ہے لہذا اگر تو غالب کے دل پر رحم نہیں کرتا تو نہ کر مگر اپنی تمنا پر تو رحم کر کہ کس مشکل میں ہے۔

دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی — دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

تیری نگاہ کا تیر ایسا دلدوز تھا جو جگر دوز بھی ثابت ہوا اور تیری ایک نگاہ دل سے

لیکن جگر تک پہنچی گی چونکہ دونوں اُسکے منتظر ہے لہذا دونوں رضامند ہو گئے۔

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراق — تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

لذت فراق بڑی اچھی چیز ہے جس سے ہمارے چھاتی شق ہو گئی ہے اور ہمیں زخم جگر کی پردہ داری سے نجات ملگئی۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں — اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اب وہ شراب جوانی کا نشہ باقی نہیں رہا ہے اب لہذا ہمکو بیدار ہونا چاہیے بادۂ شبانہ سے استعارہ ہے جوانی سے اور سرمستیاں جوانی کے افعال سے خواب سحر بھی جوانی کی بیخبری سے استعارہ کیا ہے اسواسطے کہ صبح کی نیند میں بھی ایسی ہی غفلت ہوتی ہے جیسی کہ جوانی میں

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں — بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

میرے خاک یار کی گلی میں اڑتی پھرتی ہے خیر اے ہوا میں تیرا ممنون ہوں کہ میرے دل سے بال و پر کی ہوس جاتی رہی۔ یعنی ظاہر ہے کہ اگر تو مجھکو نہ اڑاتی تو بال و پر کی حسرت ہوتی ہے۔

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا — موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

گل کترنا۔ کوئی تعجب کا کام کرنا۔ یا ایسا کام کرنا جس میں فتنہ و فساد ہو۔ یہاں پہلے معنی لئے گئے ہیں مصنف کہتا ہے کہ ذرا اُسکے انداز نقش پا کی دلفریبی دیکھیے کہ اُسکی موج خرام نے رستہ میں کیسے گل کترے ہیں۔ یعنی قدم قدم پر چمن زار بنا دیا ہے۔ کہ دل کے دل اور سیر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا — مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

میرے نظارہ نے بھی وہاں نقاب کا کام کیا۔ اسطرح سے کہ جب وہ رخ پر پہونچی تو

مست ہو گیا اور وہیں منتشر ہو کر ڈھیر ہو گیا۔ اس صورت سے نظارہ نقاب بنا۔ بہت خوب شعر کہا ہے اور اسمیں عاشق کی محرومی کا سلسلے وجہ الکمال نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یعنی جب نظارہ حائل یار کا نقاب ہے تو پھر اب اوسکے دیکھنے کی کیا توقع ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

یعنی اب بوالہوس بھی عاشق بن گئے تو اصلی عاشقوں کی کیا عزت رہیگی۔

حالیؔ فریاد کہ عاشق ز ہوسناک ندانی — در پیش تو استاد و نو آموز مساویست

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا — کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

دی روز گذشتہ کل۔ اور فردا آنے والی کل۔ جس سے شعرا کے یہاں اکثر قیامت مراد لی جاتی ہے کہتا ہے کہ کل جب تم گئے تو ہماری نظر سے۔ فردا اور دی کا فرق مٹ گیا۔ اور گذشتہ کل ہی فردائے قیامت ہو گئی۔

مارا زمانہ نے اسد اللہ خاں تمہیں — وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

ہائے اسد اللہ خاں زمانہ نے تمکو مار دیا ارے اب وہ تمھارے ولولے اور تمھاری وہ جوانی کیا ہو گئی اسد اللہ خاں اسوجہ سے کہا ہے جس سے اسوقت کا سطوت و جبروت ظاہر ہو بہت ہی خوب شعر کہا ہے۔ اسکی صفائی اور چستی بندش نے اسمیں کوٹ کوٹ کر مضمون بھر دیا ہے۔

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے — حوران خلد میں تری صورت مگر ملے

ہمکو تسکین دل کی فکر نہیں ہے دل کو تسلی ہو یا نہ ہو۔ چاہتے یہ ہیں کہ بہشت کی حوروں میں کوئی تیری سی صورت ملجائے۔ اگر ایسا ہو تو تسکین دل نہ سہی ذوق نظر تو ہوگا ہم اسی پر قناعت کرینگے۔

اپنی گلی میں مجھکو نہ کر دفن بعد قتل — میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

تو اپنی گلی میں مجھے دفن نکر ورنہ تو دنیا میں قاتل مشہور ہو گا۔ دوسرے یہ کہ میں نہیں چاہتا کہ تیرے پاس رقیب آئیں اور میری قبر کا پتہ پوچھتے پوچھتے آئیں کیونکہ میرا رشک اسے گوارا نہیں کرتا تیسرے یہ کہ تیرے نام کے ساتھ میں اپنا نام رکھنا نہیں چاہتا۔ یعنی تیرے وجود کے سامنے میں اپنی ہستی اور اپنی قبر تک کے نام مٹا دینے کے واسطے بھی تیار ہوں۔

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جسقدر ملے

گویا معشوق ساقی بزم ہے اور یہ بلانوشی اور خم آشامی پر اُتر آئے ہیں وہ دو چار جام ان کو پلا چکا اور ان کا دل سیر نہیں ہوا برابر سوال جاری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بس جتنی تو پیتا ہے اسکے موافق ہم تجھکو پلا چکے اب نہ دینگے۔

تجھسے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

اے ندیم خیر تجھسے تو کچھ نہیں کہتے مگر اتنا کہ اگر کہیں نامہ بر ملجائے تو ذرا ہمارا سلام کہدینا۔ کہ واہ خوب ہمارے خط کا جواب لائے کیا خوب شعر کہا ہے اور بھی کئی پہلو اسمیں موجود ہیں

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

مجنوں کی تعریفیں کیا ہمارے سامنے بیان کرتے ہو۔ وہ آزاد تھا کہ جنگلوں وغیرہ میں نکل گیا۔ مگر ہم کو تو غم پنہاں روک روک کر رکھتا ہے اگر اس سے ذرا ہمیں فرصت ملے تو ہم بھی تمکو بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اس سے دو مطلب پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مجنوں نام حرکات کا تماشہ تم کو دکھائیں۔ ایک یہ کہ ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اور ہم کیا کرتے ہیں گویا مجنوں نے ہمارے مقابلہ پر کچھ بھی نہ کیا تھا۔

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام کی پیروی کریں۔ ہم ان کے ساتھ رہنے کو صرف اپنا ہم رتبہ سمجھنے پر انحصار کئے ہوے ہیں۔ جیسے ہم ایسے وہ۔ حاصل یہ کہ ہم نے خضر کے برابر جنگلوں کی سیر کی ہے۔

اے ساکنان کوچۂ دلدار دیکھنا تم کو کہیں جو غالب آشفتہ سر ملے

اے ساکنان کوچہ دلدار ذرا دیکھنا اگر تمکو کہیں غالب مل جائے۔ اسمیں ذرا دیکھنا کثیر المعنی لفظ ہے جس سے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ ذرا اوسکی حالت زار دیکھنا۔ یا ذرا دیکھنا وہ آج کس رنگ میں ہے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اگر ہماری زندگی کچھ دنوں باقی رہی تو ہم نے بھی اب اپنے دل میں کچھ اور ٹھان رکھی ہے دوسرے مصرع سے بہت سے معانی نکلتے ہیں۔ اور یہ کمال فصاحت ہے۔ نہ حسب الارشاد جناب مولانا نظم صاحب کہ اسمیں المعنی فی بطن الشاعر ہے کیونکہ جو الفاظ دوسرے مصرع میں لائے گئے ہیں یہ زبانزد عوام ہیں کہ اگر تم ایسا نکرو تو ہمارا بھی ایسا ارادہ ہے یعنی تمکو کسی نہ کسی صورت سے اسکا بدلہ دینگے۔ یا یہ کہ ہم بھی مر جائینگے۔ اور اس قسم کے ہزارہا الفاظ مروج اور داخل روزمرہ ہیں۔ جیسے اچھا ہم تو تمکو مزا چکھا دینگے۔ یا ہم بھی تمکو دکھا دینگے وغیرہ وغیرہ۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکی بندش نہایت چست ہے مگر غلطی کو چستی بندش نہیں مٹا سکتی۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوز غمہائے نہانی اور ہے

یعنی سوز غم آتش دوزخ سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور حرارت میں بڑھا ہوا ہے

بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

ہم نے اونکی رنجشیں کئی مرتبہ دیکھی ہیں مگر اسمرتبہ بیطرح خفا ہوئے ہیں۔ خدا ہی خیر کرے آج رنگ بیٹھے ہے پھڑک رہا تھا کئی دن سے آبلہ دل کا۔

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

نامہ بر خط دیکر میرا منھ دیکھ رہا ہے کچھ نہ کچھ پیغام اوسکے دل نے اور بھی کہا ہے۔

یعنی ضرور مجھے بُرا بھلا کہلا بھیجا ہے۔ یا یہ کہدیا ہے کہ اب تو میں نے جواب دیدیا ہے آئندہ سے میرے پاس کوئی خط نہ لکھنا وغیرہ وغیرہ مصرع ثانی سے بہت سے پہلو نکل سکتے ہیں۔

قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم　　وہ بلائے آسمانی اور ہے

ستارے اکثر عمروں کو قطع کرتے ہیں۔ یعنی ان کی گردش شبانہ روز سے زندگی کا اختتام ہوتا ہے مگر میرا معشوق کچھ اور ہی ہے۔ وہ زندگی کو بھی موت سے بدتر بنا دیتا ہے۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام　　ایک مرگ ناگہانی اور ہے

غالب اوس کے عشق میں اور تو سب بلائیں ہم اٹھا چکے بس اب ایک یہ باقی رہ گیا ہے کہ اسی صدمہ میں کسی دن یکایک موت آجائے۔

تمام غزل کے اشعار میں جستی بندش اور روزمرہ زبان وغیرہ کی داد نہیں دیجا سکتی۔ جو لوگ غالب کو مشکل گو تصور کرتے ہیں اونکو عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یا جو لوگ بزعم خود غالب کا اتباع کرتے ہیں اور موٹے موٹے الفاظ ٹھونس دیتے ہیں اونکو ایسی غزلیں دیکھنی چاہئیں۔

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی

میری کوئی امید پوری نہیں ہوتی نہ کوئی امید پوری ہونیکی صورت معلوم ہوتی ہے یا یہ کہ اتنی امید بھی پوری نہیں ہوتی کہ کوئی صورت (یعنی معشوق کی صورت) نظر آجائے۔ یا کوئی صورت نظر نہیں آتی جس سے امید پوری ہونے کی امید ہو۔

موت کا ایک دن معین ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

موت تو یوں نہیں آتی اوسکا ایک وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت معینہ پر آئیگی مگر نیند کو آنے میں کیا عذر ہے وہ رات بھر کیوں نہیں آتی یا یہ کہ موت اپنے وقت پر آکر رہیگی۔ آخر نیند اسکے فکر میں کیوں اڑ گئی ہے۔

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی

میرا غم شب و روز ترقی پر ہے پہلے یہ حالت تھی کہ اور کسی بات پر نہیں مگر اپنے دل کی دیوانگی پر ضرور مجھے ہنسی آجاتی تھی اب یہ عالم ہے کہ اوس پر بھی ہنسی نہیں آتی۔ اس شعر کی تعریف غیر ممکن ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یہ نہیں ہے کہ میں زہد و اتقا کے ثواب سے ناواقف ہوں نہیں اسکے ثواب کو جانتا ہوں۔ مگر بدقسمت ہوں طبیعت افعال بد کی طرف رجوع ہوتی ہے ادھر طبیعت کو رغبت نہیں ہوتی۔ اس سے اس مسئلہ پر مصنف نے روشنی ڈالی ہے۔ کہ ایمان کے لئے کچھ تصدیق بالقلب ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اقرار باللسان بھی ضروری ہے۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں　　ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

پہلے مصرع کی تعریف نہیں ہو سکتی جس سے کئی پہلو نکلتے ہیں یعنی۔ میرا خاموش رہنا ہی اچھا ہے اسمیں مصلحت ہے ممکن ہے کہ میں کچھ کہوں اور اسمیں دل کی کوئی شکایت اور گلہ لب پر آئے اور وہ ناراض ہو جائیں یا یہ کہ میری کون سنیگا۔ یا معشوق نے مجھکو منع کر دیا ہے۔ یا عشق نے مجھ میں بولنے کی طاقت باقی نہیں رکھی ہے۔ غرض ایسے ہی کچھ اسباب ہیں کہ خاموش ہوں ورنہ میں بھی زبان رکھتا ہوں۔

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں　　میری آواز گر نہیں آتی

اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں کہ آج وہ کیوں نہ رویا۔ چونکہ معشوق کو میرا اس صورت سے نالہ و فریاد کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے اس لئے مجھے مجبوراً رونا پڑتا ہے۔ یا اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھے یاد کرتے یعنی بلاتے ہیں اور مجھکو تاکید نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ یا مجھپر ستم کرکے نالہ کشی کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مجھے یاد بھی کرتے ہیں تو میرا دکھ درد بڑھانے کے لئے یاد کرتے ہیں۔

داغ دل گر نظر نہیں آتا　　بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

153

اگر تجھے میرا داغ دل کھائی نہیں دیتا تو کیا تجھے داغ کی بو بھی نہیں آتی۔ یعنی میری محبت سے انکار ہے تو کیا تو میرے انداز مجنونانہ سے نہیں پہچان سکتا۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہمکو بھی   کچھ ہماری خبر نہیں آتی

یعنی اب ہمارا یہ حال ہے کہ اپنے حال کی بھی خبر نہیں دوسروں کی تو کیا خبر ہے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی   موت آتی ہے پر نہیں آتی

میں کثرت شوق و انتظار موت سے مرا جاتا ہوں۔ مجھے موت آتی ہے مگر موت نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب   شرم تمکو مگر نہیں آتی

کیوں غالب کعبہ کا جو ارادہ کر رہے ہو وہاں جاتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی کہ ساری عمر بت پرستی میں صرف کرتے رہے ہو اب تم ہرگز اس قابل باقی نہیں رہے ہو کہ تم کعبہ کو جا ذرا شرم کرو۔

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اے دل ناداں تجھے یہ کیا ہو گیا ہے آخر تیرے اس مرض کی تیری اس وحشت کی کیا دوا کروں۔ یہ بطریق ملامت ہے۔ دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ حضرت دل آپ جو مجھے کہتے ہیں کہ میرا علاج کرو میری خبر لے۔ پہلے تو یہ بتا کہ تجھکو ہوا کیا ہے کہ جس کی کچھ دوا کیجائے۔ یا فرض کیجئے کہ آپ اپنی حالت کو مرض ہی سے تعبیر کرتے ہیں تو اس مرض کی دوا ہے کہاں کہ میں علاج کا ارادہ کروں تیسرا پہلو یہ ہے کہ دل سے پوچھتا ہے کہ کم بخت تو اپنا مرض تو بتا۔ تجھے یہ کیا ہو گیا جو تیری حالت شب و روز تباہ ہوتی جاتی ہے کچھ اپنے مرض کی روداد بتا کہ اوسکا علاج کروں تو تو چھپاتا ہے۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار   یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

یہ سنا ہے کہ دنیا میں دلکو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مگر یہاں عجب حالت ہے کہ ہم جسکے

مشتاق ہیں اور وہ ہم سے بیزار ہے۔

مومن ؎ ہم اسکو چاہیں وہ ہم سے خفا ہو   دلا یہ بھی تو ہے قدرت خدا کی

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں   کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

عاشق بر بنائے رعب حسن بزم معشوق میں اسقدر خاموش رہا ہے کہ معشوق اسکو گونگا سمجھنے لگا ہے اس شبہ کے مٹانے کے لیے کہتا ہے کہ جو تم نے سمجھا ہے دراصل یہ بات نہیں ہے بلکہ زبان میرے منہ میں بھی ہے کاش کسی روز تم میرا مدعائے دل مجھ سے پوچھو تو پھر میں تم سے بیان کر دوں یا یہ کہ غیر کا حال تم پوچھتے ہو کاش تم کسی دن مجھ سے بھی میرا مدعائے دل پوچھو تو تم سے کچھ کہوں۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اے خدا جب تیرے سوائے اور کوئی نہیں ہے تو پھر آخر یہ ہنگامہ ہستی کیا ہے اور یہ منظر اسقدر دلفریب کیوں ہے۔

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں   غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

یہ حسینان جہاں کیسے ہیں اور یہ انکے ناز و ادا آخر کیا بلا ہیں۔

شکن زلف عنبریں کیوں ہے   نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

زلف پیچدار کی شکن اسقدر عنبریں کیوں ہے اور آنکھ سرمہ سا کیوں ہے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں   ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

یہ لہلہاتا سبزہ۔ یہ رنگ برنگ کے پھول۔ کالی کالی گھٹائیں یہ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں یہ کیا چیز ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی چیزوں کو نہیں دیکھتے ہیں انکو دیکھنا چاہیئے اور متوجہ ہونا چاہیئے کہ جو دلفریبیاں زمانہ میں ہیں وہ سبھی اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ اور اگر کچھ نہیں ہے تو آخر یہ کیا بلا ہیں۔ نہیں یہ سب صنعتیں صانع نے چشم حقیقت بیں کے لئے پیدا کی ہیں کہ ان کو دیکھکر انسان صانع حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

افسوس مجھ کو ایسے جفاکار سے امید وفا ہے جو وفا کا نام بھی نہیں جانتا یا یہ کہ وہ
اور وہ ہو وہ جفا وفا کو نہیں پہچانتا۔

جان تم پر نثار کرتا ہوں — میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں نہیں جانتا کہ دعا کیا بلا ہے لیکن تم پر جان دے سکتا ہوں برعکس مدعیوں کے جو
محض زبانی جمع خرچ سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ میں اپنے مرنے کی دعائیں کیوں کروں
لے تو اپنی جان دے دیتا ہوں

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے

گویا خود ایک فقیر ہیں اور معشوق سے کہتے ہیں کہ بھلا کر خدا تیرا بھلا کرے گا یہی فقیر
کی صدا ہے اور وہ بھی سچ کہتا ہے۔

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب — مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

غالب اگرچہ بالکل نکما اور ناکارہ ہے۔ مگر بندۂ بے درم ہے اور یہ مشہور ہے کہ
مفت را چہ گفت۔

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے — اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

اے تیماردارو تم سب یہ تو کہہ رہے ہو کہ کسی نہ کسی صورت سے اگر وہ بت غالیہ مو آجائے
تو غالب کو کچھ تسکین ہو۔ مگر کیا اچھا ہو کہ اگر تمہاری زبان سے گھبرا کر یہ نکلے کہ لو
وہ آگئے وہ آرہے ہیں۔ تو مجھے ابھی تسکین اور آرام ہو جائے غزل کا مطلع اسی قافیہ میں ہے
یا آئے اجل یا صنم عربدہ جو آئے — ایسا نہ ہو یارب کہ نہ یہ آئے نہ وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذب محبت — کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

اے جذبۂ الفت تو دیکھتا ہے کہ میں نزع کی کشمکش میں ہوں اور مجھ میں طاقت گویائی باقی نہیں
ہے مگر تو میرا اتنا کام کر دے کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے یہاں آجائے چاہے میں اس سے کچھ نہ کہہ
سکوں مگر ان کو دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے دوں ظفر اسی قافیہ کو لکھتے ہیں
اٹھنے بھی تو آتے ہی لگے پھیر لے جوتوں — کیا آئے وہ گر تم سے بچھڑ کے پھیر کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم — آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

میرے معشوق کا آنا بھی ایسا آنا ہوتا ہے جسے نہ آنے سے تشابہ کر سکتا ہوں شعلہ و سیماب
و برق کی سی اس کی حالت ہے جیسے ان کو قیام نہیں ویسے ہی اُسے بھی نہیں۔ لہٰذا اس کا آنا ہی
میری سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ وہ آئے بعض نسخوں میں (آتا ہی) مصدر کے بجائے حال یعنی آتا ہی
لکھا ہے۔ وہ بھی صحیح ہے اور اس صورت میں یہ معنے ہیں۔ کہ میرا عالم وہی شعلہ و سیماب کا سا ہے
کوئی کمی نہیں ہوئی اس سے میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وہ نہیں آتا۔ اب چاہے آ ہی جائے
کہ جہاں یہی خیال ہے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

شراب پینے سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قبر کی پرسش سے بچ گئے یوں تو نکیرین مر جائیں گے مگر چونکہ
وہ نور سے پیدا ہوئے ہیں میرے منہ کی بدبو سے بھاگ جائیں گے اور پاس نہ آئیں گے
اور یہ ضرور ہے کہ شراب کی منہ سے بو آئے مولانا نظم نے لکھا ہے کہ منہ سے بو آنے کا مضمون
کرنے کے قابل نہ تھا بیشک یہ صحیح ہے اسمیں بڑا نقصان تو یہ ہے کہ فرشتوں کی عاجزی
منظور ہے دوسرے مضمون نہایت رکیک ہے کم از کم ایسے مضامین سے احتیاط لازم
ہے مگر غالب نے تو خیر اسیقدر لکھا ہے بعض لوگ تو خدا جانے کیا کیا لکھ جاتے ہیں مثلاً
پوچھتا ہے طنز سے کیا باندھی ہے کس پر کمر — باندھی ہے میرے گھر کو لوٹ ترا شلوار بند
حسرت جلوۂ دیدار بہت ہے مجھ کو — چاہیے میرے لئے آئینہ حمام وصل
مرتے ہیں رشک کے مارے پس دیوار رقیب — شور کرتا ہے جو پازیب کا در شب وصل
کچھ تنگ میں لاتا ہے تو کہتا ہے وہ شوخ — مرد ہے وہ کہ جو آنکھ کو سرمیلی کرے
مضامین اسقدر رکیک ہیں کہ آجکل شاعری میں ان کی گنجائش نہیں ہے نہ کبھی پہلے تھی۔ جہاں تک

کابل عاجزوں کے وداد یں اسکے شاہد ہیں۔ اب بالکل قابل ترک ہیں

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ۔ ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

ہم ہر شخص میں تجھی کو دیکھتے ہیں لہذا نہ جلاد سے لڑتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں گویا تو نے اپنا بھیس بدل لیا ہے۔ مگر اس تبدیل لباس سے ہم دھوکا نہیں کھاتے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ۔ من انداز قدت را مے شناسم

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت ۔ دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اے اہل طلب جب باوجود تلاش وہ ہمکو نہ ملا تو ہم اسقدر حیران ہوئے کہ خود کھوئے گئے اور اس صورت میں اچھے رہے۔ ورنہ لوگ یہ طعنہ دیتے کہ ڈھونڈھا اور نہ پایا۔ ہاں تاکید و تنبیہ کے لئے ہے یعنی ایسا ہی چاہیے۔

اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں ۔ اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

ہمارا شعار یہی کہ آرام سے نہ بیٹھیں اسکو ڈھونڈھنے گئے تھے وہ نہ ملا کعبہ کو چلے گئے گویا کعبہ کا جانا کسی ثواب کے حصول کی نیت سے نہ تھا۔ بلکہ ایک وقت گذارنا مقصود تھا یا ہرزہ گردی گویا ہے

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو ۔ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

کی ہمنفسوں نے اثر گریہ میں تقریر ۔ اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھکو ڈبو آئے

میرے دوستوں نے جس سے میرے نالہ کی بے اثری کے بارہ میں تقریر کی۔ کہ وہ غریب رات دن روتا ہے اور اسیر ابن کو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بے اثر ہیں۔ یعنی سمجھے کہ وہ اتنا روتا ہے اور پھر بھی ہمپر کوئی اثر نہیں ہے تو یقیناً نالہ کی بے اثری کا اظہار اسیر ہوا۔ تو اس حساب سے دوست تو اچھے رہے کہ انہوں نے میرے اوپر اپنا احسان ثابت کر دیا۔ مگر مجھے ڈبو دیا۔ یعنی کبھی کبھی جو میں اسکو اپنے نالہ و فریاد کے اثر کی دھمکی دیتا تھا اب وہ بھی گئی۔

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب ۔ ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

اُس محفل کی کیا بات ہے ہم بھی وہاں گئے تھے اور غالب تیری تقدیر کو رو آئے یعنی اسیر رنج کر آئے کہ ہائے ایسی انجمن ناز میں اور اسکا گذر نہیں۔ یا یہ کہ اوس سے قصہ بیان کر کے ظفر مرحوم نے اسی قافیہ کو یوں کہا ہے ؎

خوش ہونا کہاں جبکہ نصیبوں میں ہو رونا ۔ ہم شمع صفت محفل شادی میں بھی رو آئے

پھر کچھ اک دلکو بے قراری ہے ۔ سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر دلکو کچھ اک بیقراری سی ہے ہمارا سینہ زخم کاری کو ڈھونڈھتا ہے۔

پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۔ آمد فصل لالہ کاری ہے

فصل بہار کی آمد ہے لہذا میرے ناخن پھر جگر کھودنے لگے۔ یا یہ کہ جگر کے زخمی ہونے سے لالہ کاری بنائی ہے۔ جگر کھودنا۔ جگر کاوی کا ترجمہ ہے۔

قبلۂ مقصد نگاہ نیاز ۔ پھر وہی پردۂ عماری ہے

پھر اسی عماری کا پردہ ہمارا نیاز کشی کا قبلہ اور کعبہ بنا ہوا ہے۔

چشم دلال جنس رسوائی ۔ دل خریدار ذوق خواری ہے

دل ذوق خواری اور رسوائی کا خریدار بننا چاہتا ہے اور آنکھ اوسکی دلالی کر رہی ہے ظاہر ہے کہ آنکھ ہی پھنساتی ہے۔

وہی صد رنگ نالہ فرسائی ۔ وہی صد گونہ بیقراری ہے

وہی طرح طرح کے نالہ کرنا۔ اور وہی سو طرح سے بیقرار ہونا۔ پھر شعار ہو گیا ہے۔

دل ہوائے خرام ناز سے پھر ۔ محشرستان بیقراری ہے

خرام ناز کی خواہش نے پھر دل میں قیامت برپا کر رکھی ہے چونکہ خرام ناز کا کام قیامت برپا کرنا ہے اسلئے اُسکے خیال نے بھی قیامتیں اُدھار رکھی ہیں

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے — روز بازار جاں سپاری ہے

جلوہ یار نے ظاہر ہو کر پھر بازار جاں سپاری عشاق کو آب و تاب اور رونق دی ہے اور جاں سپاری کا بازار گرم ہے۔

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر اُسی بیوفا پر ہم اپنی جان دیتے ہیں پھر ہماری زندگی کا وہی طرز ہے۔

پھر کھلا ہے در عدالت ناز — گرم بازار فوجداری ہے

عدالت ناز کے پھر اجلاس ہو رہے ہیں اور فوجداری کے مقدمات روزانہ دائر ہوتے ہیں یا پیش ہوتے ہیں۔ یا فوجداری کی وارداتیں روز ہوتی ہیں۔

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

آجکل زلف سرشتہ دار یعنی پیشکار ہے اور اُسکے ظلم و ستم سے جہان میں ایک اندھیر ہو رہا ہے سرشتہ اور اندھیر وغیرہ یہ سب زلف کے مناسبات سے ہیں۔

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

سوال دینا اصطلاح وکلاء و عدالت میں درخواست کو کہتے ہیں جو مقدمہ کے دائر کرنے کے وقت دیتے ہیں۔ مقدمہ دائر کرنے والے یا درخواست دینے والے کو سائل اور جب درخواست دیتے ہیں یا حکام درخواستیں لیتے ہیں اوسوقت کو سوالخوانی کا وقت کہتے ہیں یعنی پارۂ دل نے پھر آہ و زاری و فریاد کے خلاف درخواست دی ہے۔ ایک فریاد یعنی کثرت فریاد

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب — اشکباری کا حکم جاری ہے

یعنی درخواست کے لئے گواہ عشق پھر طلب ہوئے ہیں۔ اور پھر اشکباری کا حکم جاری ہوا ہے یعنی آنسو پھر طلب ہوئے ہیں۔

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اُس کی روبکاری ہے

دل اور مژگاں کی جو خصومت تھی آج پھر وہ مقدمہ پیش ہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اگرچہ مقطع اس قطعے سے علیحدہ معلوم ہوتا ہے مگر دراصل یہ بھی اسی میں شامل ہے گویا پوچھا گیا ہے کہ اگر تمکو مژگاں نے ستایا ہے۔ تو تم یہ بتاؤ کہ بیخود کیوں ہو معلوم ہوتا ہے کہ تصور تمہارا ہے اور تم اسکو چھپاتے ہو۔ یعنی تمکو عشق ہے۔ اور یہی وجہ ہے تمکو بیخودی ہے اور اس حالت میں مژگاں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگرچہ اس قطعہ میں جو الفاظ ہیں وہ اردو کے ہیں مگر چونکہ وہ الفاظ زبانِ فارسی سے لیکر اپنے یہاں کے خاص خاص معنوں میں مستعمل کیے گئے ہیں اسوجہ سے اونکی ترکیب فارسی الفاظ کے ساتھ ناجائز نہیں کہی جا سکتی۔ پھر کے لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ الیا اکثر مرتبہ ہو چکا ہے۔

جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی — نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

اے جنوں چونکہ ہم نے کچھ خوشی کی ہے تو تجھ پر اس سے تسکین کی تہمت جو تیرے لیے باعث ننگ ہے نہیں رکھی جا سکتی۔ بلکہ اگر ہم نے لذت زندگی کچھ اٹھائی ہے تو وہ ایسی لذت ہے کہ کچھ دیر بعد جو وہ ہمسے چھن جائیگی یا ہم اسکو چھوڑ دینگے تو وہ اور بھی ہمارے زخم دل کے لئے باعث نمک پاشی ہو جائیگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو عیش فانی ہو وہ اور باعث تکلیف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے جنوں تسکین کی تہمت میری شادمانی کر نیسے تجھ پر نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ لذت زندگانی کو دیکھکر میں اُن لذتوں سے خوش نہیں ہوتا جو اُن میں موجود ہیں بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ یہ مجھکو میسر نہیں ہیں۔ اور ان سے میرے دل پر نمک چھڑکا جاتا ہے۔ اور یہ نمک پاشی میرے زخم دل کے لیے باعث شادمانی۔ اور اس

شادمانی سے تو تمہیم بہ شادمانی حقیقی نہیں ہو سکتا۔

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

کشاکش علائق ہستی سے سعی آزادی کا کچھ بس نہیں چلتا۔ یعنی کوئی اس سے آزاد نہیں رہ سکتا۔ جیسے کہ پانی جسکی روانی آزادی سے تعبیر کیجا سکتی۔ مگر اسیر بھی زنجیر ہائے تموج میں گرفتار رہتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہاں کی آزادی بھی گرفتاری ہے۔

پس از مردن بھی دیوانہ زیارتگاہ طفلاں ہے
شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

ترا دیوانہ مرنے کے بعد بھی لڑکوں کی زیارت گاہ بنا رہا۔ اور میری قبر پر پتھر مارتے رہے جن کے شراروں سے گویا میری قبر پر پھول چڑھائے۔

نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیداد دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح محشر کی

جو اپنے معشوق کی فریاد کرنے کا ارادہ کرے اگر اسکو ملامت کیجائے تو بجا ہے اور یہی اوسکی سزا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح محشر خندہ دنداں نما ہو کیونکہ وہ فریاد اور عدالت کا دن ہے اسی مضمون کو مصنف نے مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے جیسا کہ ایک جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فصد کھلوائی لیلیٰ نے یہاں مجنوں کے خون نکلا۔ اوسکی تلمیح کر کے مصنف نے یہ شعر لکھا ہے کہتا ہے کہ اتحاد حسن و عشق کی یہ تاثیر ہے کہ اگر دشت نجد میں دہقان بجائے دانہ کے نوک نشتر بوئے تو یقین ہے کہ لیلیٰ کی رگ میں اوسکا اثر محسوس ہوگا کیونکہ وہ نوک نشتر مجنوں کے پاؤں کو زخمی کریگی۔ ادھر اسکے خون نکلے گا ادھر اسکا جسم مجروح ہوگا۔ یا یہ کہ رابطہ حسن و عشق اسی کا نام ہے عاشق کی اذیت تکلیف معشوق کو اور معشوق کی عاشق کو محسوس ہوتی ہے۔ خاک دشت مجنوں کو مجنوں سے صرف اسقدر تعلق ہے کہ وہ اسپر سے گذرتا ہے۔ مگر اُس خاک میں اگر دہقان نوک نشتر چھوڑے تو لیلیٰ پر اُسکا اثر پہونچیگا مولانا نظم لکھتے ہیں کہ ممکن ہے مصنف نے دست ہاتھ کے معنے میں لکھا ہو۔ مگر ذائع

کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اُس سے یہ لطف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ نہ لفظ خاک با معنی رہتا ہے

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تھا
ہوئی محفل کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

پروانہ کا پر شاید کشتی مے کے لئے بادبان تھا جو گرمی محفل کی دلیل تھا۔ اور محفل کی گرمی روانی دور ساغر کا باعث تھی تو اس صورت میں پر پروانہ بادبان کشتی سے ٹھہرا اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں محفل گرم ہوتی ہے وہاں پروانہ ضرور پہونچتا ہے اور اس صورت میں پروانہ گرمی محفل کی دلیل ہی نہیں ہے بلکہ اس لزوم موجودگی سے وہ باعث گرمی محفل کے درجہ پر پہونچگیا ہے۔

کروں بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑگئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی طاقت اڑگئی ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا اور اب اڑ نہیں سکتا ہوں اسیوجہ سے شوق پرفشانی کے وجہ بیداد مجبور ہو رہے ہیں کہ میں عرض نہیں کرسکتا۔

کہاں تک روؤں اوسکے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

اوسکے خیمہ کے پیچھے کہاں تک روئے جاؤں اے خدا میری قسمت میں کیا کوئی پتھر کی دیوار نہ تھی کہ اس سے اپنا سر پھوڑ کر مر رہتا اور اس رونے کی زحمت سے نجات پاتا۔

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہوگئے اُتنے ہی کم ہوئے

اپنی بے اعتدالیوں کے سبب سے سب کی نظروں میں ہم سبک ہوگئے ہیں یوں سمجھیے کہ جتنے ادھر بڑھتے گئے اسیقدر ہمارا وقار کم ہوتا گیا۔

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہمارے آشیانے کے بہت قریب ہی صیاد نے جال بچھا دیا۔ یہانتک کہ ہم اڑنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ جال میں پھنس گئے اور اُڑنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ ایسا ہی کسی اور شاعر کا شعر ہے

صیاد نے کسوقت لگایا ہے نشانہ
جب اُڑنے کو ہم شاخ پہ پر تول رہے تھے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

ہماری ہستی تا ضرور ہے مگر وہ محض برائے نام ہے۔ مقدور اتنی ہے کہ ہم اپنی ہستی کی قسم کھا سکتے ہیں یعنی بس قسم کھانے کے لئے باقی ہیں ورنہ بالکل فنا ہو چکے۔

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

جو لوگ مدتوں عشق کی سختیاں کھینچتے رہے ہے وہ سراپا الم بن گئے اور اب انکا وجود بالکل غیر مرئی اور نا محسوس ہے۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں — ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

خون کی حکایات خونچکاں لکھتے ہیں اگرچہ ہمارے ہاتھ تک قلم ہو گئے مگر ہم لکھتے ضرور رہے یعنی ان حکایتوں کا لکھنا ہمکو اسقدر پیارا تھا کہ ہاتھ قلم ہونے منظور کئے مگر یہ منظور نہ کیا کہ ہم یہ حکایات نہ لکھیں۔ اور یہ بھی ایک جنون ہے۔

اللہ رے تیری تندیٔ خو جس کے بیم سے — اجزائے نالہ دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اللہ ری بدمزاجی اور تندی خو جسکی دہشت اور خوف سے میرے نالہ کے اجزا دل کے دل ہی میں تحلیل ہو گئے اور ایک دوسرے کے رزق بن گئے۔

اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق — جو پاؤں اٹھ گئے وہی انکے علم ہوئے

اہل ہوس کی فتح یہی ہے کہ وہ میدان عشق سے بھاگ جائیں اور انکے جو پاؤں اٹھ گئے گویا وہی ان کے علم فتح بلند ہوئے ہیں۔ پاؤں اٹھنا محاورہ ہے جو بھاگنے کے معنے میں ہے۔

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

عدم میں چند نالے کھینچنے کیلئے ہماری سپرد ہوئے تھے جو ہم وہاں ختم نہ کر سکے اور نہ کھینچ سکے اور وہاں کے رہنے کی مدت ختم ہو گئی وہ یہاں بہ صورت نفس تبدیل ہو گئے۔ حاصل یہ ہے کہ ہمارا

زندگی محض نالہ کشی کے لئے ہے۔ اور یہ جسکو لوگ سانس سمجھے ہوئے ہیں سانس نہیں ہیں بلکہ نالے ہیں

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

عاشقی اور دل لگی کی عادت ان برے حالوں یعنی فقیری میں بھی نہ چھوڑی ہم فقیر ہوئے تو اہل کرم کے عاشق ہوئے اور انکی تلاش میں مارے مارے پھرے۔

بدلکر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی — تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی

اگر میرے داغ دل کی شعلہ سوز عشق حفاظت نہ کرے تو افسردگی اس زر داغ کو اڑا لیجائے کہ وہ اسکی گھات میں بیٹھی ہوئی ہے۔ یعنی ہم وہ بد نصیب ہیں کہ کسی صورت سے ہمارے آرام کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر داغ دل کی چمک دمک باقی نہ رہے تو افسردگی پیدا ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی وہ بری ہے ویسی ہی یہ بری ہے یعنی افسردگی و جلا ہوا داغ عشق دونوں یکساں ہیں۔ مولانا نظم لکھتے ہیں کہ تشبیہیں لطیف ہیں حاصل شعر کا کچھ بھی نہیں ہے حالانکہ مصنف نے مضمون آفرینی کی ہے اور نہایت اچھا حاصل اسکا نکالا ہے۔

مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانۂ جوانی — کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

میں ایسے شخص سے کیونکر یہ امید رکھوں کہ جوانی ہو کر وہ میرے دل کی تمنائیں پوری کریگا جسنے کبھی بچپن میں میری کہانی بھی نہ سنی حالانکہ بچپن کے زمانہ میں کہانی سننے کا سب بچوں کو شوق ہوتا ہے۔

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا — کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

بلا وجہ کسیکو دکھ دینا کچھ اچھا نہیں ہے ورنہ یہ دعا مانگتا کہ الٰہی میری زندگی میرے دشمن کو دیدے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اسکو میری زندگی ملتی تو وہ بھی بلاؤں میں پھنس جاتا۔ ایک جگہ اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔ یہاں زندگی نہ دینے کی وجہ بلا وجہ کسی کو ستانا رکھا مگر وہاں دوسرا سبب ہے۔

ع دریغا از حسرت دیدار او رفتہ جانے آں وارد　　کہ بے رویت بہ شمع دادہ ام اشکم زندگانی را

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے　　اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

میرے ظلمت کدے میں شب غم کا جوش ہے یعنی ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اور صبح کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے بلکہ کوئی ایسی شے بھی نہیں ہے جس سے صبح پیدا ہونے کے کچھ آثار ظاہر ہوں۔ اگر ہے تو شمع جو بجھی ہادی ہے وہ دلیل سحر ہے کیونکہ شمع صبح کے وقت بجھ جایا کرتی ہے سو وہ خاموش ہے۔ پھر خیال کیجیے کہ جہاں دلیل سحر بھی موید و معین تاریکی ہو اس گھر کی تاریکی کی کیا حد ہے اسی مضمون کے دو شعر لکھے جا چکے ہیں ذوق مرحوم کہتے ہیں

ع دود دل سے ہے یہ تاریکی مرے غمخانے میں　　شمع ہے اک سوزن گم گشتہ کاشانے میں

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند　　شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال　　مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

نہ مدت سے کوئی وصال کی خوشخبری سنی اور نہ اس کا جمال آنکھوں سے دیکھا۔ گویا آجکل کان اور آنکھ کی صلح ہو گئی ہے نہ اسکو اس پر رشک کا موقع ہے نہ اس کو اس پر ورنہ ایک زمانہ میں کبھی جمال دیکھتے تھے کبھی مژدہ وصال سنتے تھے۔ اور آنکھ کان سے کان آنکھ سے دشمنی رکھتا تھا۔ بلکہ اسی مضمون کا شعر ناسخ کا ہے مگر حق یہ ہے کہ غالب مرحوم نے اس صفائی سے اسکو نظم کیا ہے کہ ناسخ کے یہاں اس کا نام ہی نہیں ہے۔

ناسخ　شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی　　برسوں ہوئے کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب　　اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے

حسن خود آرا کو مے نے بے حجاب کر دیا ہے اے شوق اسوقت اجازت ہے کہ اپنے ہوش و حواس اسکے حوالہ کر دے یعنی تو بھی بیخود ہو جا۔

گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا　　کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

موتی معشوقوں کے ہار تک پہونچا ہے ذرا ستارہ جوہری کا اوج اور بلندی دیکھنا کہ

یوں کہتا ہے ع تیرے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں　　ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

ذرا سے فرق سے دونوں مضامین میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست　　بزم خیال میکدۂ بے خروش ہے

ہماری بزم خیال ایک ایسا میخانہ ہے جسمیں شور و شر کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ یہاں دیدار شراب ہے حوصلہ ساقی ہے کہ ہر ایک کے اندازہ کے موافق اسکو شراب پلاتا ہے۔ نگاہ ایک مست ہے کہ بہکتی چلی جاتی ہے مصرع اولی میں اضافت نہیں ہے۔

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل　　زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

اے وہ لوگو کہ فرش خواہش دل پر ابھی ابھی آ کر بیٹھے ہو اور اس بزم میں تو وارد ہو۔ ذرا خبردار ہو اگر تمہیں نغمہ و سرود اور شراب نوشی کی تمنا ہے۔ یہ نوجوانوں سے خطاب ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو　　میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

تم اپنے ارادوں کو پورا کرنا مگر جو تمہاری آنکھ میں نگاہ عبرت موجود ہے اور اگر تمہارے کان میں نصیحت سننے کا مادہ اور قابلیت ہے۔ تو مجھے دیکھو۔ اور میری نصیحت سنو۔

ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی　　مطرب بنغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

ساقی کو نہ دیکھو اسکا جلوہ ایمان و عقل کا دشمن ہے مطرب کے نغمہ نہ سنو یہ تمکین و ہوش کے رہزن ہیں میر درد کہتے ہیں ع خلوت دل میں کر دیا اپنے حواس میں خلل　　چشم جمال چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط　　دامان باغبان و کف گلفروش ہے

تم نے شب کو بھی بزم کی حالت دیکھی ہوگی کہ ہر گوشۂ بساط پر پھولوں کا انبار تھا جس سے فرش انجمن باغبان کا دامن اور گلفروش کا ہاتھ معلوم ہوتا تھا۔

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ　　یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

خرام ناز ساقی کے دیکھنے اور چنگ کی مستانہ آواز سے نگاہ اور کانوں کو جنت کا مزا آ رہا تھا

یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

رات یہ کیفیت تھی مگر صبح کے وقت جو آکر دیکھا نہ وہ خوشی کا عالم ہے نہ وہ چہل پہل ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

اب بجائے اوس خوشی کے سامان کے ایک شمع خاموش محفل میں نظر آتی ہے جسکو صحبت شب کی جدائی کے داغ نے جلا دیا ہے اور وہ چپ بیٹھی ہوئی ہے۔
مصنف نے اس قطعہ میں سحر نگاری کی ہے۔ جواب نہیں ہو سکتا۔ بزم کے سرور کی بھی کیفیت دو شعر و نمیں دکھا دی ہے اور رنج و غم کا بھی فوٹو کھینچ دیا ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

یہ مضامین جو میں لکھتا ہوں یہ سب غیب سے میرے خیال میں آتے ہیں اور گویا خامہ کی صریر فرشتہ غیب کی آواز ہے۔ صریر خامہ کو نوائے سروش سے تشبیہ دینا لطف سے خالی نہیں ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے — طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

اب تو جلد آ اور میری خبر لے کہ میری جان اتنی بیقرار ہو گئی ہے کہ مجھ میں تاب انتظار باقی نہیں رہی ہے۔

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

ظاہر ہے کہ جنت حیات دہر کے بعد ملیگی۔ مگر مصنف کہتا ہے کہ اگرچہ بہ اقتضائے زمانہ زندگی کے بعد لوگوں کو جنت دیجاتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس خمار کے مقابلہ میں وہ شراب بہت کم ہے یعنی یہاں جسقدر تکالیف کا سامنا ہوا ہے اوس کی اس عیش آیندہ سے تسلی نہیں ہو سکتی

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھکو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

نالہ و فریاد مجھے تیری بزم سے نکالتی ہے۔ ہائے افسوس کہ رونے پر مجھکو اختیار نہیں رہا۔ یعنی ضبط کی طاقت مجھ میں باقی نہیں ہے۔

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر — خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

ہمارے مرجانے پر تو خیال کرتا ہے کہ یہ رنجیدہ ہو گیا یہ گمان غلط ہے۔ ہماری خاک میں رنج وغیرہ کا بالکل نام و نشان بھی نہیں ہے۔ لہذا یہ خیال فضول ہے۔ خاک اور غبار کا تناسب خوب ہے۔

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی — غیر گل آئینۂ بہار نہیں ہے

اگر معانی کا لطف حاصل کرنا چاہتا ہے تو دل سے حاصل کر۔ کیونکہ بہار کا مزا بغیر آئینہ گل کے نہیں آسکتا یعنی گل ایک آئینہ ہے جس میں گل کی تصویر نظر آتی ہے اسی صورت سے دل جیسیں شاہدان معانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے — وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

خیر خدا کا شکر ہے کہ اسنے میرے قتل کرنے کا عہد تو کر لیا ہے مگر جو اور پیمانوں کی طرح یہ پیمان بھی بودا ہے تو افسوس ہے۔ نہایت خوب شعر ہے۔

تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب — تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

تو نے غالب مے نوشی سے قسم تو ضرور کھائی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے آج توبہ کی ہے کل توڑ دے گا۔

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے — کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے

غم کے بوجھ کی کثرت سے میری گردن اسقدر جھکی ہوئی ہے کہ میرے دامن اور نظر کے تار کا فرق معلوم کرنا بہت دشوار ہے۔ یعنی دونوں مل رہے ہیں۔

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

زخم کو رفو کرانے سے یہ مطلب ہے کہ سوئی سے جو تازہ زخم ہوں اونکی بھی لذت اٹھاؤں۔ کہیں اس رفو کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ دیوانہ کو اب درد کا خیال نہیں رہا۔ اسی مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

وہ گل جس باغ میں جائے وہاں غنچہ کے چٹکنے کو خندۂ دل کی صدا سمجھنا چاہیے جس سے باغ کی خوشی کا پتہ چلتا ہے۔ گل خاص گلاب کے پھول کو کہتے ہیں۔ اور اسکی کلی دل سے مشابہ۔ اس کے چٹکنے کو شعرا خندہ اور گریہ دونوں سے استعارہ کرتے ہیں۔

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے

میں صحرانورد تھا اور اب پاؤں میں کانٹے چبھنے سے تھک کر بیٹھ گیا ہوں تو خار پا میرے واسطے آئینۂ زانو بن گئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ زانو کو شعرا آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں۔ لطیف بات اسمیں یہ ہے کہ میرے پاؤں میں ایسے کانٹے چبھے ہیں جنکا اثر زانو تک محسوس ہو رہا ہے یہاں زانو کو آئینہ سے استعارہ خاص اسوجہ سے کیا گیا ہے جس سے سرنگونی کا پتہ چلے۔

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے

میرے دل کی حالت کا ہم آغوشی کے وقت اندازہ کرنا کیونکہ تیرا بال بال میرے دل سے آشنا ہے کیونکہ دل مدتوں تیری زلف میں اسیر رہ چکا ہے اسوجہ سے ہر ایک سر مو ہم آغوشی کے وقت نگاہ آشنا کا کام دے گا۔

ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

میں یک ایسا باجہ ہوں جسمیں شکایتوں کا راگ بھرا ہوا ہے مناسب یہی ہے کہ لوگوں میں تو مجھکو نہ چھیڑے۔ ورنہ معلوم نہیں کہ میری زبان سے کیا کیا نکل جائے گا۔ اسی مضمون کا دوسرا

شعر مرزا نے لکھا ہے ؎

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہیں سرود نغمۂ جانسوز مجذوبان عشق
چھیڑتے اور چھیڑ کر اک دل لگی دیکھا کر

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبد صورت دیوار میں آوے

تو جس محفل میں ناز سے باتیں کرے۔ تو چونکہ تیری باتیں معجز نما ہیں اور انمیں جان بخشی کا اثر ہے اس لئے وہ کالبد جو صورت دیوار یعنی بالکل مردہ ہیں اونمیں جان آجائے تو تعجب نہیں ہے۔

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے

اگر تیرا قد دلکش باغ میں آئے تو سرو و صنوبر غایت عشق سے تیرے سایہ کی طرح ساتھ ساتھ پھریں

تب ناز گرانمایگی اشک بجا ہے
جب لخت جگر دیدۂ خونبار میں آوے

اشک اوس حالت میں اپنی گراں مائگی پر جتنا چاہیں ناز کریں جب دیدۂ خونبار میں لخت جگر آئے۔

دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اے ظالم تو مجھے شکایت کی اجازت دے کہ ذرا تجھے میرے ستانے میں لطف آئے۔ یوں جو ستانے میں کوئی لطف نہیں ہے یعنی تو مجھپر ظلم کرے اور میں تیری شکایت کروں تو اور بھی تو مجھ پر ستم کرے۔ اس شعر میں حد عاشقی کا انتہا سے زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ یعنی عاشق چاہتا ہے کہ معشوق کا جی خوش ہو اپنی تکلیف کا کوئی خیال نہیں ہے دیکھئے ایک جگہ رونیکی اجازت اس لئے حاصل کی ہے۔

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے عیاں ہو غم پنہاں میرا

اس چشم فسونگر کا اگر پائے اشارا
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

اگر وہ چشم فسونگر اشارا کر دے تو آئینہ طوطی خوش گفتار کی طرح باتیں کرنے لگے۔ کیونکہ اوسکی آنکھ کا اشارہ سحر کا مرتبہ رکھتا ہے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب ایک آبلہ پا وادیٔ پرخار میں آوے

ایجاد کانٹوں نے پیاس کے مارے زبانیں نکالدی ہیں اور انکی زبانیں خشک ہو رہی ہیں ایسے میں کسی آبلہ پا کو بھیجدے کہ ان کی پیاس بجھے۔ در پردہ قید سے اپنی رہائی کی دعا ہے۔

مرجاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک آغوش خم حلقہ زنار میں آوے

میں رشک سے کیوں نہ مروں جب اسکے جسم نازک کو حلقہ زنار اپنی آغوش میں لے حسب عادت شعراء مصنف نے اپنے معشوق کو ہندو قرار دیا ہے۔

غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

اگر حرص زر غارت گر ناموس نہو تو پھول اپنے وطن یعنی باغ سے نکل کر بازار میں کیوں آئے اور اپنی عزت کو برباد کرے یعنی پھول کو باغ سے بازار میں زر حاصل کرنے کے لئے لاتے ہیں اور اس وجہ سے گل غارت گر ناموس ہے۔ مولانا نظم اسکا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ گلاب کا کھلنا اور زر گل کا کھلنا گیا ہے گویا زر کی ہوس میں ہاتھ پھیلانا ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ سر بازار آنا پڑا نہیں تو بربادیٔ ناموس کا کیوں سامنا ہوتا۔ غنچہ کی طرح بند ہی مٹھی چلا گیا ہوتا جب ہاتھ پھیلا کر زر لیا تو شاہد بازاری ہو گیا اور ناموس عزت برباد گئی۔

تب چاک گریباں کا مزا ہے دل نالاں جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

اے دل چاک گریبان کا لطف جب ہے کہ جب تار نفس بھی اسی تار گریبان میں الجھا ہوا آئے یعنی تار نفس کا بھی تار گریبان کے ساتھ خاتمہ ہو۔

آتش کدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

میرے سینہ کو راز نہان عشق نے آتش کدہ بنا رکھا ہے اور میں اس سے پھکا جاتا ہوں افسوس ہے کہ اگر وہ راز کھل جائے تو دنیا کو پھونک دے گا۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اے غالب جو لفظ میرے شعر میں آئیں وہ خزانہ معنی کے طلسم ہیں یعنی میرے شعر کا ہر ایک لفظ کثیر المعنی ہے جس سے عجیب عجیب معانی پیدا ہوتے ہیں۔

حسن مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے اس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

ہم اسکو مانتے ہیں کہ چودھویں کے چاند کا حسن اچھا ہے مگر میرا معشوق خورشید جمال اس سے بہت اچھا ہے اسلیے کہ از مہر بہ تو بود ماہ را۔

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

بوسہ جو دل کی قیمت ہے اسکے دینے میں تو لیت لعل کرتے ہیں اور دل کو تاکتے رہتے ہیں جی میں کہہ رہا ہوگا کہ اگر مفت ملجائے تو مال اچھا ہے۔

اور بازار سے لے آئیں گے گر ٹوٹ گیا ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

یعنی ایسی چیز کی کیوں جستجو کیجائے جسکی جستجو کی تکلیف اسکی عیش سے زیادہ ہو ساغر جم کو کیوں ڈھونڈھیں

ے ہم اپنی خشک مٹی بے بگھاری دال کے صدقے تھے ہمارا مٹی کا پیالہ اس سے اچھا ہے اگر ٹوٹ جائے تو حرج نہیں دوبارہ بازار سے مل سکتا ہے اور وہ خراب ہونے ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد کہیں میسر نہیں ہو سکتا۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرع یوں ہے ے اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا۔ مضمون دونوں کا ایک ہے اسی مضمون کا منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کا شعر ہے جسمیں زبان کی شوخی کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا ہے انصاف یہ ہے کہ منشی صاحب کا شعر اس سے کم نہیں ہے۔

ے ساغر جم ہی پہ موقوف نہیں بادہ کشی ٹوٹا پھوٹا کوئی مٹی کا پیالا ہوتا۔

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

ان دونوں مصرعوں میں تقابل سائل و مسئول عنہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو لوگ بغیر مانگے بھیک

دیدیتے ہیں اوسمیں اُن کو اُس سے زیادہ مزا آتا ہے کہ مانگے سے سائل کو کچھ دیں۔ ایسے ہی وہ فقیر جسے مانگنے کی عادت نہو مانگنے والے سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ سائل کو سوال اور تونگر کو انتظار سوال نہ کرنا چاہیئے۔

نظم صاحب اسکا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ مانگے سے ملا تو کیا رہ گئی جو قسمت میں ہے وہ ملے گا ضرور اگر بے سوال ملا تو کیا پوچھنا اوس ملنے سے کیسا دل خوش ہوجاتا ہے۔ سوال کی مذمت کیا اچھی طرح سے کی ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق　　وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اسمیں اپنی بدقسمتی کا اظہار مقصود ہے کہ جب وہ رحم کھاکر میرا حال زار دیکھنے کے لئے آتے ہیں تو میرا چہرہ بحال ہوجاتا ہے۔ اور اس حالت میں وہ میرے درد و غم کو محض بناوٹ سمجھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ یہ مضمون نہایت لطیف ہے اور خوب لکھا ہے۔ فارسی کا ایک شعر اسی مضمون کا ہے۔

ہ باد چو میر سم آسودہ میشوم از دور　　ندیدہ حال مرا وقت بیقراری حیف
ہ مرے دل کے دھڑکنے کا انھیں کیونکر یقین آئے　　ٹھہر جاتا ہے دل جب ہاتھ وہ سینہ پر دھرتے ہیں

غالب کا یہ قافیہ نہایت مقبول ہے اور اس شعر کو عوام نے بیت الغزل مان لیا ہے۔ مرزا داغ نے اس قافیہ کو خوب لکھا ہے سلاست زبان نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

ہ آپ پچھتائیں نہیں ظلم سے توبہ نکریں　　آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض　　اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

گویا عاشق اپنے زعم میں نفع نقصان دنیا کو محض معشوقوں کی جفا و وفا تک محدود سمجھتا ہے اسی بنا پر کہتا ہے کہ دیکھئے ایک نجومی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ سال اچھا ہے اب دیکھئے بتوں یعنی معشوقوں سے عاشقوں کو کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ ہوا تو کچھ بھی نہیں۔

ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا　　جسطرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

مصنف دعوے کرتا ہے کہ کمال جیسا بھی ہو وہ اچھا ہے اور اسکے ثبوت میں فرہاد کا مشہور فن اور قصہ پیش کرتا ہے کہ دیکھو فرہاد کا شیریں سے ہمکلام ہونا سخت دشوار تھا۔ مگر تیشہ نے

اوسکو اُس سے ہمکلام کرایا۔ یعنی اوسکو کوہکنی میں کمال تھا۔ اور کوہکنی کے لئے تیشہ ضرور چاہیئے۔ لہذا کمال کسی شے کا کیوں نہ ہو وہ اچھا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی　　کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

مولانا نظم نے اس شعر میں تین نقص نکالے ہیں۔ پہلے مصرع کو گنجلک۔ دوسرے تنافر تیسرے مضمون کچھ نہیں۔ اور یہی اسکی شرح کی ہے۔ تنافر بعض حروف کے یکجا جمع ہونے سے ہوتا ہے مگر مسلم تنافر کا یہ کلیہ ہے کہ جو طبیعت پر گراں گذرے وہی تنافر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ جیسے کہ تین چار اضافتیں متواتر جمع ہونا بُرا ہے مگر بعض جگہ کثرت اضافت لطف دیجاتی ہے۔ معانی شعر میں پہلے بیان کئے جو اخلاقی ہیں۔ نہ پہلے مصرعہ میں کوئی زیادہ گنجلک معلوم ہوتی ہے کہ سمجھنے والا نہ سمجھ سکے

قطرہ دریا میں جو ملجائے تو دریا ہوجائے　　کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اسمیں بھی مصنف نے ایک اخلاقی سبق دیا ہے۔ یعنی جو کام کہ اُس کا مآل اچھا ہو وہ اچھا ہے جیسے کہ قطرہ خود کو دریا میں ملکر مٹاتا ہے مگر اوسکا انجام اچھا ہوتا ہے کہ دریا بنجاتا ہے۔

ہ عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا　　درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز　　شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

خضر سلطان نام ہے فرزند بہادر شاہ ظفر مرحوم کا اوسکی مدح میں یہ شعر ہے۔ تازہ نہال سے نوجوانی مقصود ہے اس شعر میں خضر۔ سرسبز باغ تازہ نہال وغیرہ الفاظ مناسب ہیں جو حسن و خوبی نظم ہوگئے ہیں یا کئے گئے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن　　دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

غالب جنت کی حقیقت ہمکو معلوم ہے۔ اور وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اس سے دل خوش رہتا ہے یعنی جنت محض اک سبز باغ ہے جو اکثر زاہد دکھاتے ہیں۔ فارسی میں اس مضمون کو یوں فرماتے ہیں۔

ہ فردوس جوئے عمر لو ہواس زادہ آہ　　سرمایہ نیز در سرایں سود میرود
ہ غالب خوشست فرصت موہوم ذکر عیش　　تا رے کہ نیست در سرایں بود میرود

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

بمثل شعر کہا ہے کہ اے ظالم اگر میرے مرجانے سے تیری تسلی نہوئی اور تو ہنوز اور امتحان کی فکر میں ہے تو میں بھی خوش ہوں خوشی سے اور امتحان سے میں تیار ہوں۔ ایک شاعر مرنے کے بعد اپنی تباہی کا یوں اظہار کرتا ہے۔

فلک را کار باقی است با مشت غبار من
کہ بازی گاہ طفلاں میکند خاک مزار من

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

اگر میرے شوق کو گلچینی گلستان تسلی حاصل نہیں ہے تو یہ کیا کم ہے کہ خار زار حسرت دیدار کو مصرف ہے بہرحال کچھ نہ کچھ ہو ضرور سہ حالی۔

یارب طرب وصل ہو یا ہو طلب وصل
جسدن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن نہ دکھانا

مے پرستاں خم مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہوا بزم میں ساقی نہ سہی

اے میکشو ساقی ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ وہ جام بھر بھر کر پلاتا۔ اب ساقی نہیں ہے تو خم مے منہ سے لگا کر آپ پی لو۔ ایک دن ساقی نہ ہوا نہ سہی مطلب پینے اور جی بھر کر پینے سے ہے

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانہ لیلیٰ نہ سہی

آہ شعلہ بار قیس سے چشم و چراغ صحرا روشن ہو رہے ہیں۔ اگر یہ شمع سیہ خانہ لیلیٰ میں نہیں ہے نہ سہی۔ لیلیٰ چونکہ رات کو کہتے ہیں اور لیلیٰ سیہ فام تھی اسواسطے سیہ خانہ کہا گیا یعنی اسکے خانہ دل کے لیے یہ شمع نورانی کام نہیں دیتی تو نہ دے کچھ پرواہ نہیں ہے جنگل تو اس سے آراستہ ہو رہا ہے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

یہ شعر بہت خوب کہا ہے۔ یعنی گھر میں ایک ہنگامہ ہونے سے گھر کی رونق ہوتی ہے اگر نغمہ شادی نہو تو نوحہ غم میں بھی ایک شان نکلتی ہے۔ یہ کمال مجبوری عاشق کا خیال ہے۔

نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

نہ کسی سے داد ملنے کی پروا ہے نہ صلہ و انعام کی خواہش ہے۔ لوگ میرے اشعار کو بے معنی قرار دیتے ہیں تو دیں اور کوئی مجھے دیتا ہو تو نہ دے۔

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

غالب اگرچہ صدمہائے عشق و محبت نے تم کو عمر طبیعی تک نہ پہونچنے دیا۔ مگر خیر نہ سہی یہ کیا کچھ کم ہے کہ جسقدر عمر ہوئی وہ معشوقوں کی صحبت میں بسر ہوئی۔ طبعی۔ اور طبیعی دونوں ایک معنے میں مستعمل ہیں۔

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

یہ عجب خوشی ہے کہ ہم جلاد کے آگے جا رہے ہیں۔ کہ سایہ کی وجہ سے ہمارا پاؤں سے دو قدم آگے ہے اور اس سے ہماری خوشی قتل کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

روز ازل کاتب تقدیر نے چاہا تھا کہ خراب بادہ الفت مجھے لکھدے۔ لیکن صرف خراب لکھا تھا کہ آگے قلم نہ اوٹھ سکا۔ لہذا اب میری خرابی کو خرابی الفت کوئی نہیں سمجھتا۔ صرف خراب و سرگشتہ سمجھتے ہیں۔

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

زمانہ کے غموں نے سب ہمارا نشہ ہرن کر دیا۔ وگرنہ عشق میں جو ہمکو رنج ہوتے تھے ان سے حصول لذت کرتے تھے مگر غم زمانہ نے سب بھلا دیا۔

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

خدا کے لیے کوئی ہمارے اس شوق کی جسنے ہمکو مجنوں بنا دیا ہے داد دیتا۔ کہ ادھر نامہ بر کو

خط دیتے ہیں ادھر جواب کے شوق میں سکے دروازہ پر نامہ بر سے پہلے جا پہونچتے ہیں۔ مضمون شعر
شعر نہایت اچھا ہے لیکن وزن شعر نامانوس ہے اس وجہ سے لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں ہوتی۔

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے ۔۔۔ تمہارے آئیو اے طرۂ ہائے خم بخم آگے

یہ ساری عمر جو تمہارے ہاتھوں سے ہم نے پریشانیاں اوٹھائی ہیں خدا کرے اے گیسوے
خمدار تیرے آگے آئیں آگے آنا۔ نتیجہ اٹھانا۔ بدلہ پانا۔

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے ۔۔۔ ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو دم آگے

ہم دل و جگر میں یہ نہ سمجھے تھے کہ موج خوں خوش زن ہے بلکہ سانس سمجھتے تھے اب معلوم ہوا
کہ یہ موج خون تھی جسے غم عشق نے لہو بنا کر بہا دیا۔ اور وہ دل و جگر کا خون ہے۔ سانس نہیں ہے۔
اور یہ ظاہر ہے کہ خون کی روانی وغیرہ سے انسان کی زندگی ہے۔ اور سانس بھی اسکا کرشمہ ہے۔
ہر چند کہ سانس کا مقام پھیپھڑا ہے مگر شاعروں کے یہاں سب کام قلب و جگر و سینہ سے لیا جاتا ہے۔

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب ۔۔۔ ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

اللہ اللہ زمانہ کا کیا انقلاب ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ وہ میرے جان کی قسم کھاتے تھے اور
ایک آج یہ وقت ہے کہ وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم کبھی اسکے جنازہ پر حاضر نہ آئینگے۔ یا آج انھیں جنازہ
پر آنے سے انکار ہے۔

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے ۔۔۔ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

شکوہ کا اگر نام بھی لیتا ہوں تو وہ بے وفا خفا ہو جاتا ہے بلکہ اتنی بات کے کہنے سے بھی گلا
کرتا ہے یا یہ کہ یہ بھی جو میں کہتا ہوں تو یہ بھی گلہ سمجھا جاتا ہے مضمون شعر اور بندش نہایت چست ہے
اسی مضمون کو غالب کے شاگرد رشید جناب سخن دہلوی نے کہا ہے

یوں کسی پر کوئی سرگرم جفا ہوتا ہے ۔۔۔ پھر کچھ اے یار جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا ۔۔۔ اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

یعنی دو غزلوں پہلے میں اس مضمون کا شعر گذر چکا ہے۔ کہتا ہے کہ میں شکووں سے ایسا بھرا ہوا ہوں
جیسے راگ سے باجا بھرا ہوتا ہے۔ اک ذرا چھیڑ دیجئے پھر مزا دیکھئے۔
مصحفی ۔ شیشہ کیطرح اے ساقی ۔۔۔ جی بھر امت کہ بھرے بیٹھے ہیں

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو ۔۔۔ شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

اگرچہ میرے شکوے کو وہ کم سنی یا نہ سننے کی وجہ سے سمجھتے نہیں ہیں۔ مگر اسکی تلافی اس صورت
کرتے ہیں کہ جفائیں کرنے لگتے ہیں بقول مومن
تھے اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال ۔۔۔ سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

مکوکب یعنی کوکب دار عشق کی راہ میں کم بخت آسمان کی ایسی سست چال ہے جیسے اس کے
پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے ہیں ستاروں کو چھالے قرار دیا ہے۔ اور سست روی اس سے ثابت
کی ہے سست رفتار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان کی گردش سے رات دن ہوتے ہیں۔ مگر جدائی کے
دن اور راتیں پہاڑ سی ہوتی ہیں اور درازی کی وجہ سے انکا کاٹنا دشوار ہوتا ہے۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم ۔۔۔ آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

آخر ہم پر ظلم و ستم کیوں نہ ہوں۔ اگر اس سفاک کا کوئی تیر خطا ہوتا ہے تو ہم خود اسکو اٹھا کر لا دیتے
ہیں کہ لے پھر ہمارے دل پر لگا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔
تا منفعل ز رنجش بیجا نہ بینمش ۔۔۔ مے آرم اعتراف گناہ نبودہ را

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ ۔۔۔ کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

اگر پہلے سے ہم اپنے بدخواہ ہوتے تو بڑا اچھا تھا۔ کہ اپنا بھلا چاہتے ہیں تو برا ہوتا ہے
برا چاہتے تو بھلا ہوتا۔
مومن ۔ مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی ۔۔۔ آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب / لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

پہلے میرے نالے کی یہ کیفیت تھی کہ عرش تک جاتا تھا۔ مگر اب یہ زمانہ ہے کہ جو بمشکل رسا ہوتا ہے وہ لب تک آتا ہے۔ یعنی اب حد سے زیادہ ضعیف ہو گیا ہوں۔ سالک ―

واے اے ضعف کہ سنتے تھے فرشتے اور اب / یا سنائی نہیں دیتی مری فریاد مجھے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن / شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

غزل لکھتے لکھتے قطعہ لکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں میرا قلم کہ وہ بزم سخن کے لئے ایک باربد ہے بادشاہ کی یوں مدح سرائی کرتا ہے۔ باربد ایک گویے کا نام ہے۔ جو اپنے فن میں نہایت کامل تھا۔

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم / تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

اے وہ بادشاہ کہ ستارے تیری سپاہ اور آفتاب تیرا علم ہے جیسا تو بزرگ ہے ویسا کون بیان کر سکتا ہے۔

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے / تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

اگر ساتوں ولایتوں کا محصول فراہم کریں تو وہ تیرے لشکر کے نعل کی قیمت ہے۔

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال / آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

چاند جو ہر مہینہ میں گھٹ کر بدر سے ہلال ہو جاتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تیرے آستاں پر پیشانی گھستے گھستے اسکا یہ حال ہوتا ہے۔

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں / یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

میں جو گستاخانہ و بے تکلفانہ اچھی اچھی غزلیں پڑھتا ہوں اسکی کوئی اور وجہ نہیں ہے بلکہ کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف / آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اے غالب میرے رونے اور شور انگیز نالوں سے تو بدمزہ ہوتا۔ آج درد دل کچھ بڑھ گیا ہے جس سے میں اس تلخ نوائی پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اور مجھ سے اور دنوں کی طرح ضبط نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے / خطا معاف یہ انداز گفتگو کیا ہے

آپ جو ہر ہر بات پر مجھے فرماتے ہیں کہ تو ہے کیا چیز۔ ذرا معاف فرمائیے آپ نے یہ کیا گفتگو کا طرز و طریقہ اختیار کیا ہے۔

نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا / کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

تندخوئی کے سبب میں خیال کرتا تھا کہ وہ شعلہ ہو گا۔ مگر دیکھا کہ شعلہ میں یہ کرشمے نہیں ہیں تو میں نے شوخی دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ وہ برق ہے مگر دیکھتا ہوں تو اسمیں وہ ادائیں نہیں جو اس تندخو میں۔ لہذا اس خیال کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا للہ کوئی کچھ بتاؤ کہ وہ شوخ تندخو کون ہے۔ اور اسے میں کیا کہوں۔

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے / وگرنہ خوف بدآموزی عدو کیا ہے

مجھے اس بات کی مطلق فکر نہیں ہے کہ دشمن تمہیں پٹیاں پڑھاتا ہے۔ مگر اسکا رشک ضرور ہے کہ وہ تم سے باتیں کرتا ہے۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن / ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

کوئی ہماری جیب و گریباں کے رفو کی کیوں فکر کرے ہمارا پیراہن لہو سے بدن پر چپکا ہوا ہے یہی کافی ہے فارسی میں یوں کہا ہے ؎

بہ تن چسپیدہ بادم از نم خونابہ پیراہن / خراش سینہ سطر بخیہ شد چاک گریباں را

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا / کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

دلوری نادانی کہ میرا جسم جلادیا ہے اور دل کو ابھی ڈھونڈھ رہا ہے ہر چند خاک میں ڈھونڈھ رہے ہیں کہ وہ بھی جلا ہوگا۔ کیا شیوہ نادانی ہے اے آخر یہ زحمت بیجا کیوں گوارا ہے جو جہاں جسم جلا ہے دل بھی جل گیا ہوگا۔ جناب نظم لکھتے ہیں کہ کریدنا برا ہے۔ کیا بہتر مرغی تھا۔ مگر کہنا بہت اچھا ہے بجائے اسکے اس محل پر کوئی دوسرا لفظ رکھا جائے تو حقیقت کھلے

وہ چیز جس کے لئے ہمکو ہو بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

وہ چیز جس کی وجہ سے ہمکو بہشت کی تمنا ہو شراب کے سوا کیا ہے۔ پھر افسوس ہے کہ جس چیز کی وجہ سے حصول بہشت کی ضرورت ہو اسکو بہشت کے لئے چھوڑ دیں۔

لطیفہ۔ مرزا کے شغل کا وقت تھا۔ کوئی پارسا دوست تشریف لائے کہا اے قبلہ وکعبہ یہ کیا آپ شراب پیتے ہیں اس سے توبہ کیجیے۔ مرزا بولے بھئی کیوں۔ دوست صاحب نے فرمایا کہ ادنے نقصان اسکا یہ ہے کہ چالیس روز تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ جواب دیا کہ جب شراب پینے کو میرے پاس موجود ہے تو پھر اب دعا مانگنے کی ضرورت کونسی ہے۔

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

یہ مضمون بالکل پامال اور مبتذل اور بے لطف ہے۔ یعنی میرا شیشہ پیمانہ کوزہ سبو سے کیا کام چلے گا۔ اگر دو چار خم بھی مل جائیں تو ہم چڑھا جائیں گے۔ یا یہ کہ شیشہ و قدح دیکھکر پینے کو جی نہیں چاہتا اگر کہیں ایک دو خم دیکھ لوں تب پیوں

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے

اول تو مجھ میں طاقت گفتگو بھی نہیں رہی اور ہے تو اوس ستمگر سے کس امید پر کہوں کہ مجھے یہ حسرت ہے اسنے کونسے دن میری آرزو پوری کی ہے جو اب کرے گا۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

چونکہ آپ بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے ہیں تو اتراتے پھرتے ہیں ورنہ غالب کو پوچھتا کون ہے

میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں — چل نکلتے جو مے پئے ہوتے

میں انہیں چھیڑوں اور وہ سنکر خاموش ہو جائیں اور کچھ نہ کہیں بس یہی بڑی خیریت ہوئی کہ وہ اسوقت پئے ہوئے نہ تھے ورنہ دھریت اڑانے لگتے۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو — کاشکے تم مرے لئے ہوتے

میں نے مانا کہ تم سراپا قہر ہو یا بلا ہو میں یہ سب کچھ گوارا کرتا ہوں۔ بس اسے گوارا نہیں کرتا کہ تم دوسروں کے لئے ہو۔ کاش تم کسی حالت میں اور کچھ ہوتے مگر میرے لئے ہوتے۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا — دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

اگر میری قسمت میں غم زیادہ تھا تو یا الہی اسکے اٹھانے کے لئے کئی دل دئے ہوتے۔ کہ ایک نہ رہتا تو دوسرا اسکی جانشینی کرتا۔ اس مضمون کو اگرچہ غالب نے بھی خوب کہا ہے مگر میر تقی میر نے یہاں اس سے بھی اچھا باندھا ہوا ہے۔ ایک شعر ایک دیوان ہے۔ اسکا جواب نہیں ہے۔

سے کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں — ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں

آہی جاتا وہ راہ پر غالب — کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

اے غالب تم مر گئے۔ ارے ابھی اور جیتے ایک نہ ایک دن وہ بھی راہ پر آہی جاتا۔ اسمیں معشوق کے جور و ستم کی زیادتی۔ اور اسمیں اپنی زندگی کے گذر جانے کا حسرتناک سین دکھایا ہے۔ دوسرا اسمیں طعن و تشنیع کا پہلو نکلتا ہے۔ کہ کیوں نہ ہم نہ کہتے تھے کہ ابتدائے عشق میں مر جاؤ گے تم نہ مانے اور اسی امید پہ جیتے رہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور راہ پر آجائیگا مگر آخر وہ راہ پر نہ آئے۔ اور تمھیں مرنا پڑا۔ کیوں مرے ابھی نہ مرتے۔ کسی نہ کسی دن وہ راہ پر آہی جائے گا۔ خوب شعر کہا ہے۔

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے — ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

اپنی حرماں نصیبی اور دوسروں کی خوش نصیبی کا نقشہ دکھایا ہے کہ اے غیر شراب پئیں

اور ہماری کوئی بات بھی نہ پوچھے۔ کسی کا شعر ہے۔

ے ساقی نہ دے جو جام مئے لالہ فام کے　　بیٹھا تو پینے دے ہمیں دیک جام کے

ے در خور اگر نسیم مئے لالہ فام را　　اے کاش تر کنند بہ بوئے مشام را

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ　　ہتکھنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

ہم اپنے رنج و غم اور دل ٹوٹنے کی بابت آپ ہی سے کیا شکایت کریں۔ یہ سب آسمان کے ہتکھنڈے ہیں کہ وہ نئی نئی صورتیں ظلم وستم کی نکالتا ہے۔ اور نہیں تمہارے ہی ہاتھ سے رنج دلا دیا ہے درحقیقت تمہارا کچھ قصور نہیں ہے۔

ے تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں　　تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو　　ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ کچھ مطلب ہی ہو تب تمہیں خط لکھیں تمہیں کچھ مطلب ہو یا نہ ہو خط ضرور لکھیں گے کیونکہ ہم تو محض تمہارے نام کے عاشق ہیں اسمیں اور نہیں تمہارے نام کی مشق تو ہوتی ہے۔

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم　　دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

یعنی رات کو شراب پی زمزم پر بیٹھ کر اور صبح کو توبہ کر کے اسی کے پانی سے جامۂ احرام کے دھبے دھوئے۔ خوب پی رات کو گئے صبح کو توبہ کر لی ÷ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر　　یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

میرے دل کو میری آنکھوں نے تمہارے عشق کے جال میں پھنسایا۔ غالباً یہ میری آنکھیں نہیں تمہارے دام حسن کے حلقے تھے۔

شاہ کی ہے غسل صحت کی خبر　　دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

بادشاہ کے غسل صحت کی خبر اڑی ہوئی ہے۔ دیکھیے کب حضور غسل صحت فرماتے ہیں اور

حمام کے اچھے دن کب آتے ہیں۔

عشق نے غالب نکما کر دیا　　ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اے غالب ہم کو عشق نے بیکار کر دیا ورنہ ہم بھی کام کے آدمی تھے۔

پھر اس انداز سے بہار آئی　　کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

یہ غزل نہایت ہی صاف کہی گئی ہے۔ یعنی پھر اس انداز سے بہار آئی ہے کہ آفتاب و ماہتاب تک تماشا دیکھ رہے ہیں۔

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک　　اسکو کہتے ہیں عالم آرائی

اے زمین کے رہنے والو دیکھو عالم آرائی اسکا نام ہے۔

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر　　رو کش سطح چرخ مینائی

کہ تمام آسمان کو مات کر رہی ہے بلحاظ سبزی کے۔ یا بہ لحاظ اس بات کے کہ بہار نے اوسکا مرتبہ بلند کر دیا ہے۔

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی　　بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ کی یہ کثرت ہے کہ جب زمین پر اوسکو جگہ نہ ملی تو کائی کی صورت میں پانی پر جم گیا۔

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے　　چشم نرگس کو دی ہے بینائی

صرف سبزہ و گل کے نظارہ کے لئے نرگس کی آنکھ کو بینا کر دیا ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر　　بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

جب موسم نے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا کر دی ہے تو شراب پینا بالکل فضول ہے۔

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ — شاہ دیندار نے شفا پائی

یہ خوشی کا عالم بے وجہ نہیں ہے بلکہ ایسا ہونا چاہیے کیونکہ بادشاہ قبلۂ عالم نے صحت پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے — اگر پہلو تہی کیجئے تو جا میری بھی خالی ہے

میں تغافل کو دوست رکھتا ہوں۔ میرا دماغ عجز یہاں تک بلند ہے کہ اگر مجھ سے آپ پہلو تہی کریں تو میں اس پہلو تہی کو یوں سمجھوں کہ آپ نے میرے لیے جگہ خالی کی۔ فارسی میں یوں کہا ہے

درآغوشِ تغافل عرض یکرنگی تواں کردن — تہی تا میکنی پہلو بما بنمودہ ...

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

اگرچہ دنیا آباد ہے مگر اہل ہمت اس میں نہیں ہیں گویا یہ ایک میخانہ ہے جس میں شراب نادارد ہے جام و سبو بھرے پڑے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اہل ہمت کا نہ ہونا دنیا کے آباد رہنے کا سبب ہے، کیونکہ اگر دنیا میں سب اہل ہمت ہی ہوتے تو وہ سب دنیا کو ترک کرکے بیٹھ رہتے اور دنیا ویران ہو جاتی۔ جسقدر جام بھرے ہیں میخانہ میں شراب نہیں ہے جسقدر کے لفظ سے مصنف نے یہ بھی فائدہ اٹھایا ہے کہ جسقدر جام و سبو زیادہ ہوں گے میخانہ کے خالی کی دلیل ہے اس سے میخانہ کی شان گھٹتی جائیگی اور کمہار کے گھر کی شان پیدا ہوتی جائیگی یعنی بجائے جام و سبو کے بھی شراب ہی ہوتی اگر جام و سبو نہ ہوتے یا یہ کہ اہل ہمت کے نہ ہونے سے دنیا آباد ہے کہ جام و سبو کو جسقدر بھر بھر کر دینگے میخانہ خالی ہوتا جائیگا یعنی یہ لوگ اگر میخانہ دنیا میں ہوتے تو دنیا کو لٹا دیتے اور ان کا جود و کرم دنیا کو آباد نہ رہنے دیتا۔

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

میری کہانی اول تو وہ سنتا ہی کب ہے۔ اور اگر سنے بھی تو کیا میری زبانی سنے گا جو شعر پتہ دیتا ہے سکے پہلے مصنف نے مصرعہ اولے کہا ہے

خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

یہ کیوں پوچھتا ہے کہ تیرے غمزہائے خونریز نے تیرے ساتھ کیا بدسلوکی کی صرف یہ دیکھ لے کہ میری آنکھوں سے کسقدر جوئے خوں رواں ہے یعنی میرا دل ان سے خون ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے میں خون روتا ہوں۔ دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے کہ ہاں ہاں اچھا خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ میری خونابہ فشانی کا تماشہ دیکھ۔ یہ بھی یا از راہ طنز کہا گیا ہے۔ یا بصورت عجز کہ اگر یہ نہ کرے تو یہ تو کر۔ بہرحال کچھ نہ کچھ چاہیے۔

کیا بیاں کرکے مرا روئینگے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

میں مر جاؤں گا تو لوگ میری کونسی اچھی عادت کو بیان کرکے روئینگے بس ایک آشفتہ بیانی ہی ایسی ہے جسے یاد کرینگے۔

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

خیال حباب ایک جنگل ہے جس سے میں نکل گیا ہوں اب میری نشانی صرف یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گئے ہیں۔

یا یہ کہ میں خیال یار کے دشت ناپیدا کنار میں از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میری گم گشتگی اور از خود رفتگی کا نشان یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گیا ہے۔

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

میرا معشوق مجھ سے رک گیا یعنی خفا ہو گیا۔ اور اسکی رکاوٹ محض میری روانی یعنی حاضر جوابی و بذلہ سنجی سے تھی۔ غرض یہ کہ وہ میرا متضاد اور مقابل ہے کیونکہ بیان کر چکے ہیں۔

ف زخم گر دب گیا لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روانہ ہوا

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

میری گراں قدری کچھ قابل تحسین نہیں ہے بلکہ از راہ نفرت ہے لہذا اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ پتھر گراں قدر ہے۔ مگر جسقدر ارزاں و بے قدر ہے کہ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے فارسی میں فرماتے ہیں

ف ناکس ز تو ستندی ظاہر نشود کس — چوں سنگ سرِ رہ کہ گرانست و گراں نیست

گرد باد رہ بیتابی ہوں — صرصر شوق ہے بانی میری

میں راہ بیتابی میں ایک بگولہ بنگیا ہوں۔ اور یہ سب ہوائے شوق کا کرشمہ ہے جسنے میری یہ صورت بنادی ہے۔

دہن اُسکا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری

یہ ایک معمولی اور مبتذل مضمون ہے کہ میں نے اُس کے دہن کے معلوم کرنیکی کوشش کی مگر اس نکتہ کو معلوم نہ کرسکا۔ لہذا میری ہیچمدانی کا حال کھل گیا۔ یا یوں سمجھئے کہ دہن معشوق ہیچ ہے اور میں اوس ہیچ کو معلوم نہ کرسکا لہذا ہیچمداں ٹھہرا

کردیا ضعف نے عاجز غالب — ننگ پیری ہے جوانی میری

یعنی اگرچہ جوان ہوں مگر اسقدر ضعیف و نحیف ہوں کہ سو بڈھوں کا ایک بڈھا معلوم ہوتا ہوں ناطق

جوانی وہ دنوں کی عمر ہی کا نام ہے ناطق — ہماری بھی جوانی کچھ جوانی میں جوانی ہے

نقش ناز بت طناز بہ آغوش رقیب — پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

آغوش رقیب میں ہونیکی حالت میں اُسکی تصویر چاہتی ہے کہ مانی کے ہاتھ میں پائے طاؤس بجائے خامہ کے دیا جائے۔ تب مجھے کھینچے۔ یہ ظاہر ہے کہ طاؤس کے تمام اعضا سوائے پاؤں کے خوبصورت ہوتے ہیں یہاں اس وجہ سے ایسا کہا گیا کہ اُسکی تصویر بھی اچھی تصویر کا کھینچنا بھی اچھا کھینچنے والا بھی اُستاد۔ برا ہے تو یہ برا ہے کہ وہ آغوش رقیب میں ہے

ف پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت — زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت

مصنف نے یوں نہیں کہا کہ اسکی تصویر اس صورت میں یوں کھینچی جائے بلکہ یہ کہا ہے کہ اسکی تصویر کا یہ تقاضہ ہے کہ اسوقت میرا کھینچنا اسطرح زیبا ہے۔ گویا میں رقیب کے پاس بیٹھنا بُرا نہیں جانتا بلکہ یہ قدرتی امر ہے کہ بُرا معلوم ہوتا ہے۔

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

تیری عادت ایسی بُری کہ میری حیرت سے مجھکو محو تماشا سمجھتا ہے۔ اور میرے غم کا یہ افسانہ ہے جو چاہتا ہے کہ آشفتہ بیانی بھی اُسکے ساتھ ہو۔ یا یہ کہ میری حیرت تیرے لئے ایک تماشہ ہے اور اگر اس سے آشفتہ ہوں اور میرا غم مجھے مجبور کردے تو تو آشفتہ بیانی سمجھتا ہے غرض دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ۔ چپ رہوں تو مصیبت کچھ کہوں تو آفت

وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورت شمع — شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے

میں وہ تپ عشق اور حرارت کی تمنا رکھتا ہوں کہ شمع کی طرح پھر شعلہ رگ ہائے جگر تک سرایت کرے۔ یعنی وہ شعلہ ہو کر میرے جسم و جگر سب کو پھونکدے۔

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

چونکہ پھولوں کو تیرے پاس بیٹھنا اور تجھ سے ملنا اچھا معلوم ہوتا ہے لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ غنچے جو کھلتے ہیں یہ گویا جوش شوق میں سب تجھ سے ملنے کے لئے آغوش کھولتے ہیں۔ بیدل

ف ز جیب ہر مژہ آغوش سے بیکدا اینجا — کہ جائے تو ہمہ تن چشم دوستاں خالی است

واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالہ کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

واں کنگرہ استغنا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اور یہاں نالہ الٹا یہ دعوے کرتا ہے کہ یہ میری رسائی کے سبب سے ہوا ہے۔ یعنی میرے نالہ کا اگر اثر ہوتا ہے تو اتنا کہ وہ مجھ سے اور بھی مستغنی ہو جاتا ہے۔

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

غم مجھکو ضبط کے انداز سکھاتا ہے۔ اور ہر داغ سے چشم نمائی کا کام لیتا ہے۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یا رب اوسے قسمت میں عدو کی

ایسا جو زخم ایسا ہو کہ اسکی تدبیر چارہ گری ہو سکے میں ایسا زخم نہیں چاہتا - وہ زخم دشمن کی قسمت میں لکھ دے - یعنی میرا درد لا دوا ہونا چاہیئے -

ف در توبہ راحت نتوانگر وز مرہم — غالب ہمہ تن خستۂ یار ستا گداست

اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

میرے لئے یہ اچھا ہے کہ میں اسکی انگشت حنائی کا خیال اپنے دل میں رکھوں کم از کم اس سے اتنا فائدہ ہے کہ میرے جسم کا تمام لہو خشک ہو گیا ہے اس سے میرے دل میں ایک لہو کی بوند تو نظر آتی ہے یعنی وہ لہو کی بوند سے مشابہ ہے اس تشبیہ سے مصنف نے کئی فائدے اٹھائے ہیں - معشوق کی انگلی کی پور کی نزاکت اور تزئین اور اسکو اپنے دل کے لئے لہو کی بوند بنانا - بلحاظ بلاغت معنی کے شعر کا لفظ لفظ با معنی ہے یعنی عاشق کے تباہ ہونے پر وہی معشوق کا خیال جسنے تباہ کیا ہے باعث آرام ہو جاتا ہے عاشق کو ہر حال میں معشوق کا خیال چاہیئے - معشوق کے ہر عضو بدن کو دل میں رکھے اس شعر میں معانی کا دوسرا پہلو بھی یہاں لطیف ہے - یعنی کوئی غمخوار دوست - یا خود اسکی عقل اوسکو سمجھاتی ہے کہ اب اس خیال کو چھوڑ دے - تیرے دل میں بالکل خون باقی نہیں رہا - اب یہ خیال تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے گا اور اسکے جواب میں یہ کہتا ہے کہ واہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اچھا نہیں ہے یہ خیال میرے لیے اچھا ہے - ابھی میرے دل میں یک خون کی بوند دکھائی تو دیتی ہے اسے بھی کیوں نہ صرف خیال انگشت حنائی کروں - لہذا جب تک خون کی ایک بوند بھی دل میں ہے یہ خیال اسوقت تک میرے لئے اچھا ہے - جب خون نہو تو خیر مجبوری ہے -

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

تم عشاق کی بے حوصلگی - اور بیتابی - بیصبری سے کیوں ڈرے جاتے ہو - یہاں کون کسی کی فریاد سنتا ہے یعنی دنیا کا تیرے زمانہ میں یکساں حال ہے - اگر کوئی تمہاری فریاد کرے بھی تو بیکار ہے اسمیں کسو کا لفظ مصنف کے بھی متروکات سے ہے اور وہ خود بھی اسکو غیر فصیح اور بجائے اسکے کسی فصیح سمجھتے تھے -

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب — حسرت میں رہے ایک بت عربدہ جو کے

غالب اوس ناکام پر بڑا افسوس ہے - جو ایک عمر ایک معشوق ستمگر کی حسرت میں گذار دے

دشنہ نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

یعنی معشوق ستمگر کے خنجر نے کبھی اس مظلوم ناکام کے گلوئے مشتاق قتل کی بات تک نہ پوچھی ہو اور نہ کبھی دشنہ جانستاں نے کبھی جگر کو منہ نہ لگایا ہو - دونوں محاورے نہایت ہی برمحل صرف ہوئے ہیں - یعنی چھری کا جگر کو منہ لگانا جگر کے ٹکڑے اڑانا - اور خنجر کا گلو کی بات پوچھنا اوسکو کاٹنا ہے - خنجر چونکہ بصورت زبان ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں محاورے لکھے ہیں - یعنی اوس ناکام کی حسرت بڑی حسرت ہے جسکی قتل کی آرزو بھی پوری نہو -

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم — حیراں کئے ہوئے ہیں دل بیقرار کے

اس شعر میں بھی دو معانی پیدا ہوتے ہیں کہتا ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے کہ وہ آئینہ کی مدد کرتا اور اسکو آئینہ بناتا ہے - ویسے ہی ہمارے دل نے جو مثل سیماب ہے ہمکو حیران کر کے مثل آئینہ بنا دیا ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ سیماب کا کام یہ ہے یہ ہے کہ آئینہ کی مدد کرتا ہے - اور اسکو چمکاتا ہے - برعکس اسکے ہمارے دل بیقرار نے ہمکو حیران بنا دیا - اور پریشان کر دیا - یعنی ہم بیکار ہو گئے اور یہ گویا یہ اس سیماب کی نئی تاثیر ہے - ورنہ دنیا میں تو یہ نہیں ہوتا ہے -

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

گل نے اپنی آغوش کھول رکھی ہے کہ جلد سب سے رخصت ہو جائیں لہذا اے عندلیب اس پر نہ بھول کہ بہار ابھی موجود ہے - نہیں بلکہ گل رخصت ہو رہے ہیں اور بہار سدھار رہی ہے ایک جگہ فارسی میں بہار کے آمادۂ وداع ہونیکی یوں توجیہ کی ہے -

ف بروئے برگ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری — بہار از حسرت فرصت بدنداں میگزد لب را

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط میں — معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اگر وصل میں عالم تمکین و ضبط قایم رہا۔ تو وہ وصل وصل نہ رہا۔ وہ ہجر ہو گیا۔ بلکہ معشوق ۱
کو شوخ اور عاشق کو دیوانہ ہونا چاہیئے تاکہ ضبط و تمکین کا نام تک نہ آنے پائے۔

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں — شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیئے

کبھی نہ کبھی اُسکے لب کا بوسہ مل ہی جائیگا۔ ایک یہ فضول شوق اور رندانہ جرأت چاہیئے۔ باقی کچھ ضرور نہیں ہے بوسہ کے شوق کو شوق فضول اس لئے کہا ہے کہ مصنف اُسکو بوالہوسی کہتا ہے نہ کہ عاشقی۔

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

دنیا میں جتنا چاہیئے اچھوں کو چاہیئے اگر اس چاہنے کے اثر سے یہ لوگ چاہنے لگیں تو بس پھر کیا ہی ہو المقصود و ہو المراد اس سے اچھی کونسی بات ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ میرا معشوق ابتک بُوں کو چاہتا ہے کاش اُسکا یہ خیال ہو جائے کہ چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے سپھر مجھے کیا پروا ہے۔ مصرع ثانی میں یہ کی ضمیر اس صورت میں جانب معشوق اور چاہیئے کا فاعل بھی معشوق ہی کو قرار دیا جائے گا۔

صحبت رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیئے

رندوں اور شراب خوار ونکی صحبت سے پرہیز ضروری ہے بجائے میکشی کے خود کھینچنا چاہیئے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے

میرا دل جو آپ کے عشق میں زار و بیقرار اور دیوانہ ہو گیا ذرا اب اس سے بھی سمجھ لیجیئے کہ آپ کے چاہنے کو اسنے کیا سمجھا تھا۔ مصرع ثانی میں سمجھنا بمعنی سزا دینا اور باز پرس کرنا استعمال کیا گیا

چاک مت کر جیب بے ایام گل — کچھ اودھر کا بھی اشارا چاہیئے

بغیر فصل گل گریبان نہ پھاڑو۔ بس مزا یہ ہے کہ ذرا اُدھر سے گریبان دری کا اشارا ہو ادھر اُسکے پرزے پرزے اڑا دیے۔ اُدھر لباس غنچہ پارہ پارہ ہوا ادھر تم بھی اپنا گریبان چاک کرو

غنچہ کی گریباں دری سے یہ چلتا ہے کہ ہر وقت گریبان پھاڑنے کے لئے یہ اشارہ قدرت ہے یہ ایک نیا مضمون ہے۔ یعنی مصنف نے اس مال مضمون میں یہ جدت کی ہے کہ فصل بہار میں گریبان چاک کرنا۔ بہار کے لئے نہیں ہے بلکہ بمقتضائے ایمائے قدرت ہے۔

ؔ خزاں میں چاک گریباں سے فائدہ اتنی — مزا بہار کا ہے اک ذرا بہار آئے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے

تم جو ہمارے اور اپنے عشق کے چھپانے کی غرض سے پردہ کرتے ہو یہ تمہاری سراسر نادانی ہے۔ لوگ اس لاگ میں لگاوٹ کا پہلو نکال لینگے اور راز کھل جائے گا کیونکہ چھپانے سے کچھ واسطہ ہوتا ہے اُسی سے پردہ بھی کیا جاتا ہے۔ لہذا آپ ہم سے پردہ کرنا چھوڑ دیجیئے کہ ایک بے تعلقی ظاہر ہو

ؔ مے رمی از من و خلقے بہ گمانست ز تو — بے محابا شود ہمنشیں گماں برخیزد

ؔ حیا غماز ہر راز محبت کھول دیتی ہے — نگاہ شرم میں شوخی سے تر زبان پیدا کر

دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کسقدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے

یعنی ہو نہ یوں دشمن کا دشمن ہے کہ کیوں دشمن ہوا میرا۔ اوسکی دشمنی کی کیا حد ہے جو اسنے دوست سمجھے میرے معاندانہ تعلقات بھی نہیں دیکھ سکتا۔

ؔ ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں — غیر سے بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

آتش مرحوم اس مضمون کے خلاف فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب کہتے ہیں۔

ؔ مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست — مرے احساں ہیں دشمن پہ ہزاروں

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے

ہماری کوشش سے ہمکو رسوائی نہیں ہو سکتی اگر ہم سعی بھی کریں تو اسمیں کامیابی محال ہے بلکہ یہ سب یار ہی کے اوپر دار و مدار ہے۔ وہ چاہے تو ہم رسوا ہو سکتے ہیں۔

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید — نا اُمیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

اوس شخص کی نا امیدی کو دیکھنا چاہیئے جسکی اُمید موت آنے پر وابستہ ہو۔ یعنی موت کے

بعد وہ زمانہ ہی جسکے اندر کوئی امید پوری ہو ہی نہیں سکتی۔

غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

ان حسین تن چاند کے ٹکڑوں کا چاہنے والا بھی ایسا ہی ہو

چاہتے ہیں خوبرؤوں کو اسد آپکی صورت تو دیکھا چاہیے

جناب اسد بھی خوبرؤں پر مرتے ہیں۔ ذرا آپ کا حلیہ تو ملاحظہ کیجیے۔ یعنی آپ اس قابل نہیں ہیں۔

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ہر قدم پر دوری منزل نمایاں ہوتی جاتی ہے اور چونکہ بیاباں میری منزل ہے لہٰذا گویا میری رفتار بیاباں کی رفتار بن گئی ہے کہ جسقدر میں اسکی طرف بڑھتا ہوں وہ مجھ سے بھاگتا جاتا ہے۔

درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

عنوان تماشائے دوست کا درس حالت تغافل یار میں اچھا ہے تاکہ اسپر یہ ظاہر نہو اور اسکے سوا دوسروں پر بھی یہ راز نہ کھلے کہ نگاہ نے عنوان تماشا کا درس لیا یعنی کسکو دیکھا اسوجہ سے نگاہ رشتہ مجھے شیرازہ مژگاں بنی ہوئی ہے یعنی مجھسے بھی چھپی ہوئی اور اس کا یہ فعل اس لئے ہے کہ اسکا راز معشوق پر تو کیا مجھپر بھی نہ ظاہر ہو۔

مولانا نظم فرماتے ہیں۔ یعنی میرے نگاہ شیرازہ مژگاں کا رشتہ بنگئی ہی حاصل یہ کہ تغافل پسند ہونے کے سبب آنکھ سے باہر نہیں نکلتی اور تماشائے دنیا سے درس لینا بھی بہ تغافل ہی اچھا ہے اور عنوان کا لفظ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے لائے ہیں یعنی سارا تماشہ تو ایک طور رہے اسکے دیکھنے کا کسے دماغ ہے یہاں عنوان تماشا کے دیکھنے سے بھی تغافل ہے

مولانا حسرت لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رشتہ شیرازہ مژگاں غیر محسوس ہوتا ہے پس مطلب یہ ٹھہرا کہ دیدار کے عنوان کا درس یا بخوف استعارات محبوب کے دیدار کا لطف اسی حالت

میں ہے کہ ہم اسے دیکھیں اور اسے ہمارے دیکھنے کا علم نہو۔

وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں دود کیطرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے

میری وحشت دل کی آگ سے شب تنہائی میں میرا سایہ بھی دھوئیں کی طرح بھاگتا ہے۔ اسی مضمون کو کہہ چکے ہیں ؎

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں کسقدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

کہیں عشاق کے غم معشوقوں کو انداز سادگی نہ سکھا دیں اف خانہ آئینہ میری وجہ سے کتنا ویران نظر آتا ہے۔ یعنی ایک میں مر گیا ہوں اور سوگ میں اسنے آئینہ وغیرہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے تو آئینہ خانہ میں سناٹا ہو رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ غم عشاق میں تمام معشوقان جہاں زینت کو ترک کر دیں تو اور بھی غضب ہو جائیگا۔

یا نہو کو صیغہ امر کا قرار دیکر غم عشاق کو منادے کہیے۔ یعنی اے غم عشاق تو معشوق کو سادگی نہ سکھا کمبخت ذرا دیکھ تو سہی تیرے اس فعل سے آئینہ خانہ میں کیسا سناٹا پڑا ہے یعنی میرے غم میں اوسنے زینت کو ترک کر دیا ہے۔

اثر آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں صورت رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

میرے صحرائے جنوں کا جادہ میرے آبلہ پاؤں کے نقش سے رشتہ گوہر کی طرح چمک چمک کر چراغاں کا عالم دکھا رہا ہے یعنی میرے آبلوں نے قدم قدم پر خون ٹپکا ہے جسنے یہ عالم پیدا کیا ہے۔ یا میرے آبلہ ایسے پرسوز ہیں جن کے نقش تک جل کر چراغان کا منظر دکھا رہے ہیں۔

بیخودی بستر تمہید فراغت ہو جو پر ہے سایہ کیطرح میرا شبستاں مجھ سے

خدا کرے میری بیخودی کو بستر تمہید فراغت بننا نصیب ہو جسکی وجہ سے میرا گھر سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی میں سایہ کی طرح بیحس و حرکت پڑا ہوں اور میرا گھر

سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے تو اس صورت میں بے خودی فراغت کا دیباچہ ہوئی ہے جسکی وجہ سے بفکر پاؤں پھیلائے پڑا ہوں۔ اور میرا گھر بھرا بھرا معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو معاملات کہاں مارا مارا پھرتا اور میرا گھر خالی اور ویران پڑا ہوتا۔ مولانا ناطق صاحب گلاوٹھی نے ایک جگہ قناعت کا مضمون کچھ ایسے ہی رنگ سے کہا ہے۔

؎ کیا قناعت تھی حریفِ کلفتِ واماندگی ۔۔۔ دشت میں جب تو پھیلا وطن یا بت ادا

ہوجیو۔ کا مخفف ہو جو مصنف نے استعمال کیا ہے یہ دونوں متروک ہیں۔

شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے ۔۔۔ ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

اگر تو شوقِ دیدار میں مجھے قتل کر دے تو میری نگاہیں اس گل شمع کی طرح جیسے شمع سے کاٹتے ہیں اور سمیں سے دھواں اٹھتا ہے شوقِ دیدار میں چاروں طرف منتشر ہو جائینگی یعنی مرنے کے بعد اور بھی ازدیادِ شوقِ دیدار ہوگا۔ یا گل جب شمع سے جدا ہوتا ہے ادھر ادھر پریشان ہو جاتا ہے اسیطرح میری نگاہیں پھیل جائینگی اور ایک نگاہ سے نگاہیں ہو جائینگی۔

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے ۔۔۔ سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

ہائے ہائے شبِ ہجر میں مجھے جب وحشت ہوتی تھی تو سایہ کیا کیا مجھے ڈرایا کرتا تھا اور یکی شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشیدِ قیامت میں سایہ مجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے مولانا نظم یہ لکھتے ہیں کہ شبِ غم کی بیکسی اور اداسی سے وحشت کھا کر میرا سایہ مجھ سے بھاگا ہوا ہے اور آفتابِ قیامت میں جا کر چھپ رہا۔ حالانکہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے مگر میرا سایہ مجھ سے ایسا بھاگا کہ آفتابِ حشر میں پنہاں ہو گیا۔

مولانا حسرت لکھتے ہیں ؎ کسی کا کب کبھی یہ دورِ سیہ میں ساتھ دیتا ہے۔ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے۔

میرے نزدیک اسمیں ایک لطیف پہلو یہ بھی موجود ہے۔ کہتا ہے کہ ہائے ہائے شبِ ہجر کی بیکسی کا کیا عالم ہے اور اسمیں کیسی وحشت ہے۔ جسنے میرے اوپر قیامت برپا کر رکھی ہے اور گویا میرا سایہ بھی اسی قیامت کے خورشید میں چھپا ہوا ہے۔ سایہ کے پنہاں ہونے کی

یہاں کئی وجوہ ٹھہرائی جا سکتی ہیں۔ خواہ میری بیکسی کے بڑھانے کے لئے۔ خواہ میری وحشت کا ذکر کر

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے ۔۔۔ آئینہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

بزم میں تیرے جلوۂ رنگیں گردشِ ساغر کا کام دے رہے ہیں اور تیرے حسن کا خاتمہ کر رہے اور میں اپنے دیدۂ حیراں کی آئینہ داری کر رہا ہوں۔ یعنی تو اپنے جلوہ سے مجھے حیران کرتا ہے اور میں حیران رہتا ہوں مولانا ابو الکمال شیدا میٹھوی فرماتے ہیں ؎

کچھ نہیں سکے سوا جلوہ گرِ یار کا راز ۔۔۔ کوئی حیراں کرے اور کوئی حیراں ہو جائے

جناب صفدر مرزاپوری ؎ فرق کیا عاشق و معشوق میں بس اتنا ہے کوئی دیوانہ بنا کوئی دیوانہ بنے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد ۔۔۔ ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

میری نگاہِ گرم سے خس و خاشاکِ گلستاں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اس شعر کے ظاہر معنے تو صرف یہی ہیں۔ مگر درصل یہ نہایت بلیغ شعر ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ میں کمال سرگرمی اور نہایت غور کے ساتھ گلستاں کا مطالعہ کر رہا ہوں تو گلستاں کے خس و خاشاک کو میری نگاہِ گرم جلا رہی ہے اور ہر ایک پتے اور کانٹے کوڑے میں چراغاں کا عالم پیدا ہو رہا ہے یعنی باغِ دنیا کا ذرہ ذرہ میری نظر میں کیفیتِ گلشن پیدا کر رہا ہے اور یہی گلشن چراغاں سے مشابہ ہے چراغاں سے اسکو مشابہ کرنیکی خاص وجہ یہ نکالی ہے۔ کہ وہ بھی بہار دکھا کر آمادہ فنا ہے اور یہ سب پھول بھی بہار دکھا دکھا کر فنا ہو رہے ہیں اور ان پھولوں یا چراغاں کا انجام خاک ہو جانا ہے۔

نکتہ چیں ہے غمِ دل اسکو سنائے نہ بنے ۔۔۔ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وہ نکتہ چیں ہے میں اپنا غمِ دل اسکو نہیں سنا سکتا۔ میری تدبیر وہاں کیا کارگر ہوگی جہاں مجھ سے بات بھی نہیں بنا سکتا۔ اور اپنے مطلب کا کسی صورت سے اظہار نہیں کر سکتا۔ میں پہلے مصرع کے معنی یوں بھی نکالے جا سکتے ہیں۔ کہ غمِ دل میری عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مصروف ہے کہ تو اسپر مجھے اظہار نہیں کرتا۔ اور ہم سے اسکو سنایا نہیں جاتا۔ یعنی ہم رعبِ حسن یا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے اس سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ غمِ دل تو اپنے مطلب کیلئے نکتہ چینیوں میں مصروف ہے مگر وہاں کی رنگت کو یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی بات بنائے نہ بنے

تو بن نہیں سکتی پھر بھلا کامیابی کیسی۔

میں بلاتا تو ہوں اُسکو مگر اے جذبۂ دل اُس پہ بنجائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اے جذبۂ دل خیر میں اُسکو بلاتا تو ہوں مگر اب تو بھی کچھ ایسا کرنا کہ اُسکو آتے ہی بن پڑے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

میں اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ مجھ پر ظلم و ستم کرتا ہے۔ بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ وہ میرے ستانے کو ایک کھیل سمجھا ہوا ہے کہیں وہ بے پروائی سے اس کھیل کو چھوڑ نہ دے ہائے کیا اچھا ہو کہ اُسکو میرے ستانے کی عادت پڑ جائے اور بغیر میرے ستائے چین ہی نہ آئے۔

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

غیر کو جو تو نے خط بھیجا ہے وہ ایسا اُس خط کو خوشی میں لئے پھرتا ہے۔ یا ہاتھ میں لئے پھرتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا ہے تو وہ اسکو چھپا نہیں سکتا۔ اور اُسے بتانا پڑے کہ فلاں کا خط ہے اور یہ تیری رسوائی کا باعث ہوگا۔

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

وہ بھلے ہیں مگر کمبخت نزاکت کا بُرا ہو کہ اگر وہ ہاتھ بھی آجائیں تو اُنہیں چھو بھی نہیں سکتے مولانا نظم نزاکت کو غلط بتاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ نازک سے عربی والوں کے قیاس پر اہل فارس نے یہ مصدر بنالیا ہے فقط مگر ہم نہیں جانتے کہ کسی زبان کی نقل کرکے اپنی زبان کی توسیع کیلئے کچھ الفاظ وضع کر لئے جائیں تو اُنکے غلط ہونے کا کیا سبب ہے۔
اس شعر میں مصنف نے نزاکت کی مذمت کرکے اوسکی تعریف کی ہے۔ جو ایک نہایت لطیف مضمون ہے۔

۵۔ اس حُسن کا بُرا ہو یہ نکلا رقیب دوست چہرہ تمہارا چاند سے آگے ملا دیا

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے پردہ چھوڑا ہے وہ اُسنے کہ اُٹھائے نہ بنے

یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام جلوہ گری کسکی ہے کیونکہ اُسنے عالم امر کا پردہ اسباب کا پردہ ڈال دیا ہے مگر در اصل یہ سب جلوہ گری اُسکی ہے۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے تمکو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

موت کی راہ کیوں دیکھوں وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگی۔ مگر تمہارے آنیکا متمنی کیوں نہ ہوں اگر تمہارے نہ آنے کا خیال بھی دل میں آجائے تو پھر تمکو کس منھ سے بلاؤں۔
دوسرا احتمال اس شعر کے معانی میں یہ بھی موجود ہے کہ مجھکو اسوقت ضرورت سخت ہے کہ موت کا داعی ہوں کیونکہ مجھے اپنی زندگی کاٹنی دوبھر ہے۔ مگر ایسی ضروری شئے کے بلانے کو میں اسلئے مگر آپ کو بلانا نہیں چھوڑ سکتا۔
تیسرے معانی یہ بھی پیدا ہوتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے آنے سے مجھے شادی مرگ ہو جائیگی مگر پھر بھی آپ کو بلاتا ہوں اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم نہ آؤ۔ کیونکہ اگر بلانا چھوڑتا ہوں تو آئندہ کو میرا منھ نہ رہیگا کہ تم کو بلا سکوں اور موت کا کیا ہے اوسکا آپ کے بلانیکی حالت میں کیوں نہ انتظار کروں وہ تو آپ کے آنے پر آئے بغیر رہ نہیں سکتی۔
چوتھے معنی یہ ہیں اور یہ سب سے بہتر اور مناسب مقام ہیں کہ میں جو ترے روز میں موت کا انتظار کرتا ہوں یہ فضول ہے اسکو چھوڑ دینا چاہیئے اور اسکی راہ مجھکو نہ دیکھنی چاہیئے وہ تو خواہ نخواہ آئیگی اور اسکے یقینی ہونے کا اور ضروری آنیکا سبب اور اُسکے بلانیکی تدبیر یہ ہے کہ میں چاہوں یعنی اس بات کی خواہش کروں کہ تم نہ آؤ اس خواہش کا نتیجہ لازمی یہ نکلے گا کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤگے اور میرا منھ نہ رہیگا کہ تمکو بلاؤں۔ اور پھر اس صدمہ سے لازمی مجھے موت آجائیگی۔

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

یہ شعر پہلے شعروں سے قطعہ بند سا معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم بصورت قطعہ کے یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک کشمکش میں ہوں کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتا۔ اور اسمیں مصنف نے اپنی مجبوریوں کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

غالب عشق پر کسیکا زور نہیں ہے یہ ایک ایسی آگ ہے نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے بجھ سکتی ہے یعنی اگر چاہیں کہ معشوق کے دل میں یہ آگ لگادیں یا عاشق کے دل سے اس شعلہ کو بجھادیں تو قریب قریب غیر ممکن ہے۔

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے — صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے

جب گریبان نہ رہے اور میرے جنون کو خواہش چاک کی مدد رہی ہو تو میرا زخم دل گریبان بنکر چاک ہو یعنی جیسے گریبان صبح چاک ہوتا ہے اسی طرح زخم دل کا گریبان چاک ہو۔

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجئے خیال — دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

تیرے جلوہ کا وہ عالم ہے کہ اگر خیال کریں تو آنکھیں تو آنکھیں دیدۂ دل کو بھی حیران کردے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک — آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے

ہمارا دل شکستگی سے بھی مایوس ہوگیا یعنی چاہتے ہیں کہ وہ ہماری دلشکنی کرے تو وہ اسکو بھی منظور نہیں کرتا۔ ایخدا آبگینہ کب تک کوہ پر اپنے گرانجانی کا اظہار دیگا اور کب تک کوہ کو اس پر رحم نہ آئیگا۔

جناب نظم صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ شکستن نے شعر کو پھیکا کردیا ترکیب اردو میں فارسی الفاظ لیتے ہیں لیکن فارسی مصدر کا استعمال سب نے اور مصنف مرحوم کے سوا اور کسی کے کلام میں نظم ہو یا نثر ایسا نہیں دیکھا۔ فقط۔

مولانا کی اس تحریر نے مجھے تعجب میں ڈالدیا۔ اگر غالب چاہتا۔ تو یہ کہہ سکتا تھا۔ ٹوٹنے سے بھی ہے دل نومید الخ۔ مگر غرض مصنف کی صرف شگفتن عبارت ہے۔ کہیں سے عبارت میں اکثر ایسا حسن پیدا ہوجایا کرتا ہے جو اردو کے لفظ سے نہیں ہوتا۔ کہیں فارسی تراکیب کہیں مصادر وغیرہ محض اسی لئے استعمال کرتے ہیں۔ مولانا نے یہ اور بھی ستم کیا ہے کہ یہ لکھدیا ہے کہ کسی کے یہاں مصدر نہیں پایا جاتا کہ اردو میں استعمال کیا ہو۔ حالانکہ مومن ذوق میر سودا وغیرہ سب کے یہاں اس صورت سے نظم میں مصدر پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

میر — آنسو کی بوند آنکھوں سے دو نوں تو نکلتے لگدیں — اب کے چلید روز و شب خوب جگر کا لوہیا

دلبر کرنے لگا طبیب رنگ نارنج — رنگ چہرے سے گرگیا یہ دو انز

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست — موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

اگر میکدہ کو اسکی چشم مست کے مقابلہ میں شکست اٹھانی پڑے تو شیشوں میں جو بال پڑیں گے وہ بھی دیدۂ ساغر کو حیران کردیں گے۔ کیونکہ یہ بال ایک نگاہ مست کے اثر سے پڑے ہیں اور اس لئے انمیں بھی وہ تاثیر ہنوز موجود ہے۔

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد — یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

خط عارض ایک عہد نامہ ہے جسکو الفت نے لکھا ہے کہ زلف جسقدر پریشانی کرے وہ سب مجھے منظور ہے یک قلم بہ لحاظ خط عارض۔ اور ذکر لکھنے کے نہایت مناسب لفظ ہے۔

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے — مگر ہمیں تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

وہ اتنا رحم کرسکتا ہے کہ خواب میں تسکین اضطراب دے سکتا ہے مگر مجھے میری بیتابی دل سونے تو دے

گفتی کہ بخواب اندر تسکین دہمت امشب — آما تو کجا آئی چوں خواب نمی آید

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا — تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

باتوں باتوں اور مذاق مذاق میں تیرا رو دینا مجھے قتل کیے ڈالتا ہے۔ کوئی تیری طرح تیغ نگاہ کو آب دینا کیا جانے۔ کوئی اور ایسا کرکے دکھائے تو سہی۔

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

ساقی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے تو خیر اپنا ساغر زریں ہمکو نہ دے مگر چلو سے تو پلا دے اسمیں تو کچھ حرج نہیں پیالہ سے مطلب نہیں ہے ہمیں تو شراب سے کام ہے ذوق مرحوم کا اسی زمین میں مطلع ہے کیا خوب کہا ہے۔

کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے — نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہمکو — نہ دی جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

اگر بوسہ نہیں دیتا تو نہ دے اپنے منہ سے انکار ہی کر کہ وہ جنبش لب ہمارا کام تمام کر دے۔ کہیں کے معنے یہ ہے۔ نہ کہ کوئی نہ کوئی کہے۔

ع ہم بُت سے نہیں سوال کچھ اور — اپنے مُنھ سے جواب دیدے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اُسنے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اسد میں اپنی محرومی قسمت کا کیا ذکر کروں۔ کہ اُسنے کبھی نہ کبھی مجھے پاؤں دبوانے کی خدمت دی وہ بھی مجھے اضطراب نے ادا نہونے دی ہاتھ پاؤں پھولنا مضطرب ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ قافیہ ذوق مرحوم نے بہت خوب کہا ہے۔

خنک دلوں کی اگر منت خدا کی سوز جگر — پڑے تو واقعی اکبار آگ داب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے — مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

میرے تڑپنے سے ہر تار بستر کشمکش میں پڑا ہوا ہے میرے سر سے تکیہ کو اور میرے جسم سے بستر کو آزار پہنچ رہا ہے۔

سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے — دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے

وہ اشک جو میری کثرت گریہ کیوجہ سے سیل ہو کر صحرا میں چلے گئے ہیں وہ نور العین دامن ہیں یعنی وہ صحرا کے دامن کے لئے مایۂ ناز اور باعث رونق ہیں اور میرا دل جو بے حس و حرکت اور بے دست و پا پڑا ہے یہ بستر کے لئے سرمایۂ عشرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اشک کی یہ کثرت ہے کہ وہ سیل بنکر جنگلوں میں جاتے ہیں اور میرا دل ایسا ضعیف ہے کہ وہ بستر پر پڑا رہتا ہے۔ سرشک کے لئے نور العین اور نور العین کے تقابل کے لئے برخوردار لایا گیا ہے۔

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغِ شمع بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

میری بیماری کے بڑے اچھے نصیب ہیں کہ تم عیادت کے لئے آئے ہو گویا میرا طالع

بیدار اس سے میرے بستر مرض کے لئے شمع بالیں بنگیا ہے۔

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی — شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

اضطراب شام تنہائی ایک طوفان ہے جسمیں ہر ایک تار بستر شعاع آفتاب قیامت معلوم ہوتا ہے پہلے مصرع میں چار اضافتیں ہیں بعض محققین نے توالی اضافات کو عیب اور چار اضافتوں کے متواتر جمع ہونے کو ثقیل کہا ہے۔ مگر یہ اُس حالت میں جب کلام میں ثقالت پیدا ہو جائے۔

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُسکی زلفِ مشکیں کی — ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

ابھی میرے بستر کے تکیوں سے اسکی زلف معنبر کی خوشبو آ رہی ہے۔ یعنی شب وصل کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں ہوا۔ میری قوت دیدار سلیے یہ خواب زلیخا۔ یعنی اپنے معشوق کا خواب میں دیکھنا باعث ننگ و عار ہے۔ یعنی اس سے زیادہ تو یہ خوشبو ہے جو تکیہ میں بسی ہوئی ہے یا یہ کہ وہ خواب میں میرا ہمخواب تھا اور اسکے اثر سے ابتک میرے تکیہ سے اُسکی خوشبودار زلفوں کی خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں تو گویا اُسکا خواب میں دیکھنا میرے لئے باعث ننگ ہو گیا کہ دوسرے بھی یہ خوشبو سونگھ رہے ہیں۔ اور میں اس رشک کو گوارا نہیں کر سکتا۔

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالبؔ — کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

اوسکی جدائی میں اے غالب اپنے دلکی حالت کیا بیان کروں مختصر یہ ہے کہ میرے بستر کا ہر ایک تار کانٹا بنا ہوا ہے گویا میرے بستر پر کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔

خطر ہے رشتۂ اُلفت رگِ گردن نہ ہو جائے — غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

یعنی ڈر ہے کہ یہ رشتہ الفت جو تجھ میں اور مجھ میں کمال کو پہنچ گیا ہے کہیں یہ تیرے لئے شہ رگ نہ بنجائے اور اسکا تجھے غرور نہ ہو جائے کہ اُسکے عتاب اور سزا میں تو میرا دشمن ہو کر اس رشتہ کو قطع کرے اور اس سے میری گردن پر چھری چل جائے۔ رگ گردن چونکہ غرور کو بھی کہتے ہیں اسواسطے اس لفظ نے دھوکہ دیکر مولانا نظم کو یہ معنی بیان کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو مناسب مقام نہیں معلوم ہوتے معشوق سے خطاب ہے کہ میری

دوستی و محبت پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے (اقول) یہ امر خلاف واقعہ ہے معشوق کو عاشق کی دوستی پر غرور نہیں ہوتا۔) قال ایسا نہو کہ دشمنی کی طرف منجر ہو جائے (اقول کوئی وجہ نہیں ہے) اور یہ کہ الفت تیرے لئے رگ گردن ہو جائے۔ اور رگ گردن غرور کو کہتے ہیں (اقول حالانکہ پہلے فرما چکے ہیں کہ میری محبت و دوستی پر تجھے غضب کا غرور ہوا ہے۔ معلوم نہیں دوبارہ غرور کیسا + یعنی ایسا نہو کہ غرور میں اکثر دشمن کی طرح ہمیشہ مجھسے گردن ٹیڑھی رہے۔ اقول یہ تیسری مرتبہ وہی کلمے دہرا دیے ہیں۔ معلوم نہیں مولانا نے کیا خیال کیا۔ کہ انھیں معانی کو تین مرتبہ دہرایا۔ اور جو ل یہ چھٹی شعر کے الفاظ بالکل ان مضمون کے خلاف ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب مولانا حسرت صاحب کے یہاں بھی یہی معنی ہیں۔

سمجھ اس فصل میں کوتاہیٔ نشو و نما غالبؔ — اگر گل سرو کی قامت پہ پیراہن نہو جائے

اگر اس فصل میں سرو پر اسقدر پھول نہ آئیں کہ اسکو ڈھانک نہ لیں اور اسکا پیراہن نہ بنجائیں تو سمجھنا چاہیے کہ نشو و نمائے سبزہ کچھ بھی نہوئی۔ یعنی فصل میں سبزہ کے نشو و نما اور پھول کھلنے کی یہ کثرت ہے کہ سرو جسپر پھول نہیں آتے اوسپر بھی پھول آنے چاہئیں اور اسقدر آنے چاہئیں کہ پیراہن سرو ہو جائیں ایک عجیب صورت سے فصل کے سبزہ کے نشو و نما کی تعریف کی ہے کہ ساتھ ہی تصویر کھینچ دی ہے نہایت خوب شعر ہے۔

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابند نے نہیں ہے

فریاد کرنیکے لیے موسیقی اور ساز کی ضرورت نہیں ہے جسطرح چاہیئے رو دیئے۔ مصنف نے ہندی کا قافیہ ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ اس سے بہتر قریب قریب مشکل ہے۔

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے — گر باغ گدائے مے نہیں ہے

اگر باغ گدائے مے نہیں ہے تو کیا سبب ہے کہ باغ میں تونبے بوئے جاتے ہیں ضرور یہ اوسکے کشکول گدائی کا کام دیتے ہیں۔

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے — پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

اگرچہ تو ہر ایک شے میں ہے مگر عالم جسمانی میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو تجھ سے مشابہ ہو۔ ہر ایک شے میں تیرا ظہور ہے اور سب سے جدا۔ باہمہ و بے ہمہ۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

کہتا ہے کہ ہستی کا فریب نہ کھانا کوئی یہ سکے جانے کہ ہے تو یہی سمجھنا کہ نہیں ہے۔ ایسا ہی یہ شعر کہا ہے

؎ شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شادی سے گذر کہ غم نہووے — اردی جو نہو تو دے نہیں ہے

اگر چاہتا ہے کہ مجھے غم نہ اٹھانا پڑے تو شادی کو بھی چھوڑ دے کیونکہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تو خزاں کا بھی اندیشہ نہ ہے ایسے ہی جسے عیش کی پروا نہیں ہے اوسکو تکلیف کا کیا غم۔

کیوں رد قدح کرے ہے زاہد — مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

اے زاہد شراب کا پیالہ تو کیوں واپس کرتا ہے کوئی یہ شہد تو ہے نہیں۔ مگس کی قے محض رد قدح کیوجہ سے لایا گیا ہے۔ یعنی مکھی پھول وغیرہ سے جو کچھ چوستی ہے وہ شہد بنکر منھ کی راہ سے واپس ہوتا ہے۔ اسی لوٹنے کی رعایت سے رد قدح کہا گیا۔ ردّ بھی قے کو کہتے ہیں۔

مرزا کے ایک مخالف نے ایک مرتبہ میرے سامنے اس شعر پر یہ اعتراض کیا کہ مگس کی قے صحیح نہیں ہے اتفاق سے مجھے ظہیر فاریابی کا یہ شعر یاد آگیا مصرع نگشتہ تر صدکہ قے کند زنبور میں نے پڑھا۔ مگر فرمانے لگے کہ اگر ظہیر فاریابی نے بھی یہ شعر کہا تو قریب قریب وہ بھی غلط ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ — آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ ہستی کوئی شے ہے نہ عدم کوئی چیز ہے تو پھر اے جناب نہیں ہے صاحب یہ کچھ ہے بھی یا نہیں۔ اور راہ شوخی نہیں ہے کو جو غزل ہذا کی ردیف ہے مرزا کا نام رکھ لیا گیا۔

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا — کہ اسمیں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے

جراحت دل کے مرہم کا نسخہ کیا پوچھتا ہے جسمیں الماس کا ریزہ جزو اعظم ہے جو زخم کو بڑھا دیتا باقی اجزا نمک مشک وغیرہ ہیں۔

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی　　وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

تیرے تغافل سے ایک عرصہ دراز کے بعد ہم نے یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ اب تو کبھی کبھی ایک دزدیدہ نگاہ ہمپر ڈال لیتا ہے۔ اگرچہ یہ نگاہ نگاہ نہیں کہی جا سکتی مگر تاہم۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است۔ مولانا ظہوری فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

تو نظر باز نہ ورنہ تغافل نگہ است　　تو سخن فہم نہ ورنہ خموشی سخن است

اس شعر نگہ کو نگاہ سے کم بتایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نگہ میں نگاہ سے ایک الف کم ہے۔

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے　　مرتے ہیں مگر اُسکی تمنا نہیں کرتے

ہم میں رشک اتنا بڑھا ہوا ہے اور ایسے تنگ مزاج واقع ہوئے ہیں کہ مرے جاتے ہیں مگر اُسکی تمنا نہیں کرتے اس مضمون کو مصنف نے کئی جگہ مختلف صورتوں میں ادا کیا ہے۔

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے　　میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن　　وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

در پردہ انھیں غیر سے ہے ربط نہانی　　ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

چونکہ وہ غیر سے پردہ نہیں کرتے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُنہیں غیر سے دربردہ ربط ہے۔ اور محض بے لاگ ظاہر کرنے کی وجہ سے یہ پردہ کرنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسیطرح ایک جگہ معشوق کو یہ ترکیب بتا چکے ہیں۔

ے　دوستی کا پردہ ہے بیگانگی　　منہ چھپانا ہمسے چھوڑا چاہیے

یہ باعث نومیدی ارباب ہوس ہے　　غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

جو لوگ کہ آپ سے کچھ ہوس اور کچھ تمنا رکھتے ہیں اونکے سامنے آپ غالب کو بُرا کہتے ہیں یہ آپ کچھ اچھا نہیں کرتے وہ یہ سُن سُن کر نا امید ہوتے جاتے ہیں کہ جیسے آپ اُسکو بُرا کہتے ہیں

ایسے ہی ہماری بُرائیاں اُن کے سامنے کی جائینگی۔ یہی مضمون ہے۔

ے　ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا　　غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

گر کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ　　خط پیالہ سراسر نگاہ گلچیں ہے

بادہ تیرے لبوں سے رنگ فروغ حاصل کرتا ہے اور خط پیالہ نگاہ گلچیں ہے جو اس کسب رنگ کا لطف اُٹھا رہی ہے۔

کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد ملے　　کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے

میرے دل شوریدہ کی کبھی تو داد دے اور کبھی تو اسپر رحم کر کہ ایکمدت سے کم طاقتی کیوجہ سے بالین پر پڑا رہتا ہے۔ اور اپنی حسرت شوریدگی۔ یعنی دیوانگی و بیاباں گردی کو دبا دبا کر رکھتا ہے تو کم از کم کبھی تو ایسا کر کہ اسمیں یہ طاقت آئے کے اپنی حسرتوں کو پورا کر سکے اور اپنی صفت شوریدگی سے متصف ہو سکے۔

بجا ہے گر نہ سنے نالہائے بلبل زار　　کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اگر بلبل زار کے نالے نہ سُنے تو بجا ہے کہ پھول کے کان میں شبنم کی روئی بھری ہوئی ہے

اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا　　مقام ترک حجاب و وداع تمکیں ہے

اے بیوفا اب اپنے شرم و حجاب تمکین و وقار کو چھوڑ اور چلکر اسد کو دیکھ لے کہ وہ نزع میں ہے اور اب کوئی دم میں دنیا کو خیرباد کہنے والا ہے۔ وہ سب کو چھوڑتا ہے تجھے ان سب تکلفات کو چھوڑ دینا موقع ہے۔

کیوں نہ ہو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو　　یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

آخر معشوقوں کی آنکھ عاشقوں سے تغافل کیوں نہ کرے۔ یہ ایک بیمار ہے۔ اور اس بیمار میں نظارہ سے اسکو پرہیز ہے۔ چستی بندش کے علاوہ مصنف نے یہ مضمون بالکل نیا کہا ہے۔

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی — وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

ہم چاہتے تھے کہ مرتے وقت ہماری حسرت دیدار پوری ہو جائے۔ مگر وائے ناکامی کہ یہ آرزو بھی پوری نہو گی کیونکہ میرے قاتل کا خنجر ایسا تیز ہے کہ دم بھر میں میرا فیصلہ کر دیگا۔ اور میں نظر بھر کے اوسکو دیکھنے بھی نہ پاؤنگا۔

عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ — جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

پھولوں کو دیکھکر اوسکا چہرہ مجھے یاد آتا ہے۔ فصل بہاری نے آکر میرا اشتیاق بڑھا دیا ہے اور زخم کو تازہ کر دیا ہے۔

سہ گلوں کو دیکھکر رخسار جاناں یاد آئینگے — ہرے ہو جائینگے داغ جگر میرے بہار میں

دیا ہے دل اگر اُسکو بشر ہے کیا کہئے — ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے

اگر میرے نامہ بر نے اُسکو دل دیدیا تو خیر کیا کہوں خیر وہ بلا سے میرا رقیب ہو گیا تو ہو جائے اوسکا نامہ بری کا احسان میری گردن پر ہے اُسے کیا کہوں دوسرے یہ کہ اس سے خطا ہو گئی اور خطا خواص بشریت سے ہے۔ دوسرے یہ کہ بشر کی یہ مجال ہی نہیں ہے کہ اُسکو دل نہ دے۔

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے — قضا سے شکوہ ہمیں کسقدر ہے کیا کہئے

یوں تو موت ایک نہ اک دن ضرور آئیگی۔ مگر ہم جانتے تھے کہ آج ہے۔ مگر اُسکو یہ ضد ہے کہ آج نہ آئیگی۔ اسواسطے قضا سے ہمکو جو شکوہ ہے بیان نہیں کر سکتے۔ میرا شعر ہے۔

سہ یوں تو آئیگی اجل یک نہ اکدن آہی — مگر آتی شب فرقت تو مرے کام آتی

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب — اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے

رقیب اسطرح وقت بیوقت تیرے پاس رہتا ہے کہ اب تیرے گھر کو بھی ہم دشمن کا گھر سمجھتے ہیں اسی مضمون کا شعر جو دوسرے طریقے سے ادا کیا گیا ہے یہ ہے۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ تیرے رہگذر کو میں

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہمکو فریب — کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہئے

اوسکی کرشمہ سازیوں کی کیا تعریف کروں اور اُسکے فریبوں کو کیا ظاہر کروں کہ مجھے یہ دم دے رکھا ہے کہ تیرا حال بغیر کہے ہی ہم پر ظاہر ہے۔ اور اسوجہ سے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔

میلی سہ دارد خموش تا من حسرت کشیدہ را — گوید شنیدہ آم سخن ناشنیدہ را

نظم صاحب لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ اوسکا کرشمہ و اشارہ ایسا ہے کہ میں دھوکے میں آ گیا ہوں اور دھوکے کا بیان دوسرے مصرع میں ہے۔

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال — کہ یوں کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہئے

وہ ایسا عیار ہے کہ جان بوجھکر بازار میں مجھسے میرا حال پوچھتا ہے۔ کیونکہ میں اپنی وضعداری کے سبب سے کہدونگا کہ اب سر بازار باتیں کرنے کا کیا موقع ہے۔ اس سے مرزا کی وضعداری کے ساتھ ساتھ ہی گذشتہ تہذیب کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ کہ پہلے شرفا بازار میں باتیں کرنا بھی عیب سمجھتے تھے۔ ایسی ہی عیاری کا ایک شعر مرزا نے اور بھی کہا ہے۔

سہ کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن — جانوں کسی کا حال میں کیونکر کہے بغیر

تمھیں نہیں ہے سر رشتہ وفا کا خیال — ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہئے

اس شعر کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ مٹھی میں کوئی چیز لیے ہے اور عاشق معشوق سے پوچھتا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے اور وہ نہیں بتا سکتا۔ اور عاشق یہ بھی کہتا ہے کہ سر رشتہ وفا کا تمکو کیا خیال ہوگا۔ مگر معشوق اسدرجہ وفا بیگانہ ہے کہ وہ بتانے پر سر رشتہ وفا کا خیال کرتا اور نہیں سمجھتا کہ سر رشتہ وفا کیا بلا ہے۔ مولانا نظم و حسرت دونوں کی شرحوں میں یہی معنے لکھے ہیں مگر میرے نزدیک یہ ایک تاویل ہے جو طبع سلیم پر گراں گذرتی ہے صاف صاف معنے یہ ہیں۔ کہ تم وہ تغافل شعار جفا کار ہو کہ تمھیں سر رشتۂ وفا کا ذرا بھی خیال نہیں اور تم اسکو چھوڑ چکے البتہ یہ سر رشتہ ہمارے ہاتھ میں ابھی کچھ کچھ باقی ہے اگر کچھ ہے مگر ہے ضرور اب تم سے کیا کہیں۔

انہیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیا لڑئیے — ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہئے

انہیں ہمارے سوال پر ہمارے جنوں کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم دیوانہ وار کہتے ہیں اور ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں - یا یہ کہ ہم کچھ سوال کرتے ہیں تو وہ ہم کو مجنون ٹھہراتے ہیں - لہذا ہم نے جواب کی امید ترک کر دی ہے - لہذا اب اُن سے کیا کہیئے - بقول جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق

ملتا ہی جواب اب تو نہ ہاں کا نہ نہیں کا — ہر بات یہ کہتے ہیں وہ دیوانہ کہیں کا

حسد سزائے کمال سخن ہی کیا کیجے — ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیئے

کمال سخن کی سزا حسد ہے اور متاع ہنر کی قیمت ستم آسمان ہے لہذا کیا کہیئے زمانہ کا دستور ہی یہ ہے - ایک ہمارے ہی ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہوتا - عرفی کا شعر ہے -

ازمن بگیر عبرت و کسب ہنر مکن — با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن — سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیئے

یہ کون کہتا ہے کہ غالب بُرا نہیں ہے - نہیں بُرا ہے اور ضرور بُرا ہے مگر بس اتنا ہی بُرا ہے کہ غریب دیوانہ ہے - اور دیوانہ کو کچھ کہنا سننا بیکار ہے - سوا عربی کا لفظ ہے زیادہ کے معنے میں مگر سوائے علاوہ کے معانی میں مختص کر لیا گیا ہے - اور فارسی میں بھی یوں ہی مستعمل ہے -

دیکھکر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے — کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

دامن افشاندن کے لغوی معنے تو تعلقات دنیا سے آزاد ہونے کے ہیں مگر مصنف مرحوم نے لغت کے معنے لیکر لفظی مناسبت سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے کہتے ہیں کہ میں بالکل آزاد ہونا چاہتا تھا اور اسی لیئے میں نے دامن افشانی کی تھی - مگر اس دامن افشانی نے مجھے لوگوں کی نظر میں مقید بجسم ثابت کر دیا یعنی جب دامن افشانی کی تو دامن کا وجود خارج میں پایا گیا - اور دامن جزو لباس ہے اور لباس کے لیے جسم کی ہستی ضروری ہے تو گو میں نے لباس ظاہر سے دامن افشانی کی مگر لوگوں کی نظر میں میرا جسم ثابت رہا اور اُسکی ہستی جس کو میں مٹانا چاہتا تھا برقرار رہی اس وہم سے نتیجہ یہ نکلا کہ میں کامل آزاد نہ ہو سکا اور مقید بجسم ٹھہرا اور یہ سب میری عریانی یعنی بے تعلقی کا ستم ہے جسکے ہاتھوں میں پابند علائق ہوا گویا داغ -

بعد مردن بھی خیال رخ قاتل ہے وہی — جس سے ہم آنکھ چراتے تھے مقابل ہے وہی

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں — مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

سنگ فساں وہ پتھر جس پر سان رکھی جاتی ہے اُسکو یہاں مصنف نے مراد لیا ہے - کہتا ہے کہ میں اپنی سخت جانی کے سبب سے تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں بن گیا ہوں - یعنی برابر وہ تلوار میری گردن پر رکھی جاتی ہے مگر پھر بھی موت نہیں آتی - سبحان اللہ میری گرانجانی کسقدر میرے لئے مبارک ثابت ہوئی ہے - دوسرا مصرعہ یا بطور طنز کے کہا ہے - یا واقعتاً مصنف نے اپنی گرانجانی کو اپنے حق میں فال نیک خیال کیا ہے کہ تیغ یار سے کچھ نہ کچھ تعلق تو ہے -

کیوں نہو بے التفاتی اوسکی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محو پرسش ہائے پنہانی مجھے

پرسش پنہاں سے مراد خواب میں آکر حال پوچھنا - یا خیال میں تسکین دینا - کہتا ہے اُسکو میرے حال سے بے توجہی کیوں نہو - اور مجھ سے بے التفاتی کیوں نہ کرے اوسکو اطمینان ہے - وہ سمجھتا ہے کہ ہم جو پوشیدہ طریقہ سے اوسکے حال کی پرسش کرتے رہتے ہیں وہ اسی میں محو اور خوش ہے پھر ظاہرا توجہ کرنیکی کیا ضرورت ہے فارسی میں اس مضمون کو یوں کہا ہے غالب -

با ہمہ خرسندی از دہر شکوہ ہا دارم ہمی — تا مباد صید پرسشہائے پنہانی مرا

تکلف برطرف لب تشنۂ بوس و کنار ستم — ازاہم باز چین دام نوازشہائے پنہارا

میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی — لکھدیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

جب کاتب تقدیر میرے غمخانے کی قسمت لکھی تو منجملہ اسباب ویرانی کے ایک مجھکو بھی سبب ویرانی قرار دیا یعنی اپنے گھر کو اپنے ہاتھ سے خود برباد کروں گا -

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاشکے — اسقدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

میں چونکہ مرغ بستانی کی آواز سننے کا شائق ہوں کیونکہ وہ میرا حریف اور ہم پیشہ ہے جیسے حافظ کہتے ہیں

بنال بلبل اگر با منت سر یاریست — کہ ہر دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

تو وہ کافر سمجھتا ہے کہ یہ دوسری چیزوں کا بھی شوق اور عشق رکھتا ہے لہذا مجھ سے بدگمان ہوتا ہے

لہٰو کاش ایسا نہ ہوتا۔ مجھے لوا تے مرغ بستانی کا شوق نہ ہوتا۔

سہ کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے — طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

لیگیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے — وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا

میں اس لئے گور میں گیا تھا کہ غم و افکار سے نجات پاؤں مگر افسوس کہ وہاں بھی شور محشر نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اور میرا ذوق تن آسانی پورا نہ ہونے دیا۔ اور آرام نہ کر سکا۔

سہ یاں فکر معیشت ہے وہاں دغدغۂ حشر — آسودگی خیریت یہاں ہے نہ وہاں ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے — تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

آپ نے میرے گھر آنیکا وعدہ کیا تھا اسیوقت سے انتظار میں دروازہ پر کھڑا ہوا ہوں اور گویا اپنی دربانی آپ کر رہا ہوں۔ یہ کیا انداز ہے کہ آپ نے مجھے میرے گھر کا دربان بنادیا ہے ذرا جلد وعدہ پورا کیجئے۔ اور تشریف لایئے۔

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ — پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

اے آمد فصل بہار کی خوشی تیرا کیا کہنا۔ میں سودائے غزل خوانی دماغ سے نکال بیٹھا تھا مگر تیرے آنے سے پھر تازہ ہو گیا ہے۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی — میرزا یوسف ہے غالب یوسفِ ثانی مجھے

خدا نے میرے بھائی مرزا یوسف کو نئے سر سے زندگی دی یعنی بچادیا۔ مرزا یوسف میرے لیے یوسف ثانی ہے گویا دوسرا یوسف ملا۔ یعنی یا تو وہ میری نظر میں ایسا ہی حسین و جمیل ہے جیسے حضرت یوسف دنیا کی نظر میں تھے۔ یا یہ کہ میرا بھائی اتنا بیمار ہو گیا تھا کہ بچنے کی ہرگز توقع نہ رہی تھی۔ گویا یہ یوسف وہ نہیں ہے دوسرا یوسف ہے۔

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یا رب مجھے — سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

عالم خوشی میں بھی میں بار بار یارب یارب پکار اٹھتا ہوں گویا میرا ہنسنا میرے لئے

تسبیح زاہد کا کام دے رہا ہے۔ کہ ہنستا ہوں اور یارب کہتا ہوں۔ قاعدہ ہے کہ شادی ہو یا غم ہر حالت میں دل میں ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زبان سے بیساختہ۔ یا اللہ یا رب وغیرہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں اوسی سے مصنف کی یہاں مراد ہے۔ خندہ زیر لب سے مراد وہ خندہ ہے کہ ازدیاد غم میں انسان مسکراتا ہے۔ اور سانس لیکر ایسے الفاظ کہہ اٹھتا ہے ارے مرے اللہ ارے میرے مالک۔ اسیکو مصنف مراد لیتا ہے اور کہتا ہے کہ بظاہر خوشی کی صورت ہے لیکن یہ ایسی تسبیح زاہد ہے جس سے مجھکو بس خدا ہی یاد آرہا ہے۔ فارسی میں اسی خیال کی دوسرے الفاظ پر بنا رکھی ہے شعر

مبادا ہیچ بار سبحہ از ہم بگسلد غالب — نفس با این ضعیفی برنتابد شور یارب را

مولانا نظم لکھتے ہیں کہ یارب کے معنے فارسی محاورہ میں خدا کی دہائی ہے اور سبحۂ زاہد سے وہ ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں میں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ شادی میں بھی مجھے شور یارب نہیں بھولا ہے میرا خندۂ زیر لب گویا زاہد کا ذکر خفی ہے۔

ہے کشادِ خاطرِ وابستہ در رہنِ سخن — تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

واضح ہو کہ مکتب سے یہاں لغوی معنے مراد لئے ہیں یعنی جسجگہ بیٹھکر لکھیں۔ کہتا ہے کہ میرے دل کی کشایش اور خوشی گویا رہن سخن تھی۔ یعنی میری خوشی دل فکر شعر پر منحصر ہے خانہ مکتب یعنی جہاں میں بیٹھکر لکھتا ہوں طلسم قفل ابجد کا اثر رکھتا ہے۔ کہ جیسے اودھر اسکے حروف معینہ کو یکجا کیا اور ادھر وہ کھلا ایسے ہی اودھر میں اپنے لکھنے کی جگہ پر پہونچا اودھر میری طبیعت کو کشادگی حاصل ہوئی اور شعر کہنے شروع کئے۔

یا رب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیئے — رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

اے خدا اس پریشانی کی مجھے کون داد دے کہ قیدیوں کی آسایش پر اب مجھکو رشک آتا ہے یعنی اتنا پریشان ہوں کہ ان کو خود سے اچھا سمجھتا ہوں۔

طبع ہے مشتاقِ لذتہائے حسرت کیا کروں — آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

میری طبیعت لذت حسرت کی مشتاق رہتی ہے اور آرزو سے میں شکستن امید و آرزو مراد لیتا ہوں

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

جناب مرزا صاحب دل لگا کر آپکی بھی میری جیسی حالت ہو گئی آپ تو ہمکو عشق سے منع کیا کرتے تھے آپ تو ہمارے بھائی بن گئے ۔ صاحب بکسر حا بمعلہ صحیح ہے مگر اردو فارسی میں چونکہ بفتح حا مستعمل ہے اسوجہ سے مطلب کے ساتھ اسکا قافیہ کرنا صحیح ہے ۔

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوشنوایان چمن کی آزمائش ہے

آج دربار میں شعرا کی آزمائش ہے ۔ دربار شاہی ایک چمن ہے اور شعرا خوشنوایان چمن ہیں ۔ یہ بھی درباری شاعروں میں سے کسی شاعرہ کی غزل ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

قیس اور فرہاد کے لئے تو معیار آزمائش لیلی اور شیرین کا قد اور گیسو ہے یعنی محض وہی دکھا کر انکی آزمائش کیجاتی ہے ۔ اور بتلائے بلا کیا جاتا ہے یا دیکھا جاتا ہے کہ یہ ان دونوں چیزوں یعنی قد و گیسو سے کسقدر محبت کرتے ہیں ۔ مگر افسوس میرا ظالم و سفاک معشوق یہ کچھ نہیں کرتا اور وہ دار و رسن دکھا کر امتحان لیتا ہے ۔ یا اس بلا سے مبتلا کرتا ہے ۔

کرینگے کوہکن کے حوصلہ کا امتحان آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

یعنی یہ نہ سمجھیے کہ جوئے شیر لانے کا حکم دینے سے کوہکن عشق کے امتحان میں پاس ہو گئے نہیں ابھی تو اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اسکی قوت بازو کا امتحان کریں ۔ ابھی اسکے حوصلہ دل اور عشق کے امتحان کا وقت نہیں آیا ۔ وہ بھی آئیگا یعنی جب پیرزن خبر بد لیجا کر اسکو سنائیگی اور وہ مرجائے گا ۔ وہ امتحان عشق ہے ۔ اور اس صورت سے گویا وہ اسمین ناکامیاب رہیگا ۔ کہ پہلے ہی سوال میں تیشہ کہا کر مرجائے گا ۔

نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

نسیم مصر جو مصر سے خوشبوئے پیرہن یوسف لیکر آئی ہے تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ

یعقوب علیہ السلام کی خیر خواہی کر رہی ہے ۔ یہ سب غلط ہے وہ محض یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بو کا امتحان کرتی ہے کہ دیکھیں اسمیں کیا تاثیر یا کسقدر قوت ہے ۔

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے

دیکھو ہم بتائے دیتے ہیں کہ غارت گر صبر و قرار وہ آیا ۔ اپنے اپنے دل سے اپنے ہوش و حواس سے ہشیار ہو جاؤ ۔ پھر یہ شکایت نہ کرنا کہ ہم غافل تھے اس لئے وہ لوٹ لے گیا ۔ خوب شعر کہا ہے

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شست بت ناوک فگن کی آزمائش ہے

اگر تیر دل میں رہ جائے تو اچھا اور جگر کو توڑتا ہوا پار نکل جاسے تو اچھا ۔ ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ اس ناوک فگن کی شست کا امتحان کریں کہ وہ کیونکر نشانہ اڑاتا ہے ۔

نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

نہ کچھ تسبیح شیخ میں رکھا ہے نہ زنار برہمن میں ۔ بلکہ یہ بھی ایک آزمائش وفاداری کا ڈھنگ ہے اسکی تسبیح کے اور اسکی زنار کے ذریعہ سے وفاداری دیکھی جا رہی ہے ۔

پڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے

اے دل مبتلا تو کتنی مرتبہ تو امتحان کر چکا ہے کہ زلف کے پھندے سے نکلنا سخت دشوار ہے مگر پھر بھی تڑپ رہا ہے یہ غیر ممکن ہے کہ تو اس دام سے نجات پا سکے دوبارہ امتحان بیکار ہے بہتر یہی ہے کہ خاموش پڑا رہ ۔

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

ابھی تو زہر غم میرے کام و دہن تک ہی پہونچا ہے ابھی کیا ہے دیکھئے جب یہ زہر رگ رگ میں سرایت کریگا تو کیا ہوگا ۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھو تو ہوتا ہے کیا

وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

غالب تم کہتے ہو کہ وہ میرے گھر آئیں گے وعدہ کرلیا ہے یہ سب تمہارا خیال خام ہے وہ کیا آئیں گے بلکہ یوں سمجھو کہ آسمان کو نیا فتنہ اٹھانا منظور ہے نیا فتنہ اسوجہ سے کہا ہے کہ اول تو وہ وعدہ ہی نہ کرتے تھے۔ اب وعدہ کیا تو وعدہ خلافی کا صدمہ میرے لئے نیا ہے۔ دیکھیے کیا ہوگا۔

کبھی نیکی بھی اُسکے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کرکے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

اول تو اُسکے دل میں نیکی ہی نہیں آتی کہ مجھپر مہربان ہو اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے تو وہ اپنے ظلم وستم سے شرما کر رہجاتا ہے اور ندامت کی وجہ سے میرے پاس نہیں آسکتا ایک جگہ یہی مضمون لکھ چکے ہیں

سہ جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھکو منہ دکھلائیں کیا

دلستاناں بحلِ ما زچہ جفا نیز کنند
از وفائے کہ نکردند حیا نیز کنند

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

یا الٰہی کیا میرے جذبۂ دل کی تاثیر اُلٹی ہے کہ جسقدر میں اوسکو کھینچتا ہوں وہ مجھ سے کھنچتا ہے یعنی میں وصل چاہتا ہوں اور جدائی ہوتی جاتی ہے۔

وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

میرا قاصد بھی مجھسے گھبرا جاتا ہے کیونکہ وہ یعنی میرا معشوق ٹھہرا بدخو۔ اور میرا قصۂ غم ٹھہرا طلسم ہوشربا تو قاصد کہتا ہے کہ کہیں میرے شامت نہ آجائے وہ تیری داستاں سنینگے کب اور مجھ پر بھی خفا ہونگے۔ اور اس صورت سے گویا میرا پیغام یا میرا حال کسیطرح اُس تک نہیں پہونچ سکتا

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

وہ بدگماں ہے کہ میرے عشق ومحبت کے دعوے کو غلط جانتا ہے یا یہ خیال کرتا ہے کہ میں اس سے کچھ بات کہوں گا تو دنیا والے خدا جانے کیا اپنے دلمیں سمجھیں گے اس سے وہ تو میرا حال پوچھ نہیں سکتا۔ میں ناتوان ہوں اسوجہ سے بغیر پوچھے اپنا حال سُنا نہیں سکتا۔ شعر میں تقابل

کی وجہ سے ایک عجیب حسن پیدا ہوگیا ہے۔ فارسی میں کہتے ہیں۔

سہ عشقت و ناتوانی حسنت وسرگرانی
جور وجفا تمام مہر ووفا ندارد

سنبھلنے دے مجھے اے نااُمیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

اے نااُمیدی مجھے ایسا نحیف کمزور نہ کر کہ اُس کا دامن خیال میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے یعنی اتنا ستم نہ کر کہ اوس کا خیال دل سے نکل جائے۔

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

اوسکا دیکھنے والا میں خود ہی کیوں نہوں مگر مجھے اس سے بھی رشک آتا ہے اور میرا دل نہیں چاہتا یعنی رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ اوسے کوئی دیکھے۔ یہی مضمون کئی جگہ لکھ چکا ہے مثلاً

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

سہ میروم زیں کوئے وازرشک محبت میروم
بسکہ با من آشنا گشتی زغیرت میروم

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

پہلے عشق کی لڑائی میں میرے پاؤں ہی زخمی ہوئے ہیں۔ لہذا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا حساب ہورہا ہے سو نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالبؔ
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

غالب کیا قیامت ہے کہ جس کافر کو رشک کے مارے خدا کو بھی نہیں سونپ سکتا۔ یعنی رسم کی موافق خدا حافظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ میرے دشمن کا ہمسفر ہوتا ہے۔ غالب مرحوم تو اس شعر کو نہایت بے تکلفی سے کہہ گئے ہیں مگر عارف نے نہایت سنبھال کر یہ مضمون لکھا ہے

سہ نہ خداوند کو گر پاک ومنزہ سمجھوں
کب گوارا ہو مجھے تجھ پہ نگہباں کرنا

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے
کشاد وبستِ مژہ سیلیٔ ندامت ہے

چونکہ ہر وقت مصروف تماشا رہنا علامت جنون ہے تو اس وجہ سے ہر وقت پلکوں کا کھلنا
اور بند ہونا موقوف ہے کہ آنکھوں پر تیر لگائے جا رہے ہیں - بیدل نے یہ مضمون یوں لکھا ہے -

ع دیدہ را کہ بنظارہ دل محرم نیست — مژہ برہم زدن از دست ندامت کم نیست

یعنی جو آنکھیں کہ اپنے دل کے سوا کسی دوسری شے کے نظارہ میں مصروف ہیں - ان کے لیئے کشاد و بست مژہ گویا سیلی ندامت ہے - مرزا غالب مرحوم نے ضرور اسی شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے مگر جو کچھ بیدل نے کہا ہے وہ مرزا غالب نہیں کہہ سکے - بیدل نے ایک جگہ اور یہ مضمون لکھا ہے اور وہ اس سے بھی بہتر ہے ع

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ — تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن در آ

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی — تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے

نہیں معلوم تیرا بدعہدی کا داغ کس طرح اور کس پانی سے مٹے گا - آئینہ دیکھنا تیرے لئے ورطہ ندامت ہے کیونکہ اس سے آرائش مقصود ہے اور ایسی سخت بدعہدی کے بعد جسنے مجھے مٹا دیا اور تیرے دامن پر داغ بدنامی لگا دیا آئینہ دیکھنا اور پھر آرائش کرنا ورطہ ملامت ہونا چاہیئے اور اسمیں ڈوب جانا چاہیئے یعنی بدعہدی کر کے مجھکو مٹانے کے بعد تجھے آرائش ترک کر دینی چاہئے اس شعر کو بھی نظم صاحب نے قریب قریب یہی معنی بتایا ہے -

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ — نگاہ عجز سر رشتہ سلامت ہے

ہوس کا بل اور پیچ تاب دے دے کر رشتہ عافیت کو نہ توڑ - بس عاجز بنا ہوا نگاہ عبرت سے دنیا کا نظارہ کرتا رہ - یہ تار نگاہ عجز رشتہ سلامتی ہے -

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد — جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

معشوق وفا کے لئے تیار ہے مگر دعوائے عشق رقیب بے بنیاد ہے - فصل گل موجود ہے مگر جنون جھوٹا ہے

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے — میرا ذمہ دیکھکر گر کوئی بتلا دے مجھے

میں تیرے عشق میں اتنا دبلا ہو گیا ہوں کہ اگر تو مجھے اپنی بزم میں بلائے تو مجھے کوئی دیکھ نہ سکے گا یا دیکھکر کوئی پہچان نہ سکیگا -

کیا تعجب ہے کہ اسکو دیکھکر آجائے رحم — واں تلک کوئی کسی حیلہ سے پہونچا دے مجھے

فصاحت کے یہ معنے ہیں کہ مختصر الفاظ میں مطالب کثیر ادا کئے جائیں جیسے کہ اس شعر میں جسکے یہ معنے ہیں کہ کہنے والا اپنے ذہن میں یہ سمجھ چکا ہے کہ وہ مجھ پر کبھی رحم نہ کرے گا - اور یہ اس وجہ سے کہ اسکو معشوق کی بزم میں جانے کا موقع ہی نہیں مل سکتا ہے وہ اسی رنج میں نہایت دبلا اور نحیف و زار ہو جاتا ہے - اور جب اس کا نہایت حال تباہ ہو گیا ہے تو وہ خیال کرتا ہے اور درد دل سے تنگ ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ کیا تعجب ہے وہ میرا حال دیکھکر مجھ پر رحم کرے کوئی کسی طرح سے اسکے پاس مجھ کو پہونچا دے -

منھ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر بانداز عتاب — کھولکر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

اے ظالم بیرحم سفاک اگر تجھے یہ منظور نہیں ہے کہ اپنا منھ مجھے دکھائے تو خیر تیری خوشی میں میں بھی خوش ہوں منھ نہ دکھا - مگر کبھی غصہ سے چشم نمائی تو کر -

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں — زلف گر بنجاؤں تو شانہ میں الجھا دے مجھے

میری گرفتاری اور میرے آزار دینے سے وہ - اتنا خوش ہے کہ اگر میں زلف بنکر اسکی شان معشوقی بڑھاؤں تو وہ مجھے آزار دینے کے لئے شانہ میں الجھا دے -

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

دنیا میری نظر میں ایک بچوں کا کھیل ہے اور میں اسکو تماشہ سمجھتا ہوں -

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک — اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تخت سلیمان کی میرے نزدیک کھیل سے زیادہ وقعت نہیں ہے اور اعجاز مسیحا یعنی قم کو میں ایک بات سمجھتا ہوں اکبات ہے محاورہ ہے ناچیز سمجھنے کے معنے میں -

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

عالم ہستی کی میرے سامنے کوئی ہستی نہیں ہے بس میں اسکو ایک نام سمجھا ہوا ہوں اور ہستی اشیا کو ایک وہم جانتا ہوں۔ وہم وہ ہے جسکا وجود کچھ بھی نہو۔

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے — گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

میں اپنے جنون کے عالم میں اسقدر خاک اڑاتا ہوں کہ صحرا گرد میں چھپ جاتا ہے اور دریا ازراہ عجز یا بوجہ تاثیر درد کے میرے سامنے خاک پر دنیا ماتھا رگڑتا ہے یا یہ کہ میری اشکباری دیکھکر وہ عاجز ہوجاتا ہے۔

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے — تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

یہ کیا پوچھتا ہے کہ میرا تیرے پیچھے کیا حال رہتا ہے بس بعینہ یہی کیفیت ہوتی ہے جیسی کہ تیری حالت میرے سامنے ہوتی ہے کہ بیقرار اور شرمایا ہوا رنجیدہ سا بیٹھا رہتا ہے ایسا ہی میں بھی رہتا ہوں یا یہ کہ تو اپنے حسن کو میرے سامنے ذرا دیکھ کہ تو کتنا حسیں ہے اور پھر خیال کر کہ تیرے پیچھے میرا کیا حال ہونا چاہیئے۔ گویا ؎

فراق زدہ تو زندگی چہ حسرت است ایں — تو خود در آئینہ بنگر کہ چیست حال مرا

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں — بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

یہ بالکل سچ ہے کہ میں خود بیں اور خود آرا ہوں مگر ایسا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جب تجھسا حسین آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے تو میں جو کچھ ہوں سب صحیح ہے۔

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار — رکھدے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

کوئی ایک شراب ناب کا چھلکتا ہوا ساغر میرے سامنے رکھدے اور پھر میری گل افشانی دیکھے۔

عرفی بیار بادہ کہ جانم دمی زنالہ بر آید — ہزار زمزمہ از دل بیک ترانہ بر آید

نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا — کیونکر کہوں لو نام نہ انکا مرے آگے

ناصح میرے سامنے آپ کا نام لیتا ہے اور میں رشک سے اتنا بھی نہیں چاہتا کہ کوئی انکا نام میرے سامنے لے مگر جو یہ کہتا ہوں کہ انکا نام میرے سامنے نہ لو تو یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ لوگ سمجھیں گے مجھے ان کے نام سے نفرت ہوگئی۔ لہذا میں ایسے رشک سے باز آیا۔ جسمیں انکی نفرت کا لوگوں کو خیال پیدا ہو کر جو ایک عاشق صادق کے لئے باعث ننگ ہے۔ مجبوراً سنتا ہوں دیکھئے حکیم مومن خاں صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ مومن خاں کے یہاں بندش اتنی چست ہوگئی ہے کہ غالب کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے ؎

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا — کہ ہر اک بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

میں عجیب کشمکش میں پڑا ہوا ہوں کہ ایمان مجھے روکتا ہے اور کفر کھینچتا ہے ادھر کعبہ ہے ادھر کلیسا ہے بمثل شعر کہا ہے۔ اور خصوصاً یہ مصرع کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے۔ ایسا ہے کہ اگر دیوان کے دیوان اسپر سے صدقہ کردئے جائیں تو بجا ہے۔

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام — مجنوں کو برا کہتی ہے لیلا مرے آگے

ہوں تو میں عاشق مگر ایسا چالاک عاشق ہوں کہ معشوقوں کو بھی فریب دیتا ہوں لیلے میرے سامنے مجنوں کو برا کہتی ہے اور میری تعریف کرتی ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے — آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

میں شب ہجر میں یہ دعا مانگتا تھا کہ یا اللہ اگر مروں تو وصل کی شب میں مروں ہجر میں ناکام مرنا تو برا ہے لہذا آج شب وصل وہ میرا چاہا میرے سامنے آگیا۔ اور شادی مرگ ہوگئی۔ ورنہ وصل میں خوشی ہوا کرتی ہے یوں مر نہیں جایا کرتے۔ یہ وہی مضمون ہے جیسا کہ سعدی نے ایک حکایت میں کہا ہے۔

؎ یکے تشنہ مے گفت وجاں مے سپرد — خنک نیک بختے کہ در آب مرد

ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو — آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

میرے دل میں ایک قلزم خوں جوش مار رہا ہے کاش یہی ہو کہ ایک خون کا دریا بہا کر مجھے نجات مل جائے مگر ایسا نہیں ہے خدا جانے عشق میں ابھی کیا کیا طوفان دیکھنے نصیب ہوں گے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے تو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اگرچہ ضعف کے ہاتھوں ہاتھ ہلانا دشوار ہے۔ اور شراب اب پی نہیں سکتا ہوں پھر بھی آنکھوں میں ابھی دم باقی ہے کہ اسکو دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ابھی ساغر و مینا کو میرے سامنے رکھا رہنے دو کہ اسکے دیکھنے سے دل کو تسکین دیتا رہوں غالب نے اس غزل میں یہ شعر سب شعروں سے اچھا کہا ہے۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا — غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

چونکہ وہ میرا ہم پیشہ اور ہم مشرب ہے لہذا آپ اوسکو برا کہتے ہیں تو گویا مجھے برا کہتے ہیں اسیطرح مجھے آپ برا سمجھے ہوں گے ؎

یہ باعث نومیدیٔ ارباب ہوس ہے — غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے — تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

میں اپنا حال سنانے اور دکھ ظاہر کرنے کو آپکے سامنے بیٹھتا ہوں تو بغیر سنے ہی آپ فرما دیتے ہیں کہ مطلب کہیے مطلب۔ حالانکہ تم میرے مطلب سے بھی خوب واقف ہو پھر بھلا اسی حالت میں آپ سے کچھ کہنے کی کیا جرأت ہو۔

؎ نہیں ہے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے۔

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں — مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

ذرا براہ کرم غصہ میں طعن اور طنز کی راہ سے یہ نہ فرمایا کیجیے کہ ہم ظالم ہیں مجھے آپ کی ہر ایک جا و بیجا بات پر (بجا و درست) کہنے کی عادت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسپر بھی میں بجا

کہہ بیٹھوں اور آپ کو پھر اور ناگوار گذرے اور میری شامت آجائے۔

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جائے — نگاہِ یار کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

مانا کہ نگاہ یار نشتر ہے۔ اور اسی لئے وہ میرے دل میں اتر گئی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جو چیز دل میں سما جائے اور اتر جائے تو وہ محبوب ہے۔

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں — وہ زخمِ تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے

پیکان کے زخم سے دل کو کچھ تسلی نہیں ہوتی اور وہ خوش نہیں ہوتا بلکہ جس زخم سے میرے دلکشائی ہوتی ہے اور جس سے مجھے تفریح ہوتی ہے وہ زخم تیغ ہے۔ لفظ دلکشا میں ایہام ہے۔ یہ کہ زخم تیغ دلکشا ہوتا ہے کہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے راحت اور جراحت میں تجنیس ہے ؎

ہر دل کہ نہ زخمے خورد از تیغ تو دانیست ؛

؎ حسرت اگر دم بزن تیغ و در بر روے دل بکشا — دلم تنگست کار از زخم پیکان بر نمی آید

جو مدعی بنے اوسکے نہ مدعی بنیے — جو ناسزا کہے اوسکو نہ ناسزا کہیے

جو کوئی دشمن ہو جاوے اوس سے دشمنی نہ کیجئے جو برا کہے اوسے برا نہ کہیے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

؎ بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی احسن الی من اسا

(مدعی بنیے) کا ٹکڑا برا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے جلال مرحوم کا یہ مصرعہ۔ کہ سب ترے ناز ہیں گو زندہ ہی کرنے والے۔

یہ عیب شاعری تنافر کے نام سے موسوم ہے اسکا امتیاز محض مذاق سلیم و صحیح پر مبنی ہے گو اہل بلاغت نے تنافر کے یہی معنے اور تعریف لکھی ہے کہ ایسے الفاظ قریب المخرج جمع ہو جائیں جنکے ادا کرنے میں زبان کو تکلیف کی ضرورت ہو۔ مگر نہیں یہ بھی ایک قسم کا تنافر ہے کہ ترکیب الفاظ سے کوئی ایسا لفظ بن جائے جسمیں رکاکت اور ذم کا پہلو نکلے۔ جیسے یہی (مدعی بنیے) یا جیسے منہ تمہارا ہے اور میری نظر۔ منہ تو دیکھو آئینہ کا یہ صفائی لا سکے۔ پہلے مصرعہ کے پڑھنے سے موت مارا۔ اور دوسرے سے موتو دیکھو پیدا ہوتا ہے یا دست و پا وینگے گواہی مری روز محشر

یاد دینگے۔ غرض کہ ایسے کلمات سے جنمیں کوئی ذم کا پہلو پیدا ہوتا ہو تا ہو احتراز واجب ہے۔

کہیں حقیقت جاں کاہی مرض لکھئے   کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے

ہماری حالت یہ ہے کہ کہیں جانکاہی مرض کی حقیقت لکھتے ہیں کہیں مصیبت ناسازی دوا بیان کرتے ہیں۔

کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجئے   کہیں حکایت صبر گریز پا کہیے

کہیں اپنے ننگیں غم والم کا دکھڑا روئیں اور کہیں صبر گریز پا کی حکایت بیان کریں۔

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجئے   کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

اگر جان جاتی رہے تو اس کے صلہ میں قاتل کو دیت دیجئے۔ زبان کٹ جائے تو خنجر کو تحسین و آفریں کہیے۔

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے   روانی روش و مستی ادا کہیے

اگر معشوق مجھ سے محبت نہیں کرتا تو کیا اس سے اسکی شان معشوقی میں کوئی فرق آیا جاتا ہے اسکا ہمکو ضرور اعتراف کرنا چاہیئے اوس کی رفتار کی روانی اور اسکی مست ادائیں کا ذکر کریں۔

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے   طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

معشوق مثل ایک بہار کے ہے جسکو قیام نہیں مگر کیا اس بے ثباتی سے طراوت چمن اور خوبی ہوا پر کوئی حرف آسکتا ہو۔ بس بالکل یہی معشوق کی حالت ہے۔ مصنف نے یہ پانچ شعر ایک قطعہ کی صورت میں کہے ہیں جس کا ماحصل یہ ہو کہ ہماری قسمت میں یہی کہ ہم مصیبت میں مبتلا رہیں جیسا کہ پہلے تین شعروں سے ظاہر ہے اور اس بلا میں مبتلا رہکر معشوق کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں وہ پھر معشوق ہے ہمپر آفت آئے یا اسکی ہمارے ساتھ بیوفائی سے اسپر کچھ حرف نہیں آسکتا۔

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آ لگا غالب   خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

یعنی میں کنارہ پر آکر ڈوبا ہوں اب خدا سے ناخدا کے ظلم کی کیا شکایت کروں۔ اوسنے کیا کیا یا یہ کہ اگرچہ ناخدا نے مجھ پر بیحد وحساب ظلم کئے مگر وہ وقت گذر گیا۔ اب کیا گذشتہ باتوں کو یاد کریں۔

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے   دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

جسقدر ہم عشق میں روئے رسوا ہوتے گئے اور بیباکیاں بڑھتی گئیں۔ گویا دُہل دُہلا کر پاک یعنی پکے رند ہوگئے اب ہمکو کسیکا خوف ہی باقی نہیں رہا۔

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی   تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

ہمارے دو حساب تھے۔ ایک شراب خواری کی فکر دوسرے آلات مے کشی سو آلات مے کشی یعنی ساغر وغیرہ کو بھی بیچ کر شراب پی گئے اور یہ دونوں حساب بھی یوں پاک ہو گئے اب کوئی جھگڑا نہیں رہا۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم   بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

خیر اگرچہ آوارگی سے ہم زمانہ بھر میں بدنام ہو گئے۔ مگر ذرا چونچال تو ہوئے عقل و حواس توٹھکانے لگے۔

۵ پڑا ہوں سنگ رہ غیر ہو کر کوئے جاناں میں   سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

کہتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر   پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

یہ کون کہتا ہے کہ نالہ بلبل بے اثر ہے۔ کیا دیکھتا نہیں ہے۔ اوسکی لستگی خاطر نے یہ اثر کیا ہے کہ گل کے لاکھ جگر شگفتگی کے پردہ میں چاک ہو گئے۔ گویا دل کہلے نہیں بلکہ فریاد بلبل سے اون کا جگر چاک ہو گیا۔

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا — آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود ہے نہ عدم۔

کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلہ — کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اہل شوق کے وجود و عدم کا حال نہ پوچھو وہ اپنی آگ میں آپ جل گئے ہیں تو گویا نہ ان کا وجود مٹانے کے لیئے ہماری طرف نظر اٹھائی مگر دیکھنے کی ہم میں تاب نہ تھی جلکر خاک ہو گئے۔

ف اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر — کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

اس رنگ سے اوٹھائی کل اُسنے اسدؔ کی نعش — دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

یعنی کچھ ایسے رنج و غم سے اُسنے لاش اٹھائی کہ دشمنوں کو رنج ہوا رشک سے یا اس بُرے طریقہ سے میری لاش اپنے کوچہ سے اُٹھوائی کہ دشمنوں کو بھی ترس آیا اور صدمہ ہوا۔

نشئہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب — شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

نشہ رنگ محفل سے خوش ہے اور ساز خوشی کے مارے مست طرب ہو رہے ہیں شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ بنا ہوا ہے۔ مصنف نے بہار کا سماں دکھایا ہے اگرچہ الفاظ سخت ضرور ہیں مگر خوب ہی لکھا ہے یعنی نغمہ ایک جوئبار ہے شیشۂ مے سرو لب جو یہ حالت دیکھکر نشہ اور ساز دونوں خوش ہیں یہی تشبیہ شیشۂ مے کی سرو کے ساتھ دوسری جگہ ہم لکھ آئے ہیں۔

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزم عیش دوست — واں تو نالہ کو بھی میرے اعتبار نغمہ ہے

اے ہمنشیں یہ تیرا فکر فضول ہے کہ دوست کی بزم عیش کو رو کر خراب نہ کر وہاں تو میرا نالہ بھی نغمہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اُسکی محفل کو اس سے زینت ہو گی یا بزم خراب ہو گی۔

ف دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ — نغمہ بنجاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے — دعوئ جمعیت احباب جائے خندہ ہے

ہنسنے کے وقت گویا دانت اپنی شوخی ناز کا اظہار کرتے ہیں یعنی اونکی چمک دمک وغیرہ ہنسنے پر کھلتی ہے اور دانت چونکہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور قریب ہیں اسواسطے ان کو جمعیت احباب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور یہ گویا دوست ہیں۔ مگر اسی دعوی کو مصنف دلیل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ کہ دنیا کے دوستوں کی جمعیت جائے خندہ ہے۔ یعنی دانت جمع ہیں اور اپنی شوخی ناز وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں تو ہنسی آتی ہے۔

ہے عدم میں غنچہ محو عبرت انجام گل — یکجہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

یعنی غنچہ ہنوز عدم میں ہے ہستی میں نہیں ظاہر ہوا۔ مگر انجام گل کی عبرت پر محو ہو رہا ہے یکجہاں زانو تامل سے مراد ہے فکر بیحد یعنی وہ غنچہ سوچتا ہے کہ خندہ کے پیچھے بہت سا فکر پوشیدہ ہے یا یہ کہ غنچہ جب کھل گیا تو گویا وہ معدوم ہو گیا اور پھول موجود ہو گیا تو وہ غنچہ اب عدم میں پھول کی انجام پر فکرمند ہے اور یہ خیال اوسکو کھلجانے کے پیچھے پیدا ہوا ہے۔

کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام — ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ہماری افسردگی میں وہ کلفت ہے جسمیں بیتابی جو خود باعث تکلیف ہے وہ عیش معلوم ہوتی ہے۔ اور عیش و سرور کے لوازم سے ہنسی بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری افسردگی مجبور ہے کہ اسمیں بیتابی کی عیش حرام ہے ورنہ ہمارے انشراح خاطر یعنی دل کے خوش ہونے اور پھول کی طرح کھل جانے کے لیئے سہل ترکیب موجود ہے کہ بیتاب ہو کر دل کو چبا ڈالیں اور اسمیں زخم ڈالدیں۔ کہ اس سے وہ ہنستا معلوم ہو فارسی میں یوں کہا ہے۔ میرس از عیش نومیدی کہ دنداں در دل افشردن۔ اساس محکمے باشد بہشت جاودانی را۔

یا یہ کہ ہم افسردگی سے مجبور ہیں جسکے مذہب میں عشق بیتابی حرام ہے ورنہ اپنے دل کو زخمی کرنا اور خون بنانا یہ تو عین خوشی کی جگہ ہے اور اس سے فخر کرنا چاہیئے۔

سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں — دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

احباب سوزش باطن کو نہیں مانتے کیونکہ وہ اُس سے واقف نہیں ہیں ورنہ دراصل ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہمارے لبو ںپر ہنسی ضرور ہے اور دل میں دریائے نالہ موجزن ہے۔

حُسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے — آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

حُسن ظاہرا بے پرواہے مگر دراصل بے پروا نہیں ہے وہ بھی جلوہ کا خریدار اور خواہشمند ہے اور آئینہ اوسکے لئے زانوئے فکر بن گیا ہے کیونکہ اوسکو دیکھکر وہ اختراع جلوؤں کی فکر میں محو و مصروف رہتا ہے۔ یہی مضمون ہے ؎

پوچھ مت رسوائی اندازِ استغنائے حسن — دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن — چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

اے آگاہی اور ہوشیاری یہ رنگ تماشا کرنے کا توکب تک اختیار کئے رہیگی یوں سمجھ لے کہ تیری آنکھ جو اسکے دیکھنے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ یہ وہ آغوش کشادہ ہے جو رخصت کے وقت کھولتے ہیں یعنی جلوۂ جہان فانی بر سر وداع ہے اور اسکے دیکھنے کے لئے آنکھ کھولنی آغوش وداع ہے مرزا عبدالقادر بیدل کہتے ہیں کہ ؎

چشم واکردن کفیل فرصت نظارہ نیست — پرتو این شمع آغوش وداع محفل است

یعنی آنکھ کھلنا یا آنکھ کھولنا اس بات کا کفیل نہیں ہے کہ تو نظارہ کرسکے بلکہ اس شمع یعنی آنکھ کی روشنی آغوش کشادۂ وداع محفل ہے۔

مصنف نے بھی ایک جگہ نئی صورت سے ایسا ہی مضمون یوں ادا کیا ہے۔

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی — مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

یعنی جبتک کوئی زخم پیدا نہ کرے یعنی تیری تیغ عشق یا تیغ ستم سے مجروح نہوا اوس وقت تک تجھ سے باتیں کرنا دشوار ہے۔ گویا تجھ سے باتیں کرنے کے لئے دہان زخم کی ضرورت ہے

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بسر — کبتک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

دنیا ایک وحشت کدہ ہے جہاں خاک اُڑ رہی ہے یعنی سر بسر پریشان ہے اسے کوئی کب تک تجاہل سے زینت عالم سمجھا کرے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے مجنوں کے وحشت میں اڑائے ہوئے غبار کو کوئی پریشانی کی وجہ سے طرۂ لیلا سے مشابہ کرے۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں غبار وحشت مجنوں اُڑ رہا ہے آخر اسے کوئی کبتک نہ دیکھے اور لیلے کا کوئی کہانتک خیال کیا کرے۔ یعنی بمقابلہ حسن لیلا کے عشق مجنوں زیادہ قابل دید ہے یا یہ کہ مجنوں کی اسدرجہ پریشانی اور وحشت پر نگاہ نہ ڈالنا۔ اور اس غبار سے آلودگی طرۂ لیلا کا لحاظ کرنا ظلم ہے۔

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات — ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

میرے دل میں درد نے اتنی جگہ نہیں چھوڑی کہ کسی دوسری صورت سے کوئی شے داخل ہوسکے میری افسردگی اتنی بڑھگئی ہے کہ معشوق۔ یا کسلئے التفات سے دلمین خوشی کو پیدا نہیں ہونے دیتی گویا میرے دل میں سوائے درد کے اور کسیطرح سے کسی شئے کی گنجائش محال ہے

دوسرا پہلو یہ ہے کہ خالی افسردہ ہوکر رہجانے سے کوئی معشوق کے التفات کی خوشی نہیں پیدا کرسکتا ہاں کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے دل میں جگہ پانا ممکن ہے۔

یا یہ کہ افسردگی سے التفات معشوق کی خوشی نہیں ہوسکتی البتہ کوئی سراپا درد بنجائے تو اُسکے التفات کو خوش کرسکتا ہے۔ طرب انشا کی ترکیب اسوجہ سے غلط ہے کہ لفظ دونوں عربی ہیں۔ اور معانی فارسی ترکیب کے پیدا ہوتے ہیں یقیناً مصنف نے طرب افشائے کہا ہے۔ اور کاتبوں نے انشا لکھدیا۔

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے — آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

اے ہمنشیں میں روتا ہوں تو مجھے ملامت نہ کر میرے دلکے غم کی گتھی کسیطرح تو سلجھے۔

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی — کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ہم نے اپنا جگر تک چاک کرلیا۔ مگر اُسنے ہمارا حال نہ پوچھا تو اس لئے اب گریبان پھاڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے اُسکو کیا پروا ہوگی سوائے اسکے کہ اور ہم بدنام ہوجائیں اور

اپنے گریباں کو رسوا کریں۔

لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل — تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی

میرے لخت جگر ہر خار پر الجھے ہوئے ہیں اور اس صورت سے تمام جنگل ایک لالہ زار معلوم ہوتا ہے اب یہ کثرت ہے تو کہاں تک اسکی باغبانی کیا کریں۔

ناکامیٔ نگاہ ہے برق نظارہ سوز — تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

تجھکو نظر دیکھ نہیں سکتی ہے۔ اور ناظر کے لئے اوسکی نگاہ کی ناکامی برق نظارہ سوز ہے ورنہ تیرے جلوہ کا کوئی قصور نہیں ہے اس مضمون کو بھی مصنف نے مختلف صورتوں میں لکھا ہے مثلاً۔

ع جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منھ چھپائے کیوں

ع ایدل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر — کون لاسکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

مصنف کے اس انداز بیان کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے کہ ذرا سے تغیر سے مضمون کو بالکل علیحدہ کر دکھاتے ہیں۔

ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست — نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

جنوں سے سودا کرنے میں نقصان نہیں ہے اس واسطے کہ ہر سنگ و خشت جو لڑکے دیوانے کو مارتے ہیں وہ صدف ہیں جن سے شکست سر کے دیوانے کو موتی حاصل ہوتے ہیں۔

سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے عمر — فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

تیرا وعدہ صبر آزما ہے یعنی انتظار طلب ہے اس سے ہماری عمر جیت نہ سکی تیرا وعدہ پورا نہوا اور ہماری عمر ختم ہو گئی لہذا اتنی کیسے فرصت ہے کہ تیری تمنا کرے۔ جبتک تیرا وعدہ پورا ہوگا موت آجائیگی مرزا داغ نے گویا اسکی شرح کی ہے ع

جب تک کہ وفا ہو وعدہ یہاں زندگی کہاں — مجھسے زیادہ عہد ترا استوار ہے

موقوف وصل یار ہے گویا وصال پر — اک عمر چاہیئے کہ تمنا کرے کوئی

ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز — یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

ایجاد سے مراد غالباً عالم ایجاد ہے اس صورت میں یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ عالم ایجاد کی طبیعت ہی میں وحشت ہے اور یہ وحشت یاس خیز اور مایوس کن۔ بلکہ یہ یاس ایک درد ہے جو ہر ساکن ایجاد کے دلمیں پیدا ہونا ضروری ہے نظم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ معانی آفرینی و خلاقی مضامین و اختراع لطائف ایسا وحشی فن ہے جس سے یاس پیدا ہوتی ہے پھر بھی سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔

مولانا حسرت صاحب فرماتے ہیں۔ ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہیں اور اسطرح گویا مایوس ہونے پر مجبور ہیں۔

بیکاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل — جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

ع پھٹ گیا جب سے گریباں تب سے — ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

مگر مصنف کہتا ہے کہ جب گریبان و دامن وغیرہ کا فیصلہ ہو جائے اور سب چاک ہو جائیں تو جنوں بیکار ہو جاتا ہے مگر اس حالت میں مجنوں کا کام یہ ہے کہ سر پیٹے۔ مگر اسوقت کیا کرے جب سر پیٹتے پیٹتے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ نہایت ہی عمدہ شعر کہا ہے۔ اسکی تعریف ممکن نہیں ہے

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسدؔ — پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

پہلے کوئی دل گداختہ پیدا کرے تب شمع سخن کو فروغ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ فروغ ہونے میں شمع کو سوز و گداز بھی ضرور ہوتا ہے۔ غالباً کسی پر اپنے معاصرین میں سے یہ چوٹ کی گئی ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اگر کوئی مردوں کو زندہ کرتا ہے تو کرے کوئی عیسیٰ نفس ہے تو ہو میں تو جب جانوں جب کوئی میرے دکھ کی دوا کرے۔

شرع و آئین پر مدار سہی　　ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

ہم نے مانا کہ شرع اور قانون کی موافق قاتل کو سزا دیجاتی ہے یا اُس سے دیت لیجاتی ہے مگر جیسا قاتل کہ میرا ہے ایسے قاتل کا کوئی کیا کرے جو بغیر تلوار کے قتل کرے۔

چال جیسے کڑی کمان کا تیر　　دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

اوسکی چال ایسی دل کے پار ہوجاتی ہے جیسے کڑی کمان کا تیر۔ مزا جب ہے کہ ایسے کے دل میں کوئی گھر کرے۔

بات پر واں زبان کٹتی ہے　　وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

وہاں بات کرنے میں بھی زبان کٹتی ہے بس اوسکے سامنے چپ بیٹھا ہوا جو کچھ وہ کہیں سنا کرے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ　　کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

خدا جانے اپنے جنوں میں کیا کیا کہہ رہا ہوں خدا کرے کوئی ان باتوں کو نہ سمجھے

نہ سنو گر برا کہے کوئی　　نہ کہو گر برا کرے کوئی

اگر تمھارے منھ پر تمھیں کوئی برا کہے تو اس کان سے سنو اور اُس سے اڑا دو۔ اور اگر کوئی برا کرے تو اُس کو دیکھ کر پردہ پوشی کرو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی　　بخش دو گر خطا کرے کوئی

اگر کوئی غلط رستہ پر چل رہا ہے تو اُسکو آگاہ کر دو اور روک دو اگر کوئی جُرم کرے تو اسکی خطا معاف کر دو۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند　　کسکی حاجت روا کرے کوئی

دنیا میں کوئی حاجت روا نہیں ہے سب حاجتمند ہیں لہذا کون کسکی ضرورت پوری کرے

یا حاجتمند تو سبھی ہیں کسکی کسکی حاجت روائی کرے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　اب کسے رہنما کرے کوئی

دنیا میں خضر جیسا کوئی رہنما نہیں ہے مگر وہ بھی سکندر کو چشمہ الحیوان تک نہ پہونچا سکے پھر کوئی کسے رہنما کرے اور کون کسکی رہنمائی کر سکتا ہے۔ جناب رشید شاگرد مولانا امید صاحب کا شعر ہی

نکالے گا کوئی اُسکے سوا کیا لجہ غم سے　　خدا بن بیٹھنا اچھا نہیں ہے ناخدا ہو کر
سیہ بختاں قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
جناب خضر تو خود راستہ بتاتے ہیں　　جہاں میں کسکو کرے کسکو رہنما نہ کرے

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب　　کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

یعنی اگر کوئی اُمید ہو کہ گلہ کرنے سے کچھ مطلب نکل جائے گا تو گلہ ہی کرے اور جب ہر طرح اُمید ہی منقطع ہو گئی ہو تو پھر کسی کا گلہ شکوہ کرنے سے کیا نتیجہ اور فائدہ ہے۔

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے　　سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

باغ نے چونکہ سمجھ لیا ہے کہ میں ایک خفقانی ہوں لہذا وہ مجھکو ڈرا رہا ہے۔ اور اسکی ہر شاخ گل کا سایہ مجھے سانپ نظر آتا ہے۔ خفقان میں اکثر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کا شعر ذوق مرحوم کا ہے۔

؎ سایہ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے　　اژدہا بن بن کے شب آکر فلک گلشن آب میں

اگرچہ مطلب ذوق کا یہی ہے کہ میں دیوانہ ہو رہا ہوں مگر ظاہر ہے کہ جس انداز سے غالب نے کہا ہے وہ ذوق کے یہاں نہیں ہے یہی سبب ہے کہ غالب کے یہاں جو مضمون ہیں اگرچہ وہ دوسری جگہ بھی پائے جاتے ہیں مگر جیسا انداز بیان غالب کو ملا۔ وہ دوسرے کو نصیب نہیں ہوا مولانا حالی نے ایک شعر نظیری کا اس شعر کے ساتھ لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ غالب کا ذہن نظیری کے اس شعر سے ادہر منتقل ہوا ہے۔

؎ بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را　　نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر

بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ مگر ہمارے نزدیک غالب مرحوم نے مضمونکو بالکل علیحدہ کر کے کہا ہے۔

193

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

جیسے کہ تلوار کا جوہر زہراب میں بجھانے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ سبزہ یعنی جوہر تلوار کسی دوسرے سرچشمہ سے نہیں اُگتا ہے اسیطرح میری پیدائش بھی زہراب غم سے ہوئی ہے

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

کوئی مجھکو آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے اور اس کا اس لیجانے سے مطلب یہ ہے کہ وہاں میرا دل ٹوٹے اور میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشے میں محو ہوں۔ اور میرا دل ٹوٹنا اسپر منحصر ہے کہ میں حیران ہوں گا اور اس سے اور میرا دل ٹوٹے گا۔

یا میرا مدعا اب تماشائے دل شکستہ میں محو اور مصروف ہو رہا ہے گویا میرا دل ایک آئینہ تھا جسکے ٹوٹنے سے ایک آئینہ خانہ بن گیا۔

یا میرا مدعا اسمیں مصروف اور محو ہے کہ میرے دل کو جو آئینہ کی طرح حیران ہے توڑے اور یہ ظاہر ہے کہ عدم حصول مدعا سے میرا دل ضرور ٹوٹے گا۔ تو گویا اس حالت میں مدعا ہی میرا دل توڑنے کے درپے ہے اور خود بھی وہ اس آئینہ خانہ کی جو ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑوں سے بنیگا سیر کرنا چاہتا اور مجھے بھی یہ سیر دکھانی چاہتا ہے۔ اور اسطرح سے گویا وہ مجھکو آئینہ خانہ کی طرف لیجا رہا ہے۔

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک آسمان بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

عالم کا سرمایہ نالہ ہے یعنی اسمیں نالہ کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ دار المحن ہے اور عالم ایک کف خاک ہے تو گویا آسمان جس کے نیچے یہ عالم آباد ہے ایک بیضۂ قمری ہے جس کے نیچے قمری جو رنگ خاک سے مشابہ ہوتی ہے موجود ہے۔ یعنی دنیائے حقیقت اور رونے کی جگہ ہے آسمان کو بوجہ خاکستری ہونے کے قمری کہا گیا ہے اور قمری چونکہ ایک طائر نوا سنج بھی ہے اس لئے دنیائے نالہ کش سے بھی اوسکو تشبیہ دی گئی ہے۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

زندگی میں تو اُن کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مجھے محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے اب کہ اس رنج میں میں وہاں مر گیا ہوں دیکھئے وہ اٹھاتے ہیں یا نہیں اُٹھاتے۔ یا یہ کہ دیکھیں اب کیسے اُٹھا دیں گے یعنی اونکو میرے اٹھانے سے انکار اور نفرت ہوگی۔

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

میں نے مانا کہ غم دنیا بہت ہیں مگر شراب بھی تو میرے لئے بہت ہے کہ میں ساقی کوثر کا غلام ہوں شراب پی پی کر اون سب غموں کو فراموش کرتا رہوں گا۔ لہذا غموں کی زیادتی کا مجھکو کیا غم ہوا کریں میرا کیا بنا لینگے۔

تمھاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

تمھاری طرز و روش کو ہم خوب سمجھتے ہیں کہ تم کسی پر مہربان بھی ہوتے ہو تو ظلم کرنے کے لئے ہوتے ہو لہذا اگر رقیب پر مہربان ہو تو یہ کیا ستم ہے۔ یعنی اسپر بھی ظلم کرتے ہو گے۔

سہ تو دوست کسیکا بھی ستمگر نہوا تھا اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہوا تھا

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

ہم جانتے ہیں کہ غالب بڑے پایہ کا شاعر سخن فہم ہے اور اسکا خامہ اسمیں آتش افشانی کرتا ہے مگر اب اسمیں دم نہیں رہا عاجز ہو گیا ہے

روکش ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی اترائے کیوں نہ خاک سر رہگذار کی

کوکبہ وہ سوار جو بادشاہ کی اردلی میں رہیں۔ خاک سر راہ اترا رہی ہے اور اسکا اترانا اسلئے حق بجانب ہے کہ بادشاہ کے کوکبہ کی رونق ہوئی ہے۔ اس سے بادشاہ کی تعریف مقصود ہے یعنی جب بادشاہ کے اردلیوں کے روندنے سے خاک کو یہ فخر ہوتا ہے تو زہے نصیب ان کے جسپر بادشاہ مہربان ہو۔

جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہو لالہ زار کی

194

یعنی جب بادشاہ اوسکے دیکھنے کے واسطے آئے تو لازم لوگوں میں کیوں نہ مشہور ہوجاتا کہ کوئی کیوں نہ دیکھے۔

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے — کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

اگرچہ سیر گلستاں کے ہم بھوکے نہیں مگر ہوائے بہار ایسی شے ہے کہ یہ ضرور اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور اسکی طرف ضرور متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ ایسی نہیں کہ اس سے بھی استغنا کیا جائے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے — بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہزاروں خواہشیں ایسی دل میں اب بھی موجود ہیں کہ ہر خواہش کے لئے جان نکلتی ہے۔ میرے ارمان اگرچہ بہت سے نکل چکے لیکن پھر بھی بہت سے موجود ہیں۔ گویا آدمی کی خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ مرزا داغ مرحوم کا مطلع اس زمین میں بہت ہی خوب ہے فرماتے ہیں ؎

ذرا کر زور سینہ پر کہ تیر اے پرستم نکلے — جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اُسکی گردن پر — وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

میرا قاتل اس سے ڈرتا ہے کہ میرا خون اوسکی گردن پر رہیگا۔ مگر اوسکا یہ ڈر فضول اور عبث ہے کیونکہ میرا خون ایک جگہ رہتا ہی نہیں ہے۔ آنکھ سے دمبدم نکلتا ہے تو اسکی گردن پر کیا ٹھیریگا۔ غالبا یہ مضمون مصنف نے نیا کہا ہے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن — بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

آدم کا خلد سے نکلنا سنا تھا۔ مگر جیسے کہ ہم بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے نکلے ہیں ایسے وہ نہ نکلے تھے۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا — اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

تیرا قد لمبا اور سرو بالا ضرور ہے مگر یہ جبھی تک ہے جب تک تیری زلف پیچ در پیچ ہے اگر زلف کا پیچ و خم نکل جائے تو ابھی قد کی حقیقت معلوم ہو جائے یعنی تیری زلف قد سے بھی زیادہ دراز

بیخود دہلوی نے یہ مضمون نہایت اچھی صورت سے کہا ہے۔

؎ ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ — اچھو یہ فتنہ قیامت کی برابر ہوگیا

مگر لکھوائے اوسکو کوئی خط تو ہم سے لکھوائے — ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

چونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص اوس سے خط و کتابت کا مشتاق ہے اسواسطے ہم نے جو کہ اوس کا نام لکھنے کے عاشق ہیں یہ ترکیب نکالی ہے کہ صبح ہوئی اور کان پر قلم رکھکر گھر سے نکل گئے ہیں کہ اوس کو اگر کوئی خط لکھوائے تو ہمیں سے لکھوائے۔ یا خط لکھنے کے لئے نکلنے سے یہ مطلب ہے کہ دیکھیں لوگ کیا کیا لکھواتے ہیں۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی — پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے

یا جمشید کے زمانہ میں بادہ آشامی کا زور و شور ہوا تھا اور ایجاد ہوئی تھی یا آجکل اسکی ترقی اور میکشی کی گرمی بازار ہوگی فارسی میں کہتے ہیں ؎

دور من ہوس بادہ طبیعت غالب — پیمانہ بہ جمشید رسانند نسیم

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی — وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

ہم نے جس کسی سے خستگی کی داد ملنے کی توقع کی اور جنکے سامنے اسباب کا اظہار کرنا چاہا کہ ہم نے اتنے ستم سہے ہیں وہ لوگ ہم سے بھی زیادہ تیغ ستم یار کے لخت تھے۔ یا یہ کہ جس سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان نکلا۔ یعنی دنیا میں کوئی شخص دل خوش نہیں ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا — اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

عاشق کا معشوق ہی کو دیکھکر دم نکلتا اور اسی پر اسکی جان جاتی ہے اور اسیکو دیکھکر جیتا اور یہی اسکی زندگی کا سامان ہے تو گویا عشق میں مرنا اور جینا دونوں برابر ہیں یہ شعر بھی مصنف کی جدت تخیل اور طلسم الفاظ کا ایک زبردست نمونہ ہے۔ مجھے اسی مضمون کا ایک شعر اپنا یاد آتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے حافظہ نے ہمیشہ غالب کے شعر کو الہامات کی طرح رکھا ہے ممکن ہے کہ کبھی بھولکر یہ امانت متخیلہ کو دیدی ہو۔ لہذا اگر کوئی

195

سرقہ کا گمان کریں تو انکی عنایت۔ ورنہ واقعہ یہ نہیں ہے۔

ع ایسے مرنا بھی مشکل تھا ہم سے جینا بھی مشکل تھا ۔ جو تجکو دیکھ کر جیتا ہوا اور پھر بھی مرتا ہو

ع بھلا پھر ایسی وصل کیوں نہ بے گور و کفن ہستی ۔ لب جاں بخش کا کشتہ نہ زندہ تھا نہ بے جان تھا

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ ۔ پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

یہ تو کیونکر کہیں کہ جناب واعظ بھی میخانہ کا ارادہ کر کے گئے تھے کیونکہ یہ تو انکی شان سے بالکل بعید ہے۔ مگر ہاں یہ ضرور دیکھینگے کل ہم نکلے تھے کہ دروازہ پر وہ ہمکو ملے ظرافت کے ساتھ تہذیب نے عجب مزا دیا ہے مرزا داغ فرماتے ہیں ؎

جاتے تھے منہ چھپائے ہوئے میکدہ کو ہم ۔ آتے ہوئے ادھر سے کئی بار سامنے

شوخی اور ظرافت کی چاشنی داغ کا حصہ ہے اور ایک شعر لکھا ہے۔

ع میخانہ کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ ۔ سب لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت ادھر کہاں

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے ۔ بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

میں وہ بدنصیب ہوں کہ دنیا بھر کے لئے بار خاطر ہوں یہاں تک کہ اگر صدا ہو جاؤں۔ جو نہایت لطیف اور ہلکی چیز ہے تو اسکے لئے بھی بار خاطر ہوں اور وہ بھی مجھے پلٹا دیتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوہ میں صدا گونجکر وہی صدا پھر بھی پیدا ہو جاتی ہے اسکو آواز کا رد کرنا کہا گیا ہے۔ اور رد کرنے سے بار خاطر ہونے کا ثبوت ملا۔ تو آخر اے شعلہ برجستہ غم میں کیا ہو جاؤں۔ اور جیسے کہ تو بے جسم اور بے تکلف ہو رہا ہے میں کیونکر بے تکلفی کروں۔ اس شعر میں شستگی بہت ہے۔

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنج قفس ۔ از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

میرا قفس بیضہ کی مانند ہے جس میں میرے بال و پر سب غارت ہو گئے اگر میں اس کنج قفس سے نکل جاؤں تو مجھے از سر نو زندگی ملے اور یہ ظاہر ہے کہ بیضہ سے نکلنے پر نیا اور شروع ہوتا ہے۔

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے ۔ موج شراب یک مژہ خوابناک ہے

یعنی غفلت شعار کی اداسے قتائل برلشہ اور مستی تک ہلاک ہے۔ ... موج شراب ہر مژگان خواب آلودہ بنی ہوئی ہیں۔ یا دیدہ ساغر کے لئے موج شراب مژہ خوابناک لگتی ہیں۔

جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو ۔ جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

یہی نہیں ہے کہ میرا گریبان اور دامن پیراہن تیرے خیال میں چاک ہو رہا ہے۔ بلکہ مجھے سوائے گریبان پھاڑنے کے اور کوئی خیال بھی نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیرے ہاتھوں جیب خیال تک ثابت نہیں ہے نظم صاحب لکھتے ہیں کہ جیب خیال سے دل مراد ہے اور جب دل میں زخم تیغ ناز ہو تو جیب خیال چاک ہوئی پھر اسمیں آرزو کیونکر رہ سکے۔

مگر مصنف نے دل۔ اور جیب خیال دو لفظ رکھے ہیں اس صورت سے تاویل ثانی نادرست ٹھہرتی ہے۔

جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ ۔ صحرا ہماری آنکھ میں اک مشت خاک ہے

اتنا جوش جنوں مجھ میں بڑھا ہوا ہے کہ صحرا کی وسعت میری نظر میں کچھ نہیں ہے یعنی سمجھتا ہوں کہ یہ صحرائے عالم میری وحشت کے لیئے ناکافی ہے۔ اور اسی لئے وہ ایک مشت خاک دکھائی دیتا ہے یا یہ کہ جوش جنوں نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ اور صحرا ایک گرد ہے جو میری آنکھ میں پڑ گئی ہے جس سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور یہی باعث ہے کہ صحرا کی وسعت ناکافی معلوم ہوتی ہے

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی ۔ قیامت کشتۂ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہے

جنبش لب عیسیٰ کا کام یہ ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ مگر کشتگان لب معشوق کے لئے یہی جنبش گہوارہ جنبانی کرتی ہے اور گہوارہ جنبانی سے اور زیادہ نیند آتی ہے۔ یعنی اس سے ان کی موت کی نیند کی غفلت اور بڑھتی ہے قیامت بھی مردوں کو زندہ کرے گی مگر ان خفتگان خاک کی نیند ہی قیامت ہے یعنی انکی نیند ایسی قیامت کی ہے گویا قیامت نیند ہے۔ اس شعر میں مصنف نے اس محاورے سے انکی قیامت کی نیند ہے الفاظ کا ایک مستحکم طلسم بنا دیا ہے ذوق سلیم اسکی قدر دانی کرے۔ ایسے ہی کشتگان لب اس توجہ سے کہا ہے کہ لب معشوق کو بھی جاں بخش کہتے ہیں اور اس لب ہی نے انکو مارا ہے تو گویا لب جاں بخش نے انکو سلا دیا ہے۔ تو پھر زندگی کیسی

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے — نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

اس شعر کو نظم صاحب نے غلط اور بے معنی لکھا ہے حالانکہ یہ بہت صاف شعر ہے کہتا ہے کہ سیلابِ طوفانِ صدائے آب آ رہا ہے اور اس سے ڈر کر نقشِ پا نے اپنے کان میں جادہ سے انگلی رکھ لی ہے کیونکہ وہ نقشِ پا کو فنا کر دے گا اس غزل میں بہت ممکن ہے کہ مصنف بہار کے کچھ شعر نظم کر گئے ہوں اور وہ انہی میں سے ہوں اور انتخاب کے ہاتھوں اس بیکس شعر پر تنہائی کا ستم ٹوٹا ہو۔ چونکہ دوسرے شعر میں بادہ ترکیب کے ساتھ ہے لہٰذا اس شعر میں حرکت قافیہ میں اختلاف ہو گیا۔ اور یہ متقدمین کے یہاں کوئی بڑا عیب نہیں گنا گیا ہے اس صورت کے اکثر اشعار مل سکتے ہیں چنانچہ منشی کہتا ہے

شکستہ گئے یکسر آتش کدہ — کیا ژند واستا کو آتش زدہ

بلکہ متقدمین نے عند الضرورت صیغہ مستعمل سے صرف روی کو ایسے صیغے کے ساتھ بھی تبدیل کر لیا ہے جس سے قافیہ ہونے کی شائستگی پیدا ہو گئی ہے جیسے خواب کی بائے موحدہ کو بیکر واؤ کر دیا گیا ہے۔

گر خرے دیوانہ شد یکسام گاؤ — بر سرش چندان بزن کاید بخواؤ

غلط کردم دریں معنی کہ گفتم — ز بخندان نگار خویش را سیو

عجب نہیں ہے بجانے جو میر جادہ کی بیت — سنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کی ہے بیت

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے — ہمارے عندیہ میں تو ہے وہ خبث پلیت

اور خیال کیجئے تو یہ شعر اختلاف روی میں بھی آ سکتے ہیں۔ پھر بھی ایسے قوافی کے جمع کرنے سے پرہیز ضرور ہے۔ اور یہ اگر غلط نہیں تو صحیح بھی مشکل سے ہیں۔

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا — شیشہ میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

بزمِ مے کو کس کی چشمِ مست نے وحشت کدہ بنا دیا ہے کہ موجِ بادہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی نبض ہے جو اس بزم سے وحشت کھا کر شیشہ میں پوشیدہ ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ پری کے سایہ سے انسان کو وحشت ہوتی ہے شیشہ میں موج نہیں ہے یا نبضِ پری ہے جس سے بزم سراسر وحشت کدہ بنی ہوئی ہے۔ اور مے کو پری سے مشابہت بھی دی جاتی ہے۔

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا — مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

میں اپنی تمنا کی حالتیں اور اسکی گوناگونی۔ اور تلون مزاجی کا ایک تماشائی ہوں میری غرض کا حاصل یہ نہیں ہے کہ وہ پوری ہو۔ بلکہ میں نے بھی اسکو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر — مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی

میرے نامہ قسمت میں تصویر شبِ ہجراں اسطرح کھنچی ہوئی ہیں جیسے کہ کاغذ پر لکھتے وقت سیاہی گر جائے۔ اور وہ سیاہ ہو جائے اسیطرح تمام نامہ قسمت ان تصاویر سے سیاہ ہو رہا ہے۔

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے — خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

میرے دل میں نالہ کا ہجوم ہے۔ مگر میں حیران اسقدر ہوں کہ ایک فغان جگر سوز بھی مجھ سے نا ممکن ہے لہذا اس اظہار عجز کے لئے میں نے خموشی اختیار کی ہے تو وہ خموشی ایک ایسا تنکا ہے جو فریق مغلوب اپنی مغلوبیت کے ظاہر کرنے اور عاجز ہو جانے کے لئے دانتوں میں دبا لیتا ہے مگر اس تنکے کو مصنف نے ریشۂ نیستان کہا اور یہ صرف اس وجہ سے کہ میری خموشی سے فریاد و نالہ ٹپکتا ہے اور گویا لوگ اس سے سمجھینگے یا سمجھ رہے ہیں کہ اسکے دل میں آہ و نالہ کا جوش مثل نے ضرور ہے مگر یہ نالہ کہیں نکلتا۔ مولانا ابوالکمال امید فرماتے ہیں کہ۔

سہ تکلم خیز ہے ہمدم مرا انداز خاموشی — بیانِ دردِ دل منت کشِ تابِ فغاں کیوں ہو

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے مخذوف ہو کر اے ہجوم نالہ میں حیرت کی وجہ سے نالہ کشی سے مجبور ہوں میری خاموشی سے خفا نہ ہو بلکہ اسکو ریشۂ نیستان سمجھ۔ کہ اس سے میرے عجز کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ میں سراسر نالہ ہوں۔ ایک جگہ ریشۂ نے کو اسیطرح اور بھی لکھ چکے ہیں۔

سہ نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو — لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

تکلف بر طرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں — نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

اگر تکلف کو چھوڑ دیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ معشوقوں کی بے حجابی اور ناز بھی قاتل ہے اور وہ بے حجابی تیغِ تیز عریاں سے مشابہ ہے۔ مفتی امیر احمد صاحب امیر مینائی رح۔

شرم کو ان کی اللہ سلامت رکھے تو جیون نے تو مجھے مار ہی ڈالا ہوتا

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

کثرتِ غم نے مجھے سراسر غم بنا دیا ہے اور کیفیت شادی مجھ میں بے بالکل تلف کر دی ہے صبح عید بھی مجھے اپنا چاک گریباں ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ یہی میرا گریباں پھٹا ہے۔

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

اگر ساقی سے سودا کرنا ہے تو دل اور دین دیجیے اور ساغر لیجیے۔ یہاں ادھار کا کام نہیں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

غم عاشق کو آغوش بلا میں پالتا ہے ہمارا چراغ روشن قلزم صرصر میں روشن ہوتا ہے جیسے کہ مونگا دریا میں پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ ایسے ہی ہم آغوش بلا میں پرورش پاتے ہیں پرورش دینا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہے۔

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے نگاہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

مصنف نے اس تاثیر سے کہ سرمہ کھانے والے کی آواز بستہ ہو جاتی ہے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ سرمہ اور خموشی کو ایک چیز سمجھ کر کہا ہے کہ نگاہ تماشا ادائے معشوق ہیں اور کوئی سرمہ نہیں لگاتا۔ بلکہ وہ اسکے دل ہی سے سرمہ سا ہو کر نکلتی ہے اور یہ خاموشی ہی اسکو زینت دیتی یعنی اوسمیں سرمہ لگاتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تو خاموشی کی حالت میں تماشائے بزم کرتا ہے تو تیری نگاہ پیاری اور سرمہ سا معلوم ہوتی ہے۔

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچے کے پردہ میں جا نکلتی ہے

صبا غنچہ کے پردہ میں اگر چلتی پھرتی جا نکلتی ہے تو وہ اسکو بقدر کھینچتا ہے کیا آخر وہ شبنم بنجاتی ہے اور یہ کنایہ فشار تنگی خلوت اور شبنم بننا شرم فشار سے پسینہ پسینہ ہونیکی وجہ سے ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

سیف ادا کے چھپتے ہیں وہ گلے پہ پھیر کے خنجر شہیدِ ناز جلاتا کہ سمیع پاکی ہے

یعنی اے ظالم سفاک آب تیغ نگاہ کی سینہ عاشق سے کیا کیفیت پوچھتا ہے کہ اسنے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ روزن زخم کو دیکھ جس سے ہوا نکلتی ہے یعنی اسنے سینہ میں زخم ڈالدیا ہے اور زخم ایسا گہرا ہے جس سے ہوا نکلتی ہے اور جو زخم ہوا دے وہ ضرور مہلک ہے

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

جہاں نسیم اوس زلف عنبر بو کی خوشبو لیجاتی ہے وہاں کے آہو کا دماغ نافہ مشک تاتار بنا ہوا ہے۔

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا آئینہ فرشِ ششجہتِ انتظار ہے

حیرت کو شعرا آئینہ سے مشابہ ٹھہراتے ہیں اسی بنا پر مصنف کہتا ہے کہ اے خدا حیرت کس کے جلوہ کے سراغ کے درپے ہے کہ تمام دنیا کا فرش بنی ہوئی یعنی تمام دنیا میں آئینے لگا دیے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ سراغ رساں لوگ عکس لینے کے لیے آئینہ لگا دیتے ہیں۔ اور یہ دنیا جسمیں آئینہ لگے ہیں انتظار کی دنیا ہے۔ بات اتنی ہی ہے کہ اے خدا میں کسکے انتظار میں حیران ہوں۔

ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

میرے شوق کو حسب مراد جگہ نہ ملی اور اسکا ذرہ ذرہ صحرا میں پریشان ہو گیا۔ اور تصور تمام جگہ لے لیا۔ لہذا اگر یہی دام ہے تو تمام وسعت صحرا پر چھا جائے گا۔

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

دل نے آنکھ پر دعوے کیا ہے کہ اسنے حسن قاتل کو دیکھ کر میرا خون کیا ہے آج اسکے مقدمہ کی پھر روبکاری ہے۔

چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگ گل پر آب — اے عندلیب وقت وداع بہار ہے

ایران میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی گھر سے سفر کو نکلتا ہے تو آئینہ پر چند سر سبز پتے رکھکر پانی چھڑکتے ہیں اور اسکو بخیریت جلد واپس آنے کا شگون جانتے ہیں۔ چنانچہ اسی رسم دستور کو نظامی دست غیب و طغرا و صائب نظم کر کے کہتے ہیں۔

دیدہ را از گریہ اشک چو رفتی باز بزم — در قفائے سفرت آب بہ آئینہ زنند
کہ ... منزل گر است در ... آشنا — بر رخ آئینہ آب از پئے بیگانہ ریز
کیست آنکس کہ بر احوال ما ذکر ... — چشم آئینہ بدنبال مسافر گرید

لہذا مصنف کہتا ہے کہ اے عندلیب مست کی کچھ خبر ہے شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی ہے اور بہار رخصت ہو رہی ہے ایک جگہ یوں کہہ چکے ہیں۔

آغوش گل کشادہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

بیچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے — وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

چونکہ یہ معشوق کا وعدہ ہے اسکے احترام کی وجہ سے میں بیچ کر رہا ہوں۔ کہ کوئی یہ نہ کہے کہ معشوق کے وعدہ کا انتظار نہ کیا۔ خواہ وہ آئے یا نہ آئے مجھے انتظار کرنا ضروری ہے۔ آنے یا نہ آنے کے فقرے سے پتہ چلتا ہے کہ کہنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ وہ وعدہ خلاف ہے میرا شعر ہے۔

یہ مانا وعدہ خلافی کے آپ عادی ہیں — میں کیا کروں کہ مجھے انتظار رہتا ہے

پہ اور پر بمعنی مگر اور یاں۔ واں بروزن نع متروک الاستعمال ہیں۔

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر — ہر ذرہ کی نقاب میں دل بیقرار ہے

وادیٔ مجنوں یعنی دشت نجد میں بے پردہ ہو کر نہ جا۔ کہ یہاں بظاہر ذرہ ذرہ چمکتے معلوم ہوتے ہیں مگر در اصل ہر ہر ذرہ کے پردہ میں ایک ایک دل بیقرار ہے یعنی ہر ذرہ اضطراب دل مجنوں کا آئینہ دار ہے۔

اے عندلیب یک کف خس بہر آشیاں — طوفان آمد آمد فصل بہار ہے

اے عندلیب کچھ خار و خس جمع کرنا ہے تو کر لے ورنہ بجز طوفان بہار میں یہ دیکھنے کو نہ ملے گا۔ یعنی سب سر سبز ہوگا۔

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی — اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

دل کو خراب و برباد نہ کر اگر اسمیں خبر معرفت نہیں نہ سہی تو سیر کے لئے یہ کیا برا ہے کہ اس میں دنیائے آرزو موجود ہے۔

غفلت کفیل عمر و اسدؔ ضامن نشاط — اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

غفلت نے عمر بھر کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور جناب اسد فرحت و خوشی دائمی کی ضمانت فرما چکے ہیں یعنی سمجھے ہیں کہ ہمیشہ چین سے گزرے گی۔ اے مرگ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے یہ تو تیرے آنے کا وقت ہے حاصل اس کا نہایت اچھا ہے یعنی انسان اسی فکر میں رہتا ہے کہ ہمیشہ عیش و عشرت سے بسر ہوگی اور اسی میں ان کی غفلت بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے — ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

میں تجھے آئینہ کیوں نہ دوں کہ تجھے اپنے عکس کو دیکھکر حیران ہونا پڑے اور یہ لوگوں کے لئے ایک تماشا ہو جائے ورنہ بصورت دیگر تو یہ غیر ممکن ہے کہ تیرا ثانی تجھے دکھا سکوں آئینہ میں عکس دیکھکر حیران ہونا ایک عام مضمون ہے۔

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں — گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

میرا دل تیری بزم خیال ہے کیونکہ تو اور تیرے خیال ہمیں جلوہ گر ہیں اس کی زینت کے لئے چند نگاہوں کا ایک مجموعہ اور گلدستہ جسے سویدا کہتے ہیں حسرت نے لا کر رکھ دیا ہے۔ یعنی عوام جسے میرا سویدائے دل کہتے ہیں وہ چند حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ ہے۔ مصنف کے نزدیک نگاہوں کا موطن دل ہے۔ کیونکہ دل میں آرزوئے نگاہ پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ اور کہہ چکے ہیں۔ ست نگاہ در سے تیرے سرمہ سا نکلتی ہے۔ ایک جگہ ذرا بھی

ساتھ یوں کہا ہے۔

مت مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

پھونکا ہے کسنے گوش محبت میں اے خدا افسون انتظار تمنا کہیں جسے

اے خدا اس محبت کے کان میں افسون انتظار جسکا دوسرا نام تمنا ہے کسنے پھونک دیا ہے یعنی محبت کو بلا کسی کے بتلائے اور سکھائے ہوئے تمنا کرنی کیونکر آجاتی ہے۔

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہجوم درد غریبی کے عالم میں یعنی دوری وطن کے سبب سر پر ایک مٹھی خاک جسکو صحرا کہتی ہے ڈالنی چاہیے۔ یعنی بہت خاک اڑانا چاہیے۔ یعنی اتنی خاک اڑائے کہ صحرا ایک مٹھی خاک کی برابر ہو۔

ہے چشم تر میں حسرت دیدار سے یہاں وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

میری چشم تر میں حسرت دیدار نے شوق کو نہاں کر دیا ہے اور وہ شوق نکلنے کے لیے مضطرب الحال اور بیتاب ہو رہا ہے۔

اور بصورت دریا آنکھ سے نکل رہا ہے یعنی حسرت دیدار کے شوق میں رو رہا ہوں

درکار ہے شگفتن گلہائے عیش کو صبح بہار پنبہ مینا کہیں جسے

اور دنیا کے پھول صبح بہار میں کھل جاتے ہیں مگر عیش و عشرت کے پھول ہیں صبح بہار میں نہیں کھلتے بلکہ وہ پنبہ مینائی صبح یعنی شغل شراب نوشی اور بوتل سے کاگ اڑنے سے کھلتے ہیں۔ جیسے کہ یہاں سپیدی کو صبح سے تشبیہ دی ہے ایسے ہی سپیدی کو صبح بہار کے لئے ایک جگہ یوں استعمال کیا ہے

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

تھوڑا سا فرق کرکے مضمون بالکل جدا کر دیا ہے۔

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

غالب تجھے اگر واعظ برا کہتا ہے تو کہنے دے اور اسکے کہنے کا برا نہ مان کوئی دنیا میں ایسا آدمی نہیں ہے کہ جسکو ہر کوئی اچھا ہی اچھا کہے۔ میکدہ والے تیرے مداح ہیں کعبہ والے برا کہتے ہیں تو کیا غم ہے۔

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے داغ دل بیدرد نظر گاہ حیا ہے

یعنی گل لالہ میں جو شبنم ہے یہ بلا وجہ اور بے سبب نہیں ہے اسمیں خاص وجہ ہے کہ یہ شبنم نہیں ہے بلکہ گل لالہ کا عرق ندامت ہے کہ اسکو اس بات سے شرم آئی ہے کہ میرے دل میں داغ ہے اور درد نہیں ہے۔ اور دراصل پہلوئے بے دل۔ دل بیداغ داغ بیدرد جائے شرم ہے

دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار آئینہ بدست بت بد مست حنا ہے

میرا دل حیران جو آئینہ اس لئے بنا تھا کہ معشوق اسے دیکھے اور اس صورت سے وہ معشوق کا نظارہ کرے وہ حسرت دیدار میں خون ہو گیا مگر اوس تک نہ پہونچا اور کمبخت حنا اوسکے ہاتھ کی آئینہ بنی ہوئی ہے یا میرا دل جو حسرت دیدار میں خون ہو گیا تھا۔ وہ صورت آئینہ حنا بنکر اسکے دست نازک میں پہونچا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

میرا دل افسردہ ہو کر رہ گیا ہے اسلئے مجھے حسرت ہے کہ میں جل کیوں نہ گیا۔ اس نہ جلنے کی وجہ سے میرا جی اسقدر جلا ہے کہ اگر شعلہ اسکو جلاتا تو وہ اتنا نہ جلتا۔

مصنف نے اس قسم کے کئی ایک شعر کہے ہیں اور وہ سب اچھے ہیں۔ جو گذر چکے ہیں۔

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

تیری تصویر تیرے عکس میں وہ شوخی وہ دلکشی ہے کہ آئینے نے شوق میں پھول کی طرح اپنی گود کھولی ہے۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ — اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

نالہ کو مخاطب کرکے پوچھتا ہے کہ قمری سرو کی عاشق ہے اور وہ غم الفت میں جلکر خاک کی صورت ہوگئی ہے اور اسی صورت میں اوسکا پتہ ملتا ہے۔ بلبل عشق گل میں مقید ہوکر ایسی فنا ہوئی ہے کہ بس قفس رنگ ہی رہگئی ہے یعنی صرف رنگ ہے باقی اسمیں دل و جان نہیں ہے۔ اور یہ رنگ بھی اس وجہ سے ہے کہ وہ گل کی عاشق ہے اور اسکا رنگ اسکے رگ و پے میں سرایت کرچکا ہے بلبل کا اس سے نشان ملتا ہے۔ مگر اے نالہ میرے جگر سوختہ کا کیا نشان ہے میں اگر اوسکو ڈھونڈھوں تو کس صورت سے ڈھونڈھوں اور کیونکر پاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا جلا ہے کہ اسکا کسی صورت اور کسی رنگ سے سراغ نہیں مل سکتا۔ نظم صاحب نے نالہ کے ساتھ خطاب کو بے لطف کہا ہے مگر میں کیا کروں مجھے فیضی کا شعر یاد آگیا دامن دل سے فراق میں رہتی ہے۔

اے درد سینہ ام خبر کن — وا اے نالہ تراوش جگر کن

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو — معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

تیری بدخوئی نے میری آتش وحشت دل کو جو الفت و محبت میں پیدا ہوگئی تھی اُسے افسردہ کردیا کیونکہ تو معشوق ہے اور تجھ میں ناز و انداز جور و جفا وغیرہ کا حوصلہ نہیں ہے یہ میری واسطے ایک بلا ہے یعنی وہ آگ اگر بھڑکتی تو مجھے دم بھر میں جلاکر خاک کردیتی۔ مگر یہ افسردگی رہ رہ کر ستائے گی۔

مجبوری و دعویِ گرفتاریِ الفت — دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

جب مجبور ہوگئے ہیں اور کچھ نہیں ہو سکتا یعنی آزادی نصیب نہیں ہے تو ہم عوام کو دھوکا دے رہے ہیں کہ کیا کریں پچھلی محبت کو نباہ رہے ہیں۔ گویا پیمان وفا ایک پتھر تلے دبا ہوا ہاتھ ہے نکل تو سکتا نہیں ہے مجبوری سے اسکو پیمان وفا کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے تو کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ہے۔

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ — تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

تیری تیغ خوں آلود ستم کو دیکھکر پتہ چلتا ہے کہ تو نے شہیدان گذشتہ کو کس بیرحمی سے قتل کیا ہے گویا تلوار ایک آئینہ ہے جسمیں گذشتہ تصویر ظلم و ستم کی نظر آرہی ہیں۔

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب اِدھر بھی — سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

اے خورشید جہانتاب ذرا ہماری مصیبت کو بھی دیکھ اور ہمپر بھی کرم کر۔ وقت پھرنا سایہ کے لئے نہایت مناسب ہے۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اے خدا جن گناہوں کے کرنیکی مجھکو حسرت رہگئی ہے اور اسکی وجہ سے میں نے رنج اٹھایا ہے ذرا انکو بھی دیکھ تب مجھے ان گناہوں کی سزا دے۔ ایسا ہی مضمون کئی جگہ اردو فارسی میں کہا ہے

ہے آگاہ ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالبؔ — کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

اگر مخلوق تجھ سے بیگانہ ہے تو ہوا کرے خدا تو ہے ۔ع خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

تجلی کو اپنے نور کا اظہار کرنا مقصود تھا چنانچہ تیرے قد و رخ میں وہ ظاہر ہوئی اور اس سے تیری قسمت جاگی یہ شعر نعتیہ ہے۔ منظور تھی یہ شکل کے یہ معنے ہیں کہ وہ ایسی پیاری صورت میں اپنا ظہور چاہتی تھی۔

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں — پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

چونکہ وہ تیرے شہید ہیں اور ان کے کفن حالانکہ خون چکاں اور بیرونق ہیں مگر بھی کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں کہ اُنمیں کروڑوں بناؤ نظر آتے ہیں۔ اور حوریں حسرت سے اونکو دیکھ رہی ہیں۔ اگرچہ مرزا نے بھی یہ شعر بہت اچھا کہا ہے مگر عرفی نے بیمثل کہا ہے۔

حلہ ہا سوختہ اند اہل بہشت از غیرت ۔ تا شہیدان تو گلگون کفنے ساختہ اند

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

نہ آپ خود پئیں نہ کسی کو پلانے کا آپکو مجاز ۔ پھر بھلا تمہاری شراب طہور کا کیا کہنا ۔ سچ ہے

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

میرا قاتل ایسا بدمست اور غفلت شعار ہے کہ قیامت کی بھی اسے خبر نہیں ہے اور میں زندہ ہو(ا) تو مجھ سے خفا ہوتا ہے ۔

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

فصل گل آ رہی ہے کہ بلبل نغمہ سنجی میں مصروف ہو گیا ۔ ہمکو بھی یہ خبر ملی ہے مگر کیا اعتبار ہے جانوروں کی زبانی اڑتی ہوئی خبر ہے ۔ جو شاعر سچ کو خدا جانے طیور کی زبانی سے اڑتی خبر بنانا غالب ہی کا کام ہے ۔ ع بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے ۔

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

اے واعظ تو مجھ بت پرستی سے ناراض ہوتا ہے میں تیرے خلاف راستہ نہیں چل رہا ہوں بلکہ صحیح راستہ پر ہوں تو کعبہ کو پوجتا اور اسکا احترام کرتا ہے میں بتوں کا احترام کرتا ہوں سبب یہ ہے بت بھی کعبہ میں ایک وقت میں رہے تھے اب وہاں سے نکالدیئے گئے ہیں مگر پھر بھی ان کو کعبہ سے ایک طرح کی نسبت ہے ۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

یعنی کیا یہ مسئلہ اصلی تھوڑی ہی ہے کہ ہمکو بھی ویسا ہی صاف جواب ملے جیسے حضرت موسیٰ کو ملا تھا ۔ ممکن ہے کہ ہمارا نصیبہ چمک اٹھے حاصل یہ ہے کہ تلاش مقصود سے تھک کر نہ بیٹھنا چاہیئے اور دوسروں کی ناکامی سے خود مایوس نہ ہو جائے ۔

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

یعنی حد اعتدال سے گذرنا چاہیئے ع نہ جلاپن کہ چٹ کر جائیں بھوکے ۔ نہ کڑوا بن کہ جو چکھے سو تھوکے ۔

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

اگر مجھے بھی شاہ عالم پناہ اس سفر میں لے چلیں تو حج کا جو کچھ ثواب ملے میں حضور کی نذر کردوں یہ ظاہر ہے کہ جو کسی کو حج کراتا ہے اسکو حج کا ثواب ملتا ہے ۔

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

میرا دل غم کھانے میں بہت ہی کمزور ہے ۔ اگر بہت سی شراب ہوتی تو اسکو پی کر غم کے دن گذار دیتا کیونکہ وہ اندوہ ربا ہے ۔ مگر چونکہ غم زیادہ ہے شراب کم ہے یہ میرے واسطے اور بھی فزونی غم کا سبب ہے ۔ اسی مضمون کو مصنف برعکس کہہ چکے ہیں ۔

ع بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجھکو غم کیا ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے

ساقی چونکہ شراب پلا رہا ہے اسواسطے اسکے پاس ادب سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس میں سیر ہو گیا ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ساقی اگر درد تہ جام یعنی تلچھٹ بھی مجھے دیدے تو وہ میرے واسطے کافی ہے ۔

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کمان اور کمین کی تجنیس قابل داد ہے ۔ آشیانہ تھا تو بجلی کا ایک خوف تھا باغبان کی بک بک جی کا جنجال تھی صیاد کا ڈر الگ دل پر چھایا تھا ۔ مگر قفس کا گوشہ بڑا اچھا ہے جہاں صیاد کا خوف نہ تیر صیاد کا ڈر ۔

ع بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلا است
قعر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

کیا زہد کو مانوں کہ نہو گرچہ ریائی　　پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

اگر زہد ریائی بھی نہو تو بیہ بخ لگی ہوئی ہے کہ بدلہ کا فکر ہے یعنی جزا کی طمع ہی اور یہ کچھ کم برائی نہیں ہے ریا نہ سہی یہ سہی - ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھا جا چکا ہے -

ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں　　پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے

اہل خرد بھی دنیا میں بہت ہیں لہذا ان کی روش خاص نہ رہی رسم عام ہو گئی اور یہ کچھ قابل فخر نہیں ہے مزا جب تھا کہ جب کوئی روش خاص ہوتی اور اس پر ناز کرتے - اسمیں بھی مصنف نے الفاظ کا طلسم بنایا ہے جس میں یہ معانی بھی موجود ہیں کہ رسم و راہ عام کی پابندی اور روش خاص کا دعوے اور اس پر ناز سہ گرد لی انیست لعنت بروی -

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے　　آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

میں طوف حرم کو جا کر کیا کروں گا - مجھے زمزم ہی پہ چھوڑ دو اپنا خرقہ شراب آلودہ ہی آب زمزم سے پاک کر لوں یہی کافی ہی اس قسم کا بھی ایک شعر گذر چکا ہے - رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم دھوئے دھبہ جامۂ احرام کے -

ہی قہر گراب بھی نہ بنے بات کہ انکو　　انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

اگر اب بھی وصل نہو تو بڑا غضب ہے کہ انکو انکار نہیں اور مجھے اصرار ہے - یعنی خداوند کریم کا ارشاد ہی کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں - یا جب میرا بندہ مجھے ڈھونڈتا ہی تو میں قریب ہو جاتا ہوں اس حالت میں کہ میں جو یا بھی ہوں اب بھی نہ پا سکوں تو بدنصیبی ہے -

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ　　رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

اے موت ابھی عشق میں بہت سی مصیبتیں اٹھانا ہیں ابھی میں رو یا ضرور ہوں مگر میرا جگر خون ہو کر آنکھوں سے نہیں ٹپکا ہے ابھی مجھے بہت سے کام ہیں ذرا اور مہلت دے میرا شعر ہے
ٹھہر اے عمر گریزاں صبر کر اے موت تھوڑا سا　　ذرا مجھ کو جفا کر لے ہیں جس سے کچھ وفا کر لوں

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے　　شاعر تو وہ اچھا ہی پہ بدنام بہت ہے

یعنی سب جانتے ہیں سہ بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہو گا -

مدت ہوئی ہی یار کو مہماں کئے ہوئے　　جوش قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

یار مہماں ہوتا تھا تو شراب آتشیں کا دور چلتا اور جوش قدح بادہ گلرنگ سے بزم چراغاں معلوم ہوتی -

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو　　عرصہ ہوا ہی دعوت مژگاں کئے ہوئے

عرصہ سے مژگان یار کی دعوت نہیں کی ہے کیونکہ اسنے پہلی ہی مرتبہ میں دل کے ٹکڑے اڑا دئے تھے - اب اپنے دل کے ٹکڑوں کو پھر جمع کر رہا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر بھی دعوت مژگاں کروں -

آمادہ گشتہ ام مگر اشب تقاضا رہ را　　پیوند میکنم جگر پارہ پارہ را

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہی دم　　برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

اس احتیاط کے طریقہ سے پھر مجھے ایک الجھن سی ہونے لگی ہے کیونکہ مدت سے گریبان چاک نہیں کیا ہے -

پھر گرم نالہائے شرربار ہی نفس　　مدت ہوئی ہی سیر چراغاں کئے ہوئے

پھر میرا دم آتشیں گرم گرم نالے کھینچتا ہی سیر چراغاں کئے ہوئے مجھے ایک مدت ہو گئی ہے نالہ گرم کو چراغاں سے تشبیہ دی ہے -

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہی عشق　　سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

حضرت عشق پھر میرے زخم دل کا مزاج پوچھنے تشریف لیچلے مگر سطرح کہ لاکھ نمکداں ساتھ ہیں یعنی پھر میرے دل کے تکلیف دینے کا عشق نے سامان کیا ہے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل　　ساز چمن طرازی داماں کیے ہوئے

پھر میں اپنے دامن پر گل بوٹے بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے خامہ مژگاں کو خون دل میں بھگو

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب　　نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

میرے خیال اور آنکھ میں پھر رقابت پیدا ہوئی ہے آنکھ اسکو نظارہ کی صورت میں اور دل خیال کی صورت میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے　　پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پندار بمعنی غرور و خودداری یعنی میرا دل بتکدۂ غرور و خودداری کو ویران کر کے ملامت کے طواف کعبہ کے یا گلی یا حرم کے طواف کو چلا ہے۔ یعنی میں اپنی وضع کو چھوڑ کر پھر عشق کرتا ہوں جو باعث ملامت ہے۔

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب　　عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دل پھر عقل و دل جان کی دکان لیکر بیٹھا ہے اور خریدار کی تلاش ہے۔ کہ کوئی معشوق خریدار ہو تو بیچ ڈالیں۔

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال　　صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

ہر گل و لالہ پہ پھر خیال دوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس صورت سے میری نگاہ کو رشک صد گلستاں بنائے یعنی ذوق نظارہ گلستاں ہے۔ یا اثر نظارہ ہے۔

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا　　جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

معشوق کا خط پھر اس صورت سے کھولنا چاہتا ہوں کہ جان کو عنوان دلفریب کے نذر کر دوں اس شعر میں دو باتوں کی تعریف میں استغراق کیا ہے ایک یہ کہ معشوق کا نامہ اتنا دلفریب ہے دوسرے یہ کہ میرا شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے۔

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس　　زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

اس شعر میں مصنف نے تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتا ہے کہ میری ہوس نظارہ پھر اس صورت سے اسکو لب بام دیکھنا چاہتی ہے۔

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو　　سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

میری آرزو کی تمنا ہے کہ کوئی میرے روبرو اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور میرے دلکو زخمی کر رہا ہو۔

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ　　چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر میری نگاہ اسکو نشہ میں بدمست ہونے کی حالت میں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ نو بہار ناز گلستاں تاکے ہے یہ سب الفاظ مناسب ہیں۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں　　سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

یہ جی چاہتا ہے کہ کسی کے در پہ پڑے رہنے کی دربان ہمیں اجازت دے اور ہم وہاں اسکے احسان میں دبے پڑے رہیں۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن　　بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پھر دل کو اسی فرصت کی تمنا ہے کہ شب و روز پہلے کی طرح اوسکا خیال کئے بیٹھے رہیں

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے　　بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

یعنی ہمکو چھیڑو گے تو ہم رو دیں گے اور اتنا روئینگے کہ طوفاں بپا کر دینگے۔

اسی زمین میں جناب آرزو صاحب لکھنوی کے دو تین شعر مجھے یاد ہیں جو ایسے مکمل ہیں کہ انکی داد نہیں دیجا سکتی ہے۔

جوشِ جنوں میں وہ ترکِ وحشی کا کھینچنا　　بند اپنے ہاتھ سے در زنداں کیے ہوئے

وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائینگے اب تم پھروگے چاک گریباں کئے ہوئے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کیلئے رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لئے

معشوق کا ظلم و ستم میرے لئے گویا خوشی کی نوید بھی ہوئی ہے اور مجھے ظلم و ستم سے نجات ملنے کا مژدہ ہے کیونکہ آسمان کیلئے کوئی طرز ستم باقی نہ رہیگا کیو وہ سب ظلم و ستم مجھ پر ختم کردیگا اور کر رہا ہے شیفتہ مرحوم یہی مضمون کو لکھتے ہیں
سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا مجھ پر تمام ہو گیا ستم روزگار کا

اسی زمین میں ذوق مرحوم اور مومن خاں وغیرہ سبھی کی غزلیں ہیں لہذا جی چاہتا ہے کہ غالب کی شرح لکھیں تو کم از کم دوسروں کے شعر قافیہ بقافیہ اس زمین میں لکھتے جائیں جو ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

مومن دعا بلا تھی شب ہجر میری جاں کے لئے سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے
ذوق ہزار لطف ہیں جو ہر ستم میں جانکے لئے ستم شریک ہوا کون آسماں کے لئے
شیفتہ بھلا کوئے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لئے نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لئے

بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خونفشاں کیلئے

شیفتہ مرحوم یہی مضمون یوں لکھتے ہیں۔
ستم اگرچہ بنا بر ناز دلکش دوست مگر کچھ اپنی بھی آہ جگر فشاں کے لئے

مطلب مصنف کا یہ ہے کہ میں نے مانا کہ مژہ یار خون کی پیاسی ہے مگر مجھے اپنی مژگاں کا بھی تو خیال کرنا چاہیئے وہ بھی تو خونفشاں ہے اگر میں سب خون اسی کے نذر کردوں گا تو میری مژگاں خوں فشانی کیونکر کریگی۔

س نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے رہا ہے سینہ میں کیا چشم خونفشاں کے لئے
س وہ لعل ہیچ فرہاد سے کہا نہ لک بوسے کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لئے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

ہماری زندگی کا یہ مزا ہے کہ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں اگرچہ ہماری زندگی جاودانی نہیں ہے مگر لطف زندگی تو اٹھا رہے ہیں اور ایک تم ہو کہ چور بنے ہوئے ہو نہ کسی سے مل سکتے ہو نہ بات

کر سکتے ہو اے خضر یہ تمھاری کیا زندگی ہے اور اس حیات جاودانی کا کیا حاصل ہے۔

س اگر مفید نہ ہمسایہ ہو تو خانہ یاس بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لئے
خلاف وعدہ فردا کی ہم کو تاب کہاں امید یکشبہ ہے یاس جاوداں کے لئے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفت رشک بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے

رشک نے مجھکو بلا میں مبتلا کر رکھا اس غم میں مرا جاتا ہوں کہ تیرا ظلم اور تیری ادا سب کے لیے کیوں ہے اور اسکو سب کیوں دیکھ سکتے ہیں۔ یہی مضمون یوں بھی کہا ہے۔

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری
اے فلک تو نے دیا تھا غم جو کہا نیکے لئے وہ بھی حصہ کردیا سارے زمانے کے لیے

شیفتہ مرحوم اس قافیہ کو یوں لکھتے ہیں۔
نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع دعائے خیر ہی اوس آفت جہاں کے لیے

مومن مرحوم نے اس مضمون کو بہت ہی خوب لکھا ہے س
جنون عشق ازل کیوں نہ خاک اڑائیں ہم جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لئے

فلک نے دور رکھا ہے اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لئے

اے فلک تو بہانہ یہ کرتا ہے کہ دراز دستی قاتل کا امتحان منظور ہے اور اس طرح سے تو نے مجھے اوس سے دور ڈال رکھا ہے مگر گویا اسکی دراز دستی کے امتحان کے لئے ایک میں ہی رہ گیا ہوں یہ امتحان اور دوں پر کیوں نہو۔

امتحاں کے قافیہ کو مرزا نے سب سے اچھا کہا ہے اگرچہ دوسروں نے بھی کمی نہیں کی۔
وہ مول لیتے ہیں جسدم کوئی نئی تلوار لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے ہوئے ہمیں بھی دینی تھی جاں اوسکے امتحاں کے لیے
کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے
امید ہے کہ بنا لینگے امتحاں لیکر جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

میری ناکارہ اور بیکار کوشش کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طائر گرفتار قفس میں آشیان بنانے کے لئے تنکے جمع کرے یہ نہایت بلیغ شعر کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کوشش رہائی کرتے کرتے تھک جانے پر جیسے مرغ اپنے دل کے سمجھانے اور خوش کرنیکو قفس میں گھر بنائے ایسے ہی میں بھی تھک کر راضی برضا ہو گیا ہوں۔ اور اب اسی غم میں خوش ہوں اصل یہ ہے کہ یہ قافیہ غالب نے اپنے حصہ کا کر لیا ہے۔ اسکا جواب نہیں ہے۔

ذوق
صبا جو لائے خس خاک کداں کے لیے — قفس میں کیونکہ نہ تڑپے دل آشیاں کے لئے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ دام و قفس — ہے بیم برق بلا اور آشیاں کے لیے
وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا — جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

اسی طرح میں لکھنؤ میں ایک مشاعرہ ہوا تھا میں نے بھی آشیاں کے دو قافیہ کہے تھے یہاں اگرچہ لکھنے نہ چاہئیں مگر لکھتا ہوں۔

وہ کم نصیب ہوں باغ جہاں میں اے صیاد — کہ تنکے تک نہ ملے مجھکو آشیاں کے لیے
فلک زدہ ہوں شفق سے بھی ڈر رہا ہوں میں — کہ یہ بھی برق نہ ہو میرے آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

پاسباں نے مجھے سایل سمجھا تھا اور سوجہ سے دروازہ پر مجھے کھڑا ہونے دیا تھا وہ چپ ہو گیا تھا مگر میری شامت اعمال کہ میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا جس سے اسنے مجھے پہچان لیا۔ اور وہاں سے نکال دیا یہ قافیہ اگرچہ مرزا نے اپنا حصہ کر لیا ہے مگر مومن خاں نے اسکا جواب دیا ہے اور خوب جواب دیا ہے۔

س۔ ہوا اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا — وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے
او نہیں ہے ہمسے محبت عمل کی کیا خاصیت — اگر کرد تو کر دو ان کے پاسباں کے لیے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

جو کچھ مجھکو لکھنا ہے وہ غزل میں نہیں لکھ سکتا لہذا یہاں سے دوسرا پیرایہ اختیار کرنا چاہیے

یہ ضبط نامہ کی تعلیم شیفتہ بیجا ہے زبان ہمکو ملی ہے اگر بیاں کے لئے۔

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیئے

عیش و آرام میرے ممدوح تجمل حسین خاں کے لیئے ہے اور دوسروں کو بر بنائے مصلحت دیا گیا ہے کہ کہیں اُسے کسیکی نظر نہ لگجائے۔ بہت خوب شعر ہے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیئے

اے اللہ میری زبان پر یہ کس کا پیارا پیارا نام آگیا کہ میری زبان خوشی میں میرے منھ کو چومنے لگی یا اس نام کے اثر سے زبان نے منھ کے بوسے لئے۔

خاقانی مدحت کعبہ دل میں کہتا ہے

زیں نام چہ تر کنم زبا نرا — جاں بوسہ زند سر زبا نرا

نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک — بنا ہے چرخ بریں جسکے آستاں کے لیئے

وہ ملک و دولت کا مددگار اور مذہب کا حامی ہے اس لیئے اُسکی یہ عز و شان ہے کہ آسمان باوجود اس رفعت اور بلندی کے اُسکے آستانے کے لیئے بنا ہے۔

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محو آرائش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے

زمانہ اُسکے عہد میں از سر نو آراستہ ہو رہا ہے اس لئے یہ ستارے جو اب ہیں اسکے سوائے اور بھی ستارے آسماں میں بنینگے کہ اُسکی زینت بڑھے۔ اور چونکہ ممدوح کا نام تجمل حسین خاں ہے اسواسطے تجمل و آرائش از سر نو ہوگی۔

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا — صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیئے

میں نے نئے انداز میں یہ غزل لکھی ہے اور اس روش خاص کی طرف میں اپنے یاران نکتہ داں کو بھی متوجہ کرتا ہوں تاکہ اسے اختیار کریں۔

قصائد

ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار   سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

باغ کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالۂ بیداغ کا سایہ سویدائے دل بہار بنا ہوا ہے۔ بیداغ سے مراد یہ ہے کہ بہار کا وہ جوش ہو کہ لالہ میں بھی داغ نہیں ہے کیونکہ داغ میں تر سوختگی ہے

مستیٔ بادِ صبا سے ہے بعرضِ سبزہ   ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

اسقدر مست ہے کہ وہ سبزہ بالائے کوہ کو بھی شیشۂ مے کے ریزے ظاہر کرتی ہے شیشۂ مے کی کرچوں کو بوجہ سبزی کے سبزہ سے مشابہت دی ہے۔ تیغ کوہ پہاڑ کی بلندی اور چوٹی کو کہتے ہیں دوسرے معنے یہ ہیں کہ بادِ صبا کی مستی سے سبزہ ظاہر ہوا ہے اور وہی سبزہ شیشۂ مے سے مشابہ ہے اس لئے کہ صبا نے اوسکو ظاہر کیا ہے اور یہ اسکی مستی ہی کا اثر ہے کہ وہ ریزۂ شیشۂ مے معلوم ہوتا ہے یہی ریزہ بوجہ اپنی تیزی کے تیغ کسار کا جوہر بن گیا ہے یعنی جیسے جوہر تیغ کے لئے باعث عمدگی ہے ایسے ہی سبزہ پہاڑ کی چوٹی کے لئے۔

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ   تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

بہار کے اثر سے داغ سیاہ پلنگ سبز ہو گئے   اور ریشۂ نارنج کی طرح شرار سرخ ہیں

مستیٔ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت   کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

ابر ایسا مست ہو رہا ہے کہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور گویا دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے میری حسرت کو افسوس آتا ہے کہ ایک یہ ہے جسنے دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے بوجہ طرب انگیزی ابر کے حسرت کے ساتھ گلچینی اور طرب کا ذکر کیا ہے۔ اور ایک میں ہوں۔ یا اس لئے کہ دونوں عالم کے فشار کے ساتھ میرے غم کا فشار ہونا بھی ممکن ہے۔

کوہ و صحرا ہمہ معموریٔ شوقِ بلبل   راہِ خوابیدہ ہوئے خندۂ گل سے بیدار

تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے شوق سے آباد ہے۔ جو لوگ راہ میں سو گئے تھے وہ خندۂ گل سے بیدار ہو گئے ہیں یا یہ کہ سوئی ہوئی راہ۔ یعنی ویران راستے خندۂ گل سے جاگ اٹھے یعنی آباد معلوم ہوتے ہیں۔

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم   سرنوشتِ دو جہاں ابر بیک سطرِ غبار

ہوا کے فیض نے ایک سطر کو جو بخط غبار لکھی ہے دونوں جہاں ابر کی یعنی بہت ابر کی تاثیر بخشدی ہے جیسے کہ مژگاں خاک آلودہ یتیم ایک سطر غبار آلودہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ آنسو ٹپکتے ہیں اسطرح اب سطر غبار کو جو غالباً ابر کے چھوٹے ٹکڑے سے مراد ہے دو جہاں کی خاصیت سونپ دی ہے یا یہ کہ ہوا اتنی مرطوب ہے کہ غبار جسکا مزاج خشک ہے اوسکو بھی مرطوب بنا دیا ہے یعنی اتنا سا ذرا سا غبار نظر آنا بھی سامان بارش ہے۔

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال   قوتِ نامیہ اُسکو بھی نہ چھوڑے بیکار

قوت نامیہ وہ قوت جو سبزہ وغیرہ کو بڑھاتی اور بالیدگی بخشتی ہے اوسکا یہ زور ہے کہ ایک ناخن تراش کر پھینک دیجیے تو اُس کو بھی ہلال سے بدر بنا دے گی۔

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز   دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

ایک مٹھی خاک جو اڑتی ہے وہ قمری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوا نے ہر شے میں جان ڈالدی ہے اور کسی شے کا اڑنا دلیل جاندار ہونے کی ہے۔ قمری کی تشبیہ کف خاک سے دیتے ہیں اسواسطے کف خاک پرندہ کو قمری کہا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں کہتا ہے کہ اگر کاغذ کو جلا دیجئے تو اس میں جو نقطہ پڑتے ہیں پس سے دام کی تصویر بنجاتی ہے جسمیں سیکڑوں طاؤس نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں تمثیلیں بھی مثل ہیں یعنے بوجہ رنگ کے قمری کو کف خاکستر اور بوجہ مشابہ ہونے کے کاغذ آتش زدہ کو دام طاؤس کہا ہے

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی   بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

اگر تو چاہے کہ میکدہ میں پھول بھی چنے تو ایک شراب کا پیالہ طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا

یا یہ کہ قوت نامیہ ہمیں پیالہ کے ہمراہ میں پیالے بنادے گی۔ اور میکدہ نبجائے گا۔ تو اس صورت میں تو شراب خانہ میں بھٹک کر بھول بھی چمن سکے گا۔

موج گل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچۂ باغ — گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

اگر تو اپنی پگڑی گوشہ میخانہ میں بھول جائے تو ہوا اسکو بصورت موج گل بنا دے گی اور سوچ سے پھر تجھکو وہ گوشہ میخانہ میں نہ ڈھونڈھنا چاہیئے بلکہ باغ میں خلوت خانہ غنچہ میں وہ تجھکو بصورت موج گل ملے گی۔ ایک نازک تشبیہ اسمیں یہ ہے کہ پگڑی جب تک بندھی ہے بصورت غنچہ ہے اور جب کھل کر گر گئی تو گویا وہ گل ہو گئی۔

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر — سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

یہ جوش بہار ہے کہ اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کرے تو سبزہ نوخیز کی طرح خط پرکار سبز ہو جائے۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ — طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

چونکہ پہاڑ سے لعل بھی پیدا ہوتا ہے اور سبزہ بھی وہاں ہے تو گویا یہ دونوں ملکر طوطی مدحت سرائے شاہ ہو گیا ہے۔ سبزہ طوطی۔ لعل منقار طوطی۔

وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیر سرا — چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

اوس طوطی کا ارادہ اس بادشاہ کی مدحت سرائی کا ہے جسکی تعمیر قصر کے لیے اینٹیں قالب چشم جبریل سے بنی ہیں۔

فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور — رشتۂ فیض ازل ساز طناب معمار

فلک العرش اوسکی تعمیر قصر کے لیئے ایک خم ہے جسمیں مزدور پانی بھر کر لاتے ہیں سلسلۂ فیض ازلی بصورت اس رشتہ کے ہے کہ جس سے معمار اندازہ کجی و راستی دیوار کا کرتے ہیں۔

سبزہ نہ چمن و یک خط پشت لب بام — رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

ہفت آسمان کا سبزہ اور ایک خط پشت لب بام قصر ممدوح اور سو عارفوں کی ہمت بلند اور ایک اوج حصار موصوف برابر ہیں۔ واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے لیئے ہے نظم صاحب نے لکھا ہے کہ اردو میں یہ واؤ مستعمل نہیں ہے مگر کوئی پوچھے کہ یہ شعر ہی اردو کا کہاں ہے مصنف کا کمال بیان اور قادر الکلامی ہے کہ فارسی کا شعر اردو سے جدا نہیں معلوم ہوتا۔ سبزہ نہ چمن سے سبزہ کی کثرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پر کاہ — وہ رہے مروحۂ بال پری سے بیزار

اگر وہاں سے کسی کو ایک مٹھی خار و خاشاک ملجائے تو پھر اسکو بازوئے پری کے پنکھوں سے نفرت ہو جائے گی۔

خاک صحرائے نجف جوہر سیر عرفا — چشم نقش قدم آئینۂ بخت بیدار

صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے۔ جوہر وہ جس سے دوسری شے قائم ہو اور اسکی خاک بذات خود قائم ہو۔ یعنی عارفان کامل کی سیر کا باعث اگر ہے تو خاک نجف ہے یعنی اسکی وجہ سے انہیں سیر کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سیر میں جو نقش قدم اوس خاک پر پڑتے ہیں وہ گویا آئینہ ہیں جسمیں بخت بیدار کی تصویر نظر آتی ہے

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے کہ اگر عکس اسکے وہاں کی خاک کا ہر ذرہ خورشید کے لئے آئینۂ ناز ہے اور وہاں کی گرد امید کے لئے جامۂ احرام ہے جس سے کعبہ بہار کا طواف کریگی۔ دوسرے مصرعہ میں غلو ہے خاک کی پاکی میں کہ وہاں کی خاک جسم امید پر باعث شرف و مقبولیت و سبب قرب بارگاہ ہے

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز — عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

ارباب پیدائش عالم وہاں سے فخر مستی ناز حاصل کرنا چاہتی ہے وہاں کی ہر موج غبار ایک

انگڑائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انگڑائی شرابی کو نشہ کے اتار کے وقت آیا کرتی ہے گویا ہر موج غبار انگڑائی لیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شراب کی مستی ناز سے حاصل کرے یعنی اس جگہ کی پیدائش کا بھر نمار فخر کرے کہ مجھی سے یہ سرزمین مبارک بخت پیدا ہوئی

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار — دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار

اے کاشانہ بہار کی شمع نورانی تیرا فیض سب کو پہونچا ہے دل پروانہ میں چراغاں کی اور بلبل کے پر میں گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے یعنی تیرے سبب سے سب کی مراد حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیرا فیض سب کو پہونچا ہے دل پروانہ میں تیری محبت کے سوز و گداز سے جو داغ پڑے وہ چراغان کا عالم پیش نظر کرتے ہیں اور وہی پرواز کا مقصود ہے اور پر بلبل پر تیری محبت کے نقش نے گلزار بنا دیا ہے اور وہ اسکا عین مطلوب ہے۔ مگر ان رعایتوں کے باوجود معنی اول زیادہ صاف ہیں۔

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوہ کے تیرے بہوائے دیدار

آئینہ خانہ تیرے جلوے کے شوق میں پرواز کرتا ہے آئینہ خانہ کی مور سے تشبیہ نہایت عمدہ ہے مگر پرواز طاؤس پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا۔ فیضی نے اپنی مثنوی نلدمن کا حمد کا پہلا شعر یہ لکھا تھا

اے در تگ و پوئے تو ز آغاز — طاؤس نظر بلند پرواز

فخر کے ساتھ دربار میں سنایا۔ تو پہلے مصرعہ کو سنکر عرفی نے کہا۔ کہ خوش گفتی مگر دوسرے مصرعہ پر عرفی نے ناک بھوں سمیٹ کر کہا کہ فیضی طاؤس را چہ پرواز ازیں بام تا ایں بام۔ بگو عنقائے نظر الخ۔

انصاف پسند فیضی علامہ تھا چاہتا تو تاویل کرتا مگر مصرعہ کو بدل دینا ہی انسب سمجھا

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلک اختر میں مہ نو مژہ گوہر بار

تیری اولاد کے غم میں ہلال ایک مژہ اشکبار ہے یعنی جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی

ہیں اختر کو مژہ اشکبار اور اختر کو گوہر قرار دیا ہے۔

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استظہار

ترا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت ہے تیرے ہی حوصلہ سے عبادت کو قوت پہونچتی ہے۔

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبی — جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

تیری مدح سرائی کرنا عین رسول مقبول کی مدح سرائی ہے۔ تیرا جام محبت جو پیتا ہے وہ بادۂ اسرار سے سرشار ہو جاتا ہے۔

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر — یک طرف نازش مژگاں و دگر سو غم خار

دست دعا آئینہ ہے جسکا جوہر تاثیر ہے۔ وہ ایک طرف مژگاں اشک فشاں کے لیے مایۂ ناز ہے تو دوسری طرف حسرت دل کے واسطے خار غم ہے کیونکہ۔ دعا کرتے وقت مژگاں سے آنسو نکلتے ہیں جن سے دعا مقبول ہوتی ہے اس سبب سے تو وہ جوہر آئینۂ دست دعا یعنی تاثیر فخر مژگاں ہے دوسری طرف چونکہ حسرت دل میں تاثیر کی وجہ سے مٹی جاتی ہے اوسکے لئے خار غم ہے یا یہ وہ جوہر آئینہ دونوں چیزوں کا سبب ہے کہ ایک طرف اس سے مژگاں کو ناز ہے دوسری طرف وہ کانٹا بنی ہوئی ہے یعنی کانٹے سے مشابہ ہے۔

یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ سب جگہ آئینہ میں جوہر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے دست دعا کا جوہر آئینہ ہے اور آئینہ سے مراد تاثیر ہے آئینہ سے تاثیر کی تشبیہ اس لئے دی ہے کہ آئینہ بھی حسن و قبح ناظر کو ظاہر کرتا ہے اور تاثیر بھی نتیجہ دعا کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لئے گویا یہ آئینہ تاثیر ہے جس نے نتیجہ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مژگاں کو فخر ہے اور دوسری طرف غم خار ہے یعنی دست دعا کا جوہر آئینہ۔ اور آئینہ تاثیر تو گویا تاثیر جوہر ہے اور اسی جوہر کے دو اثر ہیں ایک طرف نازش مژگاں اور دوسری طرف خار دل غم اس صورت میں جوہر دست دعا آئینہ کے انوکھی ترکیب ہونے کا اعتراض بھی اوٹھ گیا جو نظم صاحب نے اپنی شرح میں عائد کیا ہے

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ — خاک در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

جو انکھ تیرے خاک در کی تابع فرمان نہو خدا کرے کہ وہ اقبال نگاہ کے لئے عزاخانہ بنجائے اور پتلی جو سیاہ پوش اور ماتمی لباس پہنے ہوے ہے اوس گھر کی عزادار ہو یعنی وہ ہمیشہ اقبال کا سوگ کیا کرے اور کبھی اوسکو کامرانی کا منھ دیکھنا نصیب نہو۔

دشمن آل نبی کو بہ طرب خانۂ دہر
عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار

دشمن آل نبی کو خدا کرے کہ دنیا کے طرب خانہ میں ہر طاق دیوار طرب خانہ منبع سیلاب طوفان حوادث ہو جائے۔ یہ شعر بھی دعائیہ ہے۔

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

اے اسدؔ آنکھ سے لیکر دل تک میں ایک پرتو شوق بنا ہوا ہوں اور اسیوجہ اور اسی فیض سے میرا خط ساغر شوق شراب معنی سے لبالب ہے۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہوتا خودبیں

اس شعر میں کئی معانی پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا کا قیام محض یکتائی معشوق ہی سے ہے اگر حسن سوائے اپنے دوسرے کو دیکھنا پسند کرتا تو دنیا رہ نجاتی۔ یعنی اگر تجلی انوار دنیا پر پڑتی تو یہ جلکر خاک ہو جاتی اور اسکا کہیں وجود نہ رہتا۔

دوسرے اگر حسن یکتائی کو پسند نہ کرتا یکتا نہوتا۔ یعنی ذات باریتعالی واحد و لاشریک نہوتی تو آسمانوں اور زمینوں میں فساد ہو جاتا۔ اور یہ سبب بربادی کائنات تھا (لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا) تیسرے یہ کہ تکوین کائنات محض تماشائے خود بینی کے لئے ہیں یعنی حسن طرح طرح سے اپنے جلوہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔

یا یہ کہ حسن نے اپنے جلوۂ یکتائی ہی سے کام رکھا ورنہ اگر ایسا نہوتا تو نہ معلوم ہم کہاں اور کس صورت کس حال میں ہوتے اشارہ مذہب صوفیا رقایل ہمہ از دست و ہمہ اوست کی طرف۔

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہم تماشائے دہر میں مصروف ضرور ہیں مگر نہایت بیدلی سے کہ جس سے نہ کوئی عبرت

حاصل کرتے ہیں نہ کوئی ذوق۔ ہماری تمنا بالکل بیکس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوتی ہے نہ دین حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم تماشائے نیرنگئ عالم سے عبرت حاصل کریں تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف پیدا ہو تو دنیا کا مزا ہے مگر یہاں تو بیدلی کے ساتھ تماشا ہے جس سے کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی۔

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکیں

یعنی خیالات ہستی و عدم اور جنون و وقار میں فرق کرنا یہ سب لغو ہے سوائے وحدت وجود کے خیال کے ساری باتیں بیکار ہیں زیر و بم اور ہستی و عدم میں لف و نشر ہے زیر سے عدم اور بم سے ہستی کو مشابہ کیا ہے یعنی اور اشیا کا خیال و ذکر فضول ہے بس۔

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسیں

آجکل نقش معنی سے یعنی اوسکی دعویداری سے اپنی ظاہرداری کی آراستگی اور ذکر حق سے ذوق تحسین کا کام لیا جاتا ہے باقی کچھ نہیں۔

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

دانشمندی کا ادعا او شیخی بالکل فضول ہے اس سے گویا دین کی طرف سے غفلت کرنا ہے اور عبادت بامید نفع بالکل فضول ہے دین تو دین دنیا کو بھی اسکے ہاتھوں غارت کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ یہ دونوں امور حق پرستی و حق شناسی سے غافل کرنے والے ہیں۔

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکیں

باد بدست بیہودہ بیہودگی۔ یعنی جیسے مضمون وفا بیہودہ اور فضول ہے اسی طرح تسلیم و رضا بیکار ہے یا اسکا نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہے۔ تمکین مثل نقش قدم کے خاک بسر اور پریشان ہے۔ مطلب یہ کہ تسلیم و رضا کا کوئی نتیجہ۔ نہ تمکین سے کوئی فائدہ۔

عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس　　وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

عشق کا نتیجہ یہ ہے کہ شیرازہ حواس درہم و برہم ہو جائے۔ اور وصل حسن یقین کے آئینہ پر زنگ پیدا کرتا ہے یعنی وصل سے جُدائی ثابت ہوتی ہے اور اس یقین کے آئینہ پر کہ ہم وہی ہیں زنگ لگتا ہے لہذا دونوں بیسود۔

کوہکن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب　　بیستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

فرہاد عاشق کیا ہے اپنے رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور ہے اور بے ستوں کیا ہے شیریں کے خواب گراں کا آئینہ ہے جس سے فرہاد حیران و پریشان اور جاں بلب ہے یعنی عاشق اس مصیبت میں ہے اور اُسے خبر نہیں یہی مضمون غزل میں کہہ چکے ہیں۔

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز　　کس نے دیکھا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

آجکل کے جو اہل وفا ہیں اُن میں آتش خیزی نہیں ہے اور اسی لئے بے اثر و بیکار ہیں ایک جگہ کہتے ہیں۔

؎ وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم　　اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

یعنی نہ نالوں میں دردانگیزی اور آتش خیزی نہ فریاد میں اثر ریزی ہر شے بدل گئی ہے

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن　　نہ سر و برگِ ستایش نہ دماغِ نفریں

لوگ جو کچھ زمزمہ سرائی کرتے ہیں اُنہیں سن لیتا ہوں مگر اسکی پروا نہیں ہے نہ ستایش کی تمنا اور نہ نفریں کا دماغ۔

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ　　یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

معاذ اللہ میں بھی کتنا بیہودہ گو ہوں۔ آداب وقار و تمکیں سے سراسر خارج ہوں۔ یہی اس قصیدہ کا مخلص و گریز ہے۔

نقش لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر　　یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

اے قلم تو وسوسات سے نزدیک ہے اور جو کچھ ابتک لکھا وہ سب بیہودہ بکا لہذا اب یا علی لکھ کہ ہذیاں سرائی اور وسواس شیطانی سے نجات پائے۔

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل　　قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

فیض خدا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مظہر ہیں اور رسول خاتم النبیین کے پیارے ہیں آل نبی کے قبلہ و کعبہ یقین کے موجد ہیں۔

ہو وہ سرمایۂ ایجاد اگر گرمِ خرام　　ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

اگر وہ سرمایہ ایجاد چلیں اور گرم رفتار ہوں تو ہر کف خاک اُس زمین کی جس پر پائوں کے نقش پڑیں تصویر ربع مسکوں بنجائے۔ کیونکہ وہ سرمایہ ایجاد اور باعث ایجاد عالم ہیں۔

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اسکا جس جا　　وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی زمیں

جس جگہ اُن کا نقش قدم پڑے اُسی زمین ننگ و ناموس عالم کی زمین ہے یعنی سبب عز و افتخار کونین وہی زمین ہے۔

نسبتِ نام سے اسکے ہے یہ رتبہ کہ رہے　　ابدا پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

یہ اوسکے نام کا شرف ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اُٹھانے کے لئے آسمان کی پشت جھکی رہتی ہے نسبت نام اس وجہ سے کہا کہ حضرت علی کی کنیت ابوتراب ہے اور تراب مٹی کو کہتے ہیں۔ نظم صاحب نے اس شعر پر بھی المعنی فی بطن الشاعر کا الزام لگایا ہے اور یہ اسوجہ سے کہ ابوتراب کا لفظ شعر میں نہیں ہے۔ مگر جب ذہن فوراً اس لفظ کی طرف بسبب نسبت نام کے فقرہ کے منتقل ہوتا ہے تو یہ الزام بیجا ہے۔

فیضِ خلق اسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا　　بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

یہ اُسی کے خلق کا فیض گل کو پہونچا ہے کہ وہ خوشبودار ہے۔ اور باد صبا کو بھی وہ فیض پہونچاتا ہے۔

بُرّشِ تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا   قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

چونکہ اس کی تلوار کی کاٹ کا ذکر ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سر رشتہ ایجاد منقطع ہو جائے

کفر سوز اسکا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے   رنگ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

اُس کا جلوہ وہ کفر سوز ہے جس سے بتخانۂ چین کی رونق عاشق کے رنگ کی طرح اُڑ جائے یہ رنگ شکستن کا ترجمہ ہے۔

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا   وصیِ ختمِ رُسُل تو ہے بہ فتوائے یقیں

اے تو میری جان پناہ اے میرے دل و جان اے فیض رساں اے بادشاہ تو رسول مقبول کا یقینی وصی ہے مصنف اپنے جوش عقیدت میں اپنے مذہب کے موافق یہ لکھ گئے ہیں ورنہ یہی وہ مسئلہ ہے جس نے دنیائے اسلام میں دو گروہ سنی و شیعہ بنا دئے۔ حالانکہ آج حضرت علی ہیں۔ نہ حضرت عمر رض اور یہ سب جھگڑا اور اسکا اعادہ فضول سے کم نہیں ہے۔

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر   نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

تو راکب دوش پیمبر ہے اور تیرا نام نامی عرش اعظم پر نقش ہے۔

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب   شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

جیسے شعلہ شمع ہی شمع کی زینت کر سکتا ہے ایسے ہی تیری تعریف خدا کے سوائے کوئی نہیں کر سکتا۔

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ   رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں

انسانوں کو جو جان دل اور دین ملے ہیں تو گویا یہ خدا نے تیرے سنگ آستاں پر نثار

کرنے کا سامان کر دیا ہے۔

تیری مدحت کے لئے ہیں دل و جاں کام و زباں   تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

دل و جان کام و زبان سب تیری تعریف کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ لوح و قلم ہاتھ اور جبین کی طرح تیری سلام کرنے کے لیے بنے ہیں لوح کو جبیں۔ اور قلم کو ہاتھ سے بلحاظ محل مثل تشبیہ ہے۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا   کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں

ایسا کوئی نہیں ہے جو ممدوح خدا کی مداحی کرے اور ایسا کوئی نہیں جو فردوس کو جو خود آراستہ ہے اور زیادہ رونق دے سکے۔

جنسِ بازارِ معاصی اسد اللہ اسد   کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں

میں بازار معاصی کی ایک جنس ہوں اور مجھے کوئی سوائے تیرے قبول نہیں کر سکتا اور میں قطعاً ناکارہ ہوں۔

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب   ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں

چونکہ اسد اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تو کریم ہے اسواسطے اپنے مطالب کے عرض کرنے میں وہ نہایت شوخ اور بے باک ہے۔ اور گستاخی سے اپنی تمناؤں کے پورے ہونیکا متمنی ہے۔

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول   کہ اجابت کہے ہر لفظ پہ سو بار آمیں

تو میری دعا کو ایسا حسن قبول کا رتبہ عطا کر کہ میں دعا مانگوں اور قبول ہر بار آمیں کہے

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز   کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

غم حضرت شبیر یہاں تک میرے سینہ میں بھر جائے کہ ہر وقت ان سے خون ٹپکے گویا دل و جگر ساغر لبریز ہوں اور آنکھوں کی راہ سے چھلکتے رہیں۔

طبع کو الفتِ دُلدل میں یہ سرگرمئ شوق — کہ جہانتک چلے اوس سے قدم اور مجھ سے زبیں

میری طبیعت کو دلدل کی محبت میں یہ سرگرمی ہو کہ وہ جہانتک چلے میں وہاں تک سجدہ کروں

دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا — نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیں

میرے دل میں نسب الفت بھرا رہے اور میرا سینہ توحید کا میدان ہو یعنی اسمیں توحید کی توحید ہو میری نگاہ مئے جلوۂ خیالی سے سرشار رہے اور میرے نفس میں صدق و صفا رہے پہلے مصرع کی دونوں ترکیبوں کو نظم صاحب نے مہمل لکھدیا ہے لیکن نہیں لکھا کہ کیوں؟ لہذا کیا لکھیں

صرفِ اعدا اثرِ شعلہ و دودِ دوزخ — وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوس بریں

دشمنوں کے لیے دود دوزخ صرف ہوا اور دوستوں کو بہشت وقف ہو۔ دوزخ کے دہوئیں کے مقابلہ میں سنبل لایا گیا ہے اور یہ مشابہت نہایت خوب ہے۔

ہاں مہِ نو سنیں تو اسکا نام — جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

اے ماہ نو ذرا اسکا نام ہمیں بھی تو بتا جسکو تو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے یہ ہلال عید سے مراد ہے۔

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح — یہی انداز اور یہی اندام

چھبیسویں تاریخ رمضان کو روزہ دار چاند کو ڈھونڈتے ہیں اگر چھبیس کو دکھائی دیا تو خیال ہوتا ہے کہ انتیس کا چاند ہوگا۔ پھر ستائیسویں کو بھی دیکھتے ہیں اگر تو یقین کیا جاتا ہے کہ ۳۰ تاریخ کو ہوگا۔ یعنی تو دو دن اسی صورت سے دکھائی دیا ہے۔

بارے دو دن کہاں رہا غائب — بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

دو دن تو تو دکھائی دیا مگر دو روز کہاں غائب رہا مگر ٹھیک ہے تیری خطا نہیں تو گردش

کا بندہ ہے اور اس سے عاجز و مجبور ہے۔

مجھے دو تین دوسرے شعرا کی بھی وہ تمثیلیں یاد آئیں جو انھوں نے چاند کے لئے لکھی ہیں مناسب موقع لکھتا ہوں۔

خسرو دہلوی: ع بہ بیں اندر رکوع آں پارہ نور — ہلالش گوئے خواہی خواہ ذوالنوں

سلمان ساوجی: ع زورق زریں کہ در گرداب ایں دریا نیں — غرق شد چوب ازاں بر روئے دریا دیدہ آند

نظام استرآبادی: ع بچشم اہل خرد زورقی پر از نیل است — درآب غرق شود زرد و زورق پر بار

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا — آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

تو گردش ایام کا بندہ اور اس سے مجبور ہے آسماں نے تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس سے تو باہر نہ آسکا۔

مرحبا اے سرورِ خاص خواص — حبذا اے نشاطِ عام عوام

اے باعث سرور خاص و عام مرحبا مرحبا۔

عذر میں تین دن نہ آنے کے — لیکے آیا ہے عید کا پیغام

آنے کے دن کو بھی شامل کر لیا ہے ہے۔ یعنی اس تین دن کے نہ آنیکا بدل تو نے اس صورت سے کیا ہے کہ آیا تو عید کا پیغام لیکر آیا۔

اوسکو بھولا نہ چاہیے کہنا — صبح جو جائے اور آئے شام

یہ ایک محاورہ ہے اور اسے اس موقع پر کہ تو صبح کو غائب ہوا شام کے وقت آ نکلا مصنف نے ایسی اچھی طرح نظم کیا ہے کہ یہی شعر سو قصیدوں کا لطف رکھتا ہے۔

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا — ترا آغاز اور ترا انجام

ایک میں کیا ہوں سب تیرے انجام اور آغاز کو سمجھ چکے ہیں کہ ہلال بلکہ کے معنے میں ہے یعنی تو گھٹ کر فنا ہو گیا تھا اور اب پھر آب و تاب کے ساتھ نکلا ہے۔

راز دل مجھسے کیوں چھپاتا ہے — مجھکو سمجھا ہی کیا کہیں نمّام

تو اپنے دل کا بھید شاید مجھے اس لئے نہیں بتاتا ہے کہ مجھے تو نے غالباً چغل خور سمجھا ہے

جانتا ہوں کہ آج دنیا میں — ایک ہی ہے اُمید گاہ عوام

یہ مجھے معلوم ہے کہ دنیا میں آج ایک ہی جگہ ہے جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں۔

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش — غالب اوسکا مگر نہیں ہے غلام

میں جانتا اور مانتا ہوں کہ تو اُس در کا حلقہ بگوش غلام ہے مگر کیا غالب اوسکا غلام نہیں ہے۔ حلقہ بگوش غلام ہلال کے لئے ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو — تب کہا ہے بطرز استفہام

یعنی میں نے جو یہ کہا ہے کہ غالب اوس کا مگر نہیں ہے غلام یہ استفہام اقراری واستخباری ہے تو یہ اسوجہ سے میں نے کہا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تو یہ جانتا ہے کہ میں بھی اوسیکا غلام ہوں۔

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ — قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

اگرچہ آفتاب تاباں کو اس در کی شرف ملازمت کا روز فخر حاصل ہوتا ہے۔

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا — جز بہ تقریب عید ماہ صیام

مگر تجھے روشناسی اور باریابی کا یہی ایک عید الفطر پر موقع ملتا ہے۔

جانتا ہوں کہ اُسکے فیض سے تو — پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام

مجھے یہ معلوم ہے کہ تو اُسکے فیض سے اب پھر بدر بنے گا۔

ماہ بن ماہتاب بن میں کون — مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

اچھا جو چاہے بن ہمیں کیا ہم کون ہیں کوئی تو اپنا انعام ہمیں تھوڑا ہی دیدے گا یہ شعر بھی زبان کا بہترین نمونہ ہے۔

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے — اور کے لین دین سے کیا کام

میرا معاملہ اور ہے مجھے دوسروں کے انعام کی کیا پروا ہے کوئی محروم تھوڑی ہوں کہ پرواہ کروں۔

ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص — گر تجھے ہے امید رحمت عام

تو رحمت اور کرم عام پر پھولا ہوا ہے مگر مجھے بھی ایسی بخشش کی امید اور آرزو ہے جو خاص میرے لئے ہے اور ایسا فیض تو جیسا تجھے پہونچے گا ہزاروں کو پہونچتا ہے۔

جو کہ بخشے گا تجھکو فرّ فروغ — کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام

جو تجھے چاندنی کے لائق کرے گا وہ مجھے اُس چاندنی کا لطف اٹھانے کے لئے شراب نہ دیگا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

جب کہ چودہ منازل فلکی — کر چکی قطع تیری تیزی گام

جب تو چودہ منزلیں طے کر چکے یعنی چودھویں کا چاند بنجائے۔ اور۔

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر — کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام

اور تیری چاندنی ہر گلی کوچہ اور درودیوار صحن و بام پر پھیل جائے۔

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز — اپنی صورت کا اک بلوریں جام

پھر میرے ہاتھ میں ایک ساغر بلوریں شراب سے بھرا ہوا دیکھنا۔

پھر غزل کی روش پہ چل نکلا   توسن طبع چاہتا تھا لگام

میرے توسن طبع کے لئے ذکر شراب وجام ایک چابک بن گیا اور پھر غزل کے راستہ پر چل دیا۔

زہر غم کر چکا تھا میرا کام   تجھکو کس نے کہا کہ ہو بدنام

یعنی میں آپ ہی مر رہا تھا معشوق نے کیوں مجھے مارا اور ناحق بدنام ہوا۔

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں   غم سے جب ہو گئی ہے زیست حرام

ہماری زندگی ہی جب غم نے حرام کر دی ہے تو پھر اب شراب پینے میں کیا حرج ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے۔ سو یہاں زندگی حرام ہے۔
یا یہ کہ شراب کیونکر نہ پیوں اوس سے کم از کم غم تراشی تو ہوتی ہے۔

بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے   کہ نہ سمجھیں وہ لذت دشنام

بوسے سے میں درگذرا صرف یہ چاہتا ہوں کہ انہیں اُس لذت کی خبر نہ ہو جو مجھے گالیاں کھانے میں ملتی ہے۔ ورنہ پھر وہ گالیاں بھی نہ دینگے۔

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس   اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

ہمارا کچھ قیام نہیں ہے ہم کوئی مذہب نہیں رکھتے ہیں اب دیر میں احرام باندھا ہے جو یہاں کے خلاف ہے کل کعبہ میں جائینگے وہاں ناقوس بجائینگے جو وہاں کے خلاف ہوگا۔

اُس قدح کا ہے دور مجھکو نقد   چرخ نے جس سے لی ہے گردش وام

مجھے اُس جام کا دور مفت ملتا ہے جس سے چرخ کو گردش تک قرض لی ہے یعنی آسمان جس جام کے لئے گردش میں ہے وہ مجھے مفت ملتی ہے۔

بوسہ دینے میں انکو ہے انکار   دل کے لینے میں جنکو تھا ابرام

جنھوں نے ضد کر کے مجھ سے دل لیا تھا وہ مجھے بوسہ دینے میں انکار کرتے ہیں۔

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے   کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

میں نے چھیڑنے کو اپنا نام غالب رکھا ہے تاکہ اُن کو اس نام پر غصہ آئے۔

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ   اے پری چہرہ پیک تیز خرام

اے چاند میں تو سب کچھ کہہ چکا اب تو کچھ کہہ بوجہ حسن کے پری اور بوجہ گردش کے چاند کو پیک تیز خرام کہا گیا۔

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا   ہیں مہ و مہر زہرہ و بہرام

تو مجھے یہ بتا کہ وہ کون ہے جسکے در پر چاند سورج زہرہ مریخ سب ادب سے سجدے کرتے ہیں

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن   نام شاہنشہ بلند مقام

لے اگر تو نہیں جانتا تو اُس بادہ شاہ عالی مقام کا میں نام بتاتا ہوں۔

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ   مظہر ذوالجلال والاکرام

میری آنکھ اور دل کا وہ قبلہ ہے اس لئے کہ وہ مظہر جلال واکرام ہے میری آنکھ کی امیدیں اوسی سے وابستہ ہیں اور میرے دل کا وہی مرجع ہے

شہسوار طریقہ انصاف   نو بہار حدیقۂ اسلام

طریق انصاف کا وہ شہسوار اور باغ اسلام کی تازہ بہار ہے۔

جسکا ہر فعل صورت اعجاز   جس کا ہر قول معنی الہام

جسکا ہر فعل معجزہ اور ہر قول الہام معلوم ہوتا ہے۔

بزم میں میزبان قیصر و جم　　رزم میں اوستاد رستم و سام

قیصر و جم اوسکے مہمان اور وہ میزبان ہے یہ اوسکی بزم آرائی ہے اور رزم و معرکہ میں رستم پہلتن اور سام زیمان کا اُستاد ہے۔

اے ترا لطف زندگی افزا　　اے ترا عہد فرخی فرجام

یہاں سے مدح سے خطاب کی طرف گریز کیا ہے۔ یعنی اے وہ شخص کہ تیری مہربانی سے زندگی بڑھتی ہے اور تیرا زمانہ ایک مبارک زمانہ ہے۔

چشم بد دور خسروانہ شکوہ　　لوحش اللہ عارفانہ کلام

تیری سیاست شاہانہ ہے اور ماشاء اللہ تیرا کلام عارفانہ کلام ہے۔

جان نثاروں میں تیرے قیصر روم　　جرعہ خواروں میں تیرے مرشد جام

قیصر روم ایسے عالی مرتبت تیری جان نثاروں میں ہیں اور مولانا جامی ایسے تصوف و معرفت میں تجھسے فیض حاصل کرتے ہیں

وارث ملک جانتے ہیں تجھے　　ایرج و تور و خسرو و بہرام

ایرج اور تور اور خسرو اور بہرام جو بڑی عالیشان بادشاہ ہوگذرے ہیں تجھے تخت و تاج کا صحیح وارث سمجھتے ہیں۔

زور بازو میں مانتے ہیں تجھے　　گیو و گودرز و بیژن و رہام

گیو گودرز بیژن اور رہام جیسے پہلتن پہلوان تیری زور بازو کو مانتے ہیں اور اُسکے قایل ہیں۔

مرحبا موشگافیٔ ناوک　　آفریں آبداری صمصام

تیرے ناوک کی موشگافی کا کیا کہنا اور تیری تیغ کی ابداری کی کیا بات ہے۔

تیر کو تیرے تیر غیر ہدف　　تیغ کو تیری تیغ خصم نیام

تیرا تیر غیر کے تیر کو بیندہ کر گذر جاتا ہے اور تیری تلوار دشمن کی تلوار کو کاٹ دیتی ہے یہ لف و نشر مرتب بھی ہے۔

رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند　　برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیل گران جسد کی صدا　　تیرے رخش سبک عناں کا خرام

تیرے تناور اور بڑے ہاتھی کی آواز نے رعد کا دم بند کر رکھا ہے اور تیرے گھوڑے کی چال برق کو آہستہ چلنے کا الزام دے رہی ہے۔ لف و نشر مرتب ہے اور اس انداز بیان کی تعریف غیر ممکن ہے۔

فن صورت گری میں تیرا گرز　　گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام

اسکے مضروب کے سر و تن سے　　کیوں نمایاں ہو صورت ادغام

اگر تیرا گرز گراں فن تصویر کشی میں قدرت نہیں رکھتا تو کیا وجہ ہے کہ اُسکے مضروب کے سر و جسم سے صورت ادغام ظاہر ہونے لگتی ہے۔ دونوں شعر دست و گریباں ہیں

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے　　صفحہائے لیالی و ایام

جب ازل میں دن رات کے صفحہ مرتب ہوئے جب دن رات پیدا کئے گئے یعنی جب دنیا پیدا ہوئی۔

اور ان اوراق میں بہ کلک قضا　　مجملاً مندرج ہوئے احکام

اور ان صفحوں میں بطریق مجمل کلک قضا نے احکام لکھے۔

لکھدیا شاہدوں کو عاشق کش　　لکھدیا عاشقوں کو دشمن کام

معشوقوں کے لئے یہ حکم لکھا گیا کہ یہ عاشقوں کا خون کیا کرینگے۔ اور عاشقوں کی

تقدیر میں یہ رقم ہوا کہ انکی زندگی نصیب دشمناں ہوگی۔

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں گنبدِ تیز گرد نیلی فام

آسماں کو یہ حکم ہوا کہ اسکو سب گنبد تیز گرد نیلی فام کہیں گے۔

حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دانہ اور زلف کو دام

یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھیں گے۔

آتش و آب و باد و خاک نے لی وضع سوز و نم و رم و آرام

آگ کو جلنے اور پانی کو نمی اور خاک کو آرام اور ہوا کو رم کی خاصیتیں عطا ہوئیں۔

مہر رخشاں کا نام خسرِ و روز ماہ تاباں کا اسم شحنۂ شام

آفتاب کو خسرِو روز اور ماہ تاباں کو شحنۂ شام کا خطاب دیا گیا۔

تیری توقیع سلطنت کو بھی دی بدستور صورت ارقام

حسب دستور تیرے فرمان سلطنت کے لئے بھی حکم لکھا گیا۔

کاتب حکم نے بموجب حکم اُس رقم کو دیا طراز دوام

کاتب قضا نے بموجب حکم کاتب تقدیر یا قسام ازل اُسپر ہمیشگی کا طغرا بنا دیا۔ کہ یہ دائمی رہیگی۔

ہے ازل سے روانیٔ آغاز ہو ابد تک رسائی انجام

یہ ازل سے جاری ہے اور خدا کرے کہ ابد تک اسکے انجام کی رسائی ہو۔

مصنف کا یہ قصیدہ زبان تمہید تشبیب وغیرہ کے لحاظ سے ایسا ہے کہ اسکے معاصرین میں کسی کے یہاں شاید نہ نکلے گا۔ اردو شاعری کے لئے مایہ ناز اور خلعت فخر مصنف کے لئے

صبحدم دروازہ خاور کھلا مہر عالمتاب کا منظر کھلا

صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کھلا یعنی صبح ہوئی۔ اور جہاں سے سورج نکلتا ہے وہ منظر صاف ہوگیا۔

خسرو انجم کے آیا صرف میں شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

رات کو موتیوں کا خزانہ کھلا ہوا تھا یعنی ستارے نکل رہے تھے اون کو سلطان خاور یعنی آفتاب نے خرچ کر ڈالا۔ یعنی ستارے چھپ گئے۔

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود صبح کو راز مہ و اختر کھلا

صبح کو یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ وہ مہ و اختر جو رات کو آسمانپر معلوم ہوتے تھے دراصل کچھ نہ تھے اک سیمیائی نمود تھی سیمیا ایک فن ہے جس سے کچھ چیزیں جنکا وجود کچھ نہو نظر آنے لگیں۔ اور وہ شکلیں عجیب و غریب ہوں۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

یہ ستارے اصل میں تو کچھ ہیں اور کچھ کے کچھ دکھائی دیتے ہیں۔ گویا یہ بازیگر ہیں جو کھلا دھوکہ دیتے ہیں یعنی یہ بہت نورانی معلوم ہوتے ہیں مگر اصل میں ایسے نہیں ہیں۔

سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

یعنی رات سطح آسمانپر ان کی چمک دمک ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے موتیوں کا زیور کھلا پڑا ہوتا ہے اور اسکی چمک دمک آدمی کو حیران اور بصارت کو ماند کر دیتی ہے۔

صبح آیا جانب مشرق نظر اک نگار آتشیں رخ سر کھلا

صبح کو ایک معشوق آتشیں رخسار سر کھلا ہوا مشرق کی جانب دکھائی دیا۔

تھی نظر بندی کیا جب ردِّ سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

مگر نہیں وہ ایک دہوکہ ہوا اور ہمنے سمجھ لیا کہ یہ کوئی معشوق نہیں ہے بیان جادو کا کارخانہ ہے لہذا کچھ اسمائے ردِ سحر پڑھے تو وہ صورت بدلی اور معلوم ہوا کہ یہ شراب سرخ کا بھرا ہوا پیالہ ہے۔

لاکے ساقی نے صبوحی کے لئے — رکھدیا ہی ایک جام زر کھلا

صبوحی وہ شراب جو دفع خمار کے لیئے صبح کو پیتے ہیں یعنی ساقی نے صبوحی کے لئے ایک جام زر شراب سے بھر کر رکھدیا ہے گویا یہ تیسرا دہوکہ ہوا پہلے معشوق آتشین رخسار دوسری بار ساغر پر از بادہ سرخ تیسری بار ساغر زر۔

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

یعنی جب صبح ہوئی تو بزم سلطانی آراستہ ہوئی اور دربار شاہی کا دروازہ کھل گیا۔

تاج زریں مہر تاباں سے سوا — خسرو آفاق کے منھ پر کھلا

شاہ جمجاہ کے سر پر تاج نے ایسی زینت دی کہ آفتاب عالمتاب بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا

شاہ روشندل بہادر شہ کہ ہی — راز ہستی اسپہ سر تا سر کھلا

اور وہ بادشاہ کون ہے شاہ روشندل بہادر شاہ جسکے ضمیر روشن پر اسرار جہاں کھلے ہوئے ہیں۔

وہ کہ جسکی صورت تکوین میں — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جسکے پیدا ہونے کے سبب سے نو آسمانوں اور ساتوں سیاروں کے پیدا ہونے کا مطلب ظاہر ہو گیا یعنی یہ سب اسی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔
اسمین بھی فارسی ترکیب میں اعلان نون ہے مصنف کے عندیہ میں یہ جائز ہی

اور غالباً زمانۂ غالب تک اس سے بہت کم لوگ پرہیز کرتے تھے اسی لئے مصنف نے بھی کئی جگہ بے پروائی کے ساتھ لکھا ہے چونکہ نظم صاحب نے جابجا لکھا ہے کہ ناجائز ہے لہذا ہم اپنے قول کی تائید میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں اتفاق سے پہلے شعر میں دو باتیں جن دونو پر نظم صاحب کے اعتراض ہیں ایک اعلان نون۔
دوسرے تسیر جسکی نسبت مولانا نے لکھا ہے کہ کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

جرأت — کیا لڑکپن کا ہی عالم اس بت نادان کا — بھولی بھولی صورت اور نسیرہ بالا کان کا
دبیر — صاحب دین محب شہ دلگیر ہے یہ — روح حیدر کی قسم عاشق تسیر ہے یہ
انشا — لالہ مراد شمن ہی آج اسپہ نہ کیجیے — کر دیجیے کسی مرد مسلماں پہ چھٹی
انشا — انشا کو معافی ہوئی ہی باغ جناں کی — حاضر ہی یہ لیجیئے شہ مردان کی چھٹی
ظفر — نہیں عشق عزیزوں سے سرخرو ہرگز — ہوئے ہیں ایسے لہو زیر آسمان سفید
ظفر — روز گھر غیروں کے رہنا تجھے مہمان طریق — یہ بھی کوئی ہی بھلا ای بت نادان طریق
وفا — کاہن تمام تابع فرمان ہو گئے — دفتر منجموں کے پریشان ہو گئے
قلندر — ذوق مے نوشی گلشن ہی نجانوں کسکو — کف سمین میں نرگس کے طلائی ہی ایاغ

وہ کہ جسکے ناخن تاویل سے — عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

احکام گویا عقدے ہیں اور اون کی تاویل ناخن ہیں۔ گویا انھوں نے احکام رسول کی تفسیریں کی ہیں۔

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اُسکے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

دارا باوجودیکہ بڑا بادشاہ تھا۔ مگر اُسکے سپاہیوں کی فہرست میں پہلے دارا ہی کا نام لکھا ہوا ہے۔

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہی چہرۂ قیصر کھلا

اسکے روشناسوں کی فہرست میں قیصر کا نام بھی ہے۔ نظم صاحب لکھتے ہیں کہ دونوں شعروںمیں دارا اور قیصر کی تخصیص بیجا ہے۔ معلوم نہیں اکس میں

کیا قباحت ہے اگر ایک نکرہ اور ایک معرفہ لکھا تو کیا گناہ مراد مبالغہ جاہ وحشم سے ہے سو وہ ہر حال میں موجود ہے۔

توسن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب — تو کہے بتخانۂ آذر کھلا

بادشاہ کے گھوڑے میں یہ خوبی ہے کہ جب وہ تھان سے کھلا اور سرگرم خرام ہوا تو اُس کے نقش پا سے ایسی ایسی دلفریب صورتیں بنیں گویا بت خانہ آذر کھل گیا۔

مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے — منصب مہر و مہ و محور کھلا

بادشاہ کے تربیت کے فیض سے مجھے سورج چاند محور وغیرہ کا حال معلوم ہو گیا۔ اور ان کے حقائق تک میں پہونچ سکا محور ایک لکیر ہے کہ قطبین کے کرہ کے درمیان میں ہے۔

لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک — میری حد وسع سے باہر کھلا

دل میں لاکھ عقدے تھے اور ہر ایک اُنمیں سے ایسا تھا کہ میرے کھولے کھل نہ سکتا تھا مگر اُسکے فیض سے ہر ایک کھل گیا۔

تھا دل وابستہ قفل بے کلید — کسنے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

میرا دل ایک قفل بے کلید تھا۔ مگر اب وہ کھل گیا نہیں معلوم کسنے کھولا اور یہ کب کھلا اور کیونکر کھلا۔

باغ معنی کی دکھادوں گا بہار — مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا

اگر حضور پر نور نے مجھ سے بے تکلفی کا برتاؤ کیا تو میں باغ معنی کی بہار اور شاعری کا لطف دکھا دوں گا۔

ہو جہاں گرم غزلخوانی نفس — لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

جسوقت میں غزل پڑھنی شروع کروں گا تو لوگوں کو گمان ہو گا کہیں عنبر کا ڈبہ کھلا ہے نفس سانس کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یعنی اُس نفس غزلخواں سے خوشبوئیں نکلیں گی۔

(غزل) بحر ۔

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا — کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہائے گوشۂ قفس میں اسطرح سے پر کھلا ہوا بیٹھا رہوں کاش پر کھلے تھے تو قفس کا دروازہ بھی کھلا ہوتا ورنہ اس حالت میں یہ کھلے ہوئے پر اور ستم کرتے ہیں۔

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے — یار کا دروازہ پاویں گر کھلا

اس شعر سے دو معنی نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ مصنف کہتا ہے۔ یار کا دروازہ کھلا ہوا دیکھکر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یوں تو گویا ہر ایک آدمی جا سکتا ہے نہیں لطف تو جب ہے کہ دوسروں کے لئے بند رہے اگر کھلے تو صرف ہمارے واسطے کھلے۔
دوسرے یہ کہ ہمکو اتنی تاب کہاں ہے کہ ہم دروازہ پر دستک دیں تب دروازہ کھلے یوں وہاں کون جائے ہم تو اس صورت سے جا سکتے ہیں کہ دروازہ کھلا ہوا پائیں۔

ہمکو ہے اس رازداری پر گھمنڈ — دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

ہم بھی کیا سادہ لوح ہیں اتنی ہی رازداری پر ہمکو ناز ہے کہ دشمن پر دوست کا راز کھلا ہوا ہے یعنی یہ ہم کسی سے نہیں کہتے اور اس سے خوش ہیں۔

واقعی دلپر بھلا لگتا تھا داغ — زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

داغ دلپر واقعی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب داغ نہیں ہے اب زخم ہے اور یہ اس سے بھی بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بہت خوب شعر کہا۔ ہے حسن ردیف قابل دید ہے۔

ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کمان — کب کمر سے غمزہ خنجر کھلا

یعنی اوسکی ابرو کمان ہی نہیں ہے بلکہ کماندار اور غمزہ خنجر ہی نہیں خنجر گداز ہے اور کبھی اِن دونوں نے اپنے کام سے غفلت نہیں کی۔

مفت کا کسکو بُرا ہے بدرقہ
رہبری میں پردۂ رہبر کھلا

یعنی رہبر کی ناواقفی کا حال ہمپر کھل گیا اور ہم سمجھ گئے کہ یہ ہماری منزل تک ہمکو نہیں پہونچا سکتا مگر مفت کا ساتھی کیا بُرا ہے۔

سوز دل کا کیا کرے باران اشک
آگ بھڑکی منھ اگر دم بھر کھلا

باران اشک کچھ نہ کچھ دلمیں ٹھنڈک پیدا ضرور کرتا ہے مگر اسکو کیا کرے کہ دم بھر بھی منھ تھمتا ہے تو سوز دل سے آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ
رہگیا خط میری چھاتی پر کھلا

کیا حسرت کا نقشہ کھینچا ہے کہ جسکی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ یعنی ہزاروں آرزوں لاکھوں تمناؤں کے بعد خط آیا مگر ساتھ ساتھ پیغام مرگ بھی آگیا اور خط پڑھنے بھی نہ پائے کہ مرگئے اور خط چھاتی پر کھلا رہگیا۔

دیکھیو غالب سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

دیکھنا غالب سے کوئی الجھ نہ بیٹھنا وہ ظاہر میں تو کافر ہے مگر دراصل ولی ہے۔ اور یہ دونوں صفات اوسمیں موجود ہیں پوشیدہ اور ظاہر میں خاص لطف ہے۔

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

یعنی غزل لکھنے کے بعد مدح کا خیال آیا اور اشعار تاباں مثل مہ و خورشید میرے قلم سے نکلے۔

خامہ نے پائی طبیعت سے مدد
بادباں بھی اُٹھتے ہی لنگر کھلا

ادہر قلم اُٹھایا اُدہر طبیعت نے اوسکی مدد کی جیسے بادبان اٹھتے ہی لنگر کھولدیا چونکہ کشتی میں بھی روانی ہوتی ہے اور طبیعت میں بھی روانی پائی جاتی ہے لہذا یہ الفاظ جمع کرگئے

مدح سے ممدوح کے دیکھے شکوہ
یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

جیسے عرض بغیر جوہر کے نہیں پایا جاتا ایسے ہی بغیر ممدوح مدح نہیں پائی جاتی کہتا ہے کہ عرض جوہر سے زینت پذیر ہوتا ہے لیکن مدح نے ممدوح کے شکوہ کو بڑھادیا گویا عرض جوہر سے بڑھ گیا۔

مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایت لشکر کھلا

بادشاہ کا یہ رعب داب ہے کہ اسکے رایت لشکر کو دیکھ کر سورج کانپ اُٹھا اور آسمان چکر کھا گیا۔

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوے پایۂ منبر کھلا

یعنے منبر کے رتبہ کا یہ سبب ہے کہ خطیب بادشاہ کا خطبہ پڑھنے کی حالت میں اوسپر کھڑا ہوکر بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

سکّہ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیار آبروئے زر کھلا

جو زر پر بادشاہ کا سکہ ہے یہ اوسکی آبرو کا سبب ہے لفظ عیار ایک نگینہ ہے اور روشناس ایک موتی قدرداں جوہری سمجھ سکتے ہیں۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
اب مآل سعی اسکندر کھلا

سکندر نے جو آئینہ کی ایجاد میں زحمت اٹھائی تھی اوسکا نتیجہ اب معلوم ہوا ہے کہ اوس آئینہ کو بادشاہ دیکھتے ہیں۔

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریب طغرل و سنجر کھلا

طغرل اور سنجر نے فریب سے بادشاہت کی تھی ورنہ دراصل وارث تخت و تاج میرا

ممدوح ہے یہ نہیں تھے اب سب کو انکا فریب معلوم ہوگیا۔

ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے — دفتر مدح جہاں داور کھلا

مجھسے اوسکی مدح کیا ہو سکتی ہے۔ دفتر مدح جہاں داور خالی ایک نام ہے کھلا اس شعر میں محض کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے جو اگرچہ بعض جگہ بولتے ہیں مگر کچھ غیر مانوس سا ہے

فکر اچھی پر ستایش ناتمام — عجز اعجاز ستایش گر کھلا

فکر مدح گستری میں اگرچہ سخنور نے اعجاز سے کام لیا۔ مگر اوسکی مدح بے پایان ہے پھر بھی ناتمام رہی۔

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل — تمپہ اے خاقان نام آور کھلا

مجھے یہ معلوم ہے کہ اے خاقان نام آور تمھیں تحریر لوح ازل کا حال سربسر معلوم ہے لہذا مجھے عرض حال کی ضرورت نہیں ہے۔

تم کرو صاحبقرانی جب تلک — ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

آپ تاقیامت صاحب قران رہیں صاحبقران بادشاہ عظیم الشان فاتح جلیل سے مراد ہے۔ اور اصطلاح اہل نجوم میں اسکو صاحبقران کہتے ہیں کہ جسکی سال ولادت میں زحل اور مشتری کا قران عظمٰے ہوا ہو واضح ہو کہ ایسا قران مدتوں میں واقع ہوتا ہے اور جسکی ولادت کے وقت زہرہ اور مشتری کا قران ہوتا ہے وہ صاحبقران بادشاہ ہوتا ہے۔

در صفت انبہ

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز — کیوں نہ کھولے در خزانہ راز

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز تو خزانہ راز کا دروازہ کیوں نہیں کھولتا۔ نظم صاحب نے لکھا ہے کہ تو حذف کر دیا ہے مگر یہ برا معلوم ہوتا ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس طرح

زیادہ بولتے ہیں کہ یہ کام کیوں نہ کرے اور تو کے ساتھ کم۔

خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا — شاخ گل کا ہے گل فشاں ہونا

خامہ جو صفحہ پر چلتا ہے اور اس سے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ گویا شاخ گل ہے جس سے پھول جھڑتے ہیں۔

مجھسے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے — نکتہائے خرد فزا لکھئے

ایدل تو مجھسے پوچھتا ہے کہ کیا لکھوں۔ کچھ خرد افزا نکتے لکھ۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے — خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے

کچھ ایسے مضامین لکھ جس میں آموں کا بیان ہو اور اس بیان شیریں کے اثر سے خامہ سے بھی شیریں مضامین نکلنے لگیں۔

آم کا کون مرد میداں ہے — ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

مگر آم کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ ورنہ ہمیں گو د ہمیں چوگاں جو چاہے آئے مقابلہ کرے ثمر کو گو۔ اور شاخ کو چوگاں سے تشبیہ دی ہے۔

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں — آئے یہ گوے اور یہ چوگاں

تاک اپنے دل میں ارماں کیوں رکھے آئے اور مقابلہ کرے تاک بمعنے انگور کی بیل۔

آم کے آگے پیش جائے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

مگر تاک کیا آم کا مقابلہ کر سکتا ہے اور کیا اس کا بس چل سکتا ہے۔ اسی سے جلکر اسکے دل میں پھپھولے پڑ گئے ہیں انگور کی تشبیہ پھپھولوں سے تشبیہ تام اور بے مثل ہے ممکن ہے کہ اردو شاعری میں اسکا جواب نہ نکلے۔

نہ چلا جب کسی طرح مقدور   بادۂ ناب بن گیا انگور

جب اور کسی طرح اس کا بس نہ چلا تو اسنے اپنے جلے پھپھولے اسطرح پھوڑے کہ شراب بن گیا۔

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے   شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مگر یہ مقابلہ بھی کوئی مقابلہ ہے یہ تو مجبوری درجہ اپنی جان کھو دینا۔ اور شرم سے پانی ہو جانا ہے سبحان اللہ سبحان اللہ کے سوائے ان کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

مجھسے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے   آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نظم صاحب نے گنّے کو آم سے مقابلہ کرنا۔ ایک ذلیل مضمون لکھا ہے۔ اور صرف اسکی وجہ اور باعث اگلے شعر کے مضمون کو لکھا ہے مگر اسکا سبب یہ نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ وجیہ یہ ہے کہ عوام اور دوسرے ملک کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہندوستاں میں دو میوے یا دو چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو نئی ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہوتیں۔ ایک آم۔ دوسرے گنا۔ گنّے کے ذکر کی یہی وجہ مصنف کے ذہن میں تھی جیساکہ سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے کہ کہتا ہے تم کیا جانو گنّے اور آم کا کیا مقابلہ مجھسے سنو۔

نہ گل اُسمیں نہ شاخ و برگ و بار   جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار

گنّے میں نہ پھول نہ پتے نہ ہری ہری شاخیں نہ پھل۔ اور اسپر طرہ یہ کہ دنیا بھر میں خزاں ہوتی ہے اور اسکی بہار۔ موسم سرما میں گنّے کی بہار ہوتی ہے اور وہ خزاں کا زمانہ ہے۔

اور دوڑایئے قیاس کہاں   جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

اور اسکی تعریف کے لئے کیا کہا جاے بس یہ سمجھ لیجیے کہ جان اگرچہ شیریں ہے مگر اسمیں بھی یہ مٹھاس نہیں ہے۔

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی   کوہکن باوجود غمگینی

اگر جان شیریں میں یہ مٹھاس ہوتی تو کوہکن باوجود اسکے کہ غم میں تھا اور حالت غمگینی میں جان دینا آسان ہے۔

جان دینے میں اسکو یکتا جان   پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اوس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ کوہکن جان دینے سے جی چراتا تھا۔ نہیں جان دینے میں تو وہ یکتا اور بےمثل تھا۔ مگر پھر بھی اس شیرینی کے لالچ سے اسس آسانی سے جان نہ دے سکتا۔ (جان دینے میں اوسکو یکتا جان) یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر   کہ دواخانۂ ازل میں مگر

مجھے اس ثمر کی نسبت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ازل کے دواخانہ میں۔ یہ ایک شربت بنایا گیا ہے۔

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام   شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

اور اس شربت کو آتش گل کی آنچ دی گئی ہے اور قوام میں جو تار بندھا ہے اوس کا نام ریشہ رکھا گیا ہے۔

یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے   باغبانوں نے باغ جنت سے

انگبیں کے بحکم رب الناس   بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس

یا یہ ہوگا کہ بحکم خداے عزوجل باغبانان جنت نے جنت سے یہ شہد کے گلاس بھر بھر دنیا میں بھیجے ہیں اور انپر مہر لگا دی ہے جو ڈنٹھل سے مراد ہے۔

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات   مدتوں تک دیا ہے آب حیات

یا یہ بھی نہو یوں ہو کہ خضر نے شاخ لگائی ہو اور مدتوں اُس کو آب حیات دیا ہو۔

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

جب اسقدر محنت کی گئی تب کہیں یہ درخت پھل لایا ہے ورنہ بھلا ہمارا یہ منھ تھا کہ ہم یہ درخت لگاتے۔ اور پھل کھاتے۔ نخل عام درختوں کو کہتے ہیں۔

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہاں بو باس

خسرو پرویز کے پاس ایک ترنج زر تھا رنگ میں وہ زرد تو ضرور تھا مگر اس میں بو باس نہ تھی۔

آم کو دیکھتا اگر اکبار — پھینک دیتا طلائے دست افشار

اگر خسرو آم کو دیکھ لیتا تو اُس ترنج کو پھینک دیتا۔ طلائے دست افشار خالص سونے کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ ترنج ہاتھ سے دبانے سے دب جاتا تھا ایسی واسطے اوسکو طلائے دست افشار کہا گیا ہے۔

رونق کارگاہ برگ و نوا — نازش دودمان آب و ہوا

کارگاہ برگ و نوا سے مراد درخت ہے۔ یعنی درختوں کی رونق۔ اور خاندان آب و ہوا کے لئے مایہ ناز آب و ہوا سے فصل بہار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا (دودمان آب و ہوا) باغ۔

رہرو راہ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

چونکہ ایک جگہ آم کو شہد جنت کہہ چکے ہیں اسواسطے رہرو راہ خلد کا توشہ کہا گیا۔ ایک حدیث ہے کہ جس پیٹ میں کلونجی اور شہد جائینگے اوسمیں آگ دوزخ کی نہ پہونچے گی۔ اسی لئے نزع کی حالت میں شہد چٹاتے ہیں۔ اور اس کا شربت وغیرہ دیتے ہیں۔ آم کے درخت کو طوبےٰ اور سدرہ کہا ہے۔

صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم

درخت آم کا صاحب برگ و بار ہے اور آم بہار کا ناز پروردہ ہے۔

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو — نو بر نخل باغ سلطاں ہو

اور خاصکر اوس آم کا کیا کہنا جو ہر جگہ دستیاب نہ ہو اور بادشاہی باغ کا ہو۔

وہ کہ ہے والیٔ ولایت عہد — عدل سے اُسکے ہے حمایت عہد

اور بادشاہ بھی کون بادشاہ جو بادشاہ ولایت عہد و پیمان ہے اور جو زمانہ کا حامی ہے

فخر دین عز شان و جاہ و جلال — زینت طینت و جمال و کمال

دین کے لئے باعث فخر و شان کے لئے عزت و جاہ و جلال علو پایہ کا نشان طینت کے لئے زینت اور کمال کے لئے خوبصورتی اور جمال ہیں۔

کار فرمائے دین و دولت و بخت — چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

دین دولت و بخت کا حکمراں تاج اور مسند اور تخت کے لئے زینت بخشنے والا ہے۔

سایہ اوسکا ہما کا سایہ ہے — خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اوسکا سایہ سایۂ ہما ہے گویا ہر شخص اُسکے زمانہ میں بادشاہ وقت ہے اوسکی مہربانی خدا کی مہربانی ہے کیونکہ وہ ظل اللہ ہے۔

اے مفیض وجود سایہ و نور — جب تلک ہے نمود سایہ نور

اسے نور اور سایہ کے فیض پہونچانے والے یعنی اے خدا۔ جب تک کہ دنیا میں سایہ اور نور کا وجود ہے۔

اس خداوند بندہ پرور کو　　وارث گنج و تخت و افسر کو

اوسوقت تک اس آقائے بندہ پرور و غلام نواز وارث تخت و تاج کو۔

شاد و دل شاد و شادماں رکھیو　　اور غالب پہ مہرباں رکھیو

پہلے مصرعہ میں جو الفاظ ہیں وہ سب ہم معنی ہیں۔ مگر ذرا ذرا سے تصرف سے لطف پیدا ہو گیا ہے لئے خدا اسکو خوش رکھنا اور مجھپر مہربان رکھنا۔

قطعات

اے شہنشاہ فلک منظر و بے مثل و نظیر　　اے جہاندار کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

اے وہ بادشاہ کہ تیرا دیکھنا گویا تیرے علو مرتبت کے آسماں کے دیکھنے کے برابر ہے۔ اور تیرا شبہ و نظیر پیدا نہیں ہوا۔ اے جہاندار تیرا شیوہ کرم گستری ہے۔ اور تو اس میں بے شبہ و عدیل ہے۔

پاؤں سے تیرے ملے فرق ارادت اورنگ　　فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکلیل

تیرے پاؤں سے تخت اپنے سر کو ملتا ہے اور تیرے سر سے تاج کسب سعادت کرتا ہے چونکہ تخت پاؤں کے نیچے ہوتا ہے لئے پہلے مصرعہ میں فرق ملنا کہا گیا۔

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام　　تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

تیرے انداز سخن سے زلف الہام میں شانہ ہوتا ہے یعنی الہام کی باتیں کھل جاتی ہیں۔ تیرے قلم کی جنبش گویا جبرئیل کے پر کی جنبش ہے جس سے الہامی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک جگہ کہا ہے۔ غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے۔

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم　　تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذل خلیل

تیرے قرب خداوندی کے دیکھنے سے گویا دنیا نے وہ رابطہ جو کلیم اللہ کو خداوند کریم سے تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تیری مہماں نوازی نے دنیا میں مائدۂ خلیل کی حالت پیدا کر دی

بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ　　بکرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

سخنوری میں تیری یہ کیفیت ہے کہ معنی اور لفظ کا تو نے مرتبہ بلند کر دیا۔ اور کرم میں تیری یہ حالت ہے کہ دریائے نیل اور قلزم کے ماتھے پر بخل کا داغ لگا دیا۔ یا ان کو غلام بنا لیا یعنی اونکا کرم تیرے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر　　تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے باہر جانا　　زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

اس لئے کہ تیرے وقت میں عیش و طرب کی زیادتی اور رنج و الم کی کمی ہو۔ ماہ نے برج ثور کو باہر جانا اور زہرہ نے حوت سے پھر جانا چھوڑ دیا اور وہیں قیام کر لیا۔ اور جب یہ دونوں ستارے ان برجوں میں آتے ہیں عیش و طرب کی زیادتی رہتی ہے

تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہین　　تیری بخشش مرے انجاح مقاصد کی کفیل

تیری دانشوری میری غلطیوں کی اصلاح اور تیری بخشش میری ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے تقابل الفاظ سے جو لطف پیدا ہوا ہے وہ قابل داد ہی نہیں ہے بلکہ اظہار کرتا ہے کہ مصنف کو الفاظ پر کسقدر زبردست قدرت حاصل ہے۔

تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید　　تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل

تیرا رحم کرنا میرے لئے نوید زندگی اور تیری غفلت مرے مرجانے کی دلیل ہے غفلت سے لیے حال سے غفلت مراد ہے۔

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھکو اماں　　چرخ کجباز نے چاہا کہ کرے مجھکو ذلیل

میرے مقدر نے چاہا تھا کہ مجھکو امن نہ دے اور آسماں نے میری ذلت کا قصد کر لیا تھا

پیچھے ڈالی ہے سر رشتۂ اوقات میں گانٹھ   پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل

یعنی آسماں نے میرے ساتھ وہ دشمنی کرنی شروع کی ہے کہ میرے کسی کام میں گرہ لگا دی ہے پہلے میرے ناخن تدبیر کو بے کار کر دیا ہے کہ میں اسکو کھول نہ سکوں۔

تپش دم نہیں بے رابطۂ خوف عظیم   کشش دم نہیں بے ضابطۂ جر ثقیل

میرے دل کی تڑپ بغیر خوف کے باقی نہیں رہی ہے۔ میرے دل میں حرکت بغیر خوف عظیم کے ہوتی ہی نہیں اور میرا دم لینا بغیر امداد جر ثقیل مشکل ہے۔
نظم صاحب نے اسکے معنی یہ لکھے ہیں کہ دل کی تپش خوف عظیم سے خالی نہیں اور سانس کا لینا میرے لئے جر ثقیل سے کم نہیں۔

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی   غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنبیل

جیسے لقا کی ڈاڑھی میں موتی پرو دئے گئے تھے ایسے ہی مرا سینہ معانی کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے اور دنیا کے غموں سے میرا سینہ عمرو عیار کی زنبیل بن گیا ہے۔

فکر میری گہر اندوز اشارات کثیر   کلک میری رقم آموز عبارات قلیل

میری فکر سے اشارات کثیر مترشح ہوتے ہیں اگرچہ میرے قلم نے عبارت کم لکھی ہے اور گویا یہی میری عادت ہے۔

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح   میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

میں ایک مبہم بات کہتا ہوں تو توضیح اسپر قربان ہوتی ہے میری مجمل بات سے تفصیل ٹپکتی ہے۔

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف   جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

اگر میری حالت اچھی ہوتی تو ابھی جس کام کے لئے تکلیف دی ہے تکلیف نہ دیتا اگر میں پریشان نہوتا تو جلدی نہ کرتا۔

قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر   کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

اے قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی اور ذرہ پروری میں یہ دیر اور عقدہ کشائی میں اتنی ڈھیل نہ چاہیے۔ عقدہ کشائی میں ڈھیل نہایت ہی اچھا ٹکڑا ہے جو تعریف سے بالا ہے۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری   کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

اب وہ زمانہ گیا کہ بغیر جانے بوجھے غیروں کی وفاداری کا حال آپ بیان کیا کرتے تھے اور ہم سنکر چپ ہو جاتے تھے۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ   قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

اب جب غیروں سے بگڑ گئی ہے تو آپ نے ہم سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ مگر یہ شرمندگی فضول ہے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم یہ بھی تو نہ کہیں گے کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں   اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اے ہمنشیں کلکتہ کا تو نے کیا ذکر کیا میرے سینہ میں اک تیر مار دیا اور مجھے یہ باتیں یاد آ گئیں۔

وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب   وہ نازنیں بتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے سبزے اور وہ وہاں کے خود آرا معشوق کہ بس ہائے ہائے

صبر آزما وہ اُنکی نگاہیں کہ حف نظر — طاقت ربا وہ اُنکا اشارا کہ ہائے ہائے

ہائے ہائے وہ انکی صبر آزما نگاہیں کہ بس چشم بد دور اور وہ ان کے طاقت ربا اشارے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ — وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

وہ وہاں کے تازے اور شیریں میوے اور وہ وہاں کی شرابیں۔ یہ سب سماں اسوقت آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

کلکتہ میں اگرچہ مرزا کا ایک ترکیب فارسی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے جھگڑا بھی ہو گیا تھا جسکی بدولت مرزا نے مثنوی باد مخالف لکھکر اون لوگوں سے دوستانہ معافی مانگی ہے اور اُن لوگوں نے اوس مثنوی کا بھی نام سنکر مذاق اڑایا تھا مگر ان سب صدموں نیز بھی شاید انہیں کلکتہ سے ایک غیر معمولی محبت ہو گئی تھی فارسی میں بھی کہتے ہیں سے

خوشا روز و شب کلکتہ و عیش مقیما نش — گور بز جہر و مگنائن بہادر ماہ تا بانش

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے سے جسقدر اچھا کہیے

مرزا نے اس قطعہ کی نسبت اردوئے معلےٰ میں لکھا ہے کہ مولوی کرم حسین میرے ایک دوست تھے اُنھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھکر مجھ سے کہا کہ اسکی تشبیہات نظم کیجئے۔ میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر ان کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر رکھی ہوئی ہے لہذا جسقدر اس ڈلی کو اچھا کہیں صحیح ہے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

قلم حیران ہے کہ اسے کیا لکھے اور زبان سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہے۔

مہر بازوئے عزیزانِ گرامی لکھیے — حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے

اپنے عزیزوں کے خط کی مہر لکھدیں تو بیجا نہیں یا معشوقوں کے بازو کا تعویذ کہدیں۔

مسی آلود سرِ انگشت حسیناں لکھیے — داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

معشوقوں کی مسی بھری پور کہئے یا عاشق کے جگر کا داغ کہئے۔

خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے — سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے

خاتم دست سلیماں کا مشابہ ٹھرائیے یا سر پستان پریزاد کہئے۔

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجئے — خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلا کہیے

یا قیس کا اختر سوختہ کہئے۔ یا رُخ دلکش لیلا کا خال کہئے۔

حجر الاسود دیوارِ حرم کیجئے فرض — نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے

حجر الاسود وہ پتھر جسے کعبہ میں بوسہ دیتے ہیں لکھئے یا نافہ بیابان ختن کہئے۔

وضع میں اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق — رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

اگر اسکو ہیئت کذائی ق تریاق کہئے تو رنگ میں مسیحا کا سبزہ نوخیز کہدیجئے سمجھئے کی میم ساکن اچھی نہیں ہے۔

صومعہ میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز — میکدہ میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

اگر میکدہ میں خشت خم صہبا ہے تو عبادت خانہ میں مہر نماز ہے۔ یہ عابدوں کی سجدہ گاہ اور وہ مستوں کا سنگ بالش۔ غرض دونوں جگہ برابر رتبہ ہے۔

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے — کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

اسے دروازہ خزانہ محبت کا قفل کیوں کہیں اسے نقطہ پرکار تمنا کیوں نہیں

کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجئے — کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئے

یہ کیا ضرورت ہے کہ اسے گوہر نایاب فرض کریں یا اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیں۔

کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلیٰ لکھئے — کیوں اسے نقش پئے ناقۂ سلمیٰ کہئے

اسے پیراہن لیلا کا تکمہ کیوں لکھیں اور سلما۔ جو ایک عرب کی معشوقہ تھی اوسکے ناقہ کا نقش قدم کیوں ٹھہرائیں۔

بندہ پرور کے کفدست کو دل کیجئے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

یہ سب کچھ نہ ٹھہرائیے بس بہترین تشبیہ یہ ہے کہ آپ کے کفدست کو دل اور اس چکنی ڈلی کو سویدائے دل کہیں۔

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

حضور نے جو مجھے بیسن کی روغنی روٹی بھیجی ہے اسکے عز و افتخار کو نہ پوچھ اگر بجائے گیہوں کھانے کے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی کھاتے تو بہشت سے باہر نہ نکالے جاتے۔ نہایت ہی خوب قطعہ کہا ہے۔

منظور ہے گزارش احوال واقعی — اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

مرزا جواں بخت جنکی ولیعہدی کے لئے بادشاہ خود کوشاں تھے اس موقعہ پر غالب مرحوم نے سہرا لکھکر نذر گزرانا جس کا مقطع یہ تھا۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں — دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

مقطع نے بادشاہ کو شک میں ڈالدیا۔ سمجھے کہ غالب نے ذوق پر چوٹ کی ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق کو سہرا دکھاکر دوسرا سہرا لکھوایا گیا۔ اور اس کے مقطع میں خصوصیت سے

مرزا کی طرف اشارا کیا ہے۔

جسکو دعوے ہو سخن کا یہ سنادو اسکو — دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

مشہور ہوا تو مقطع پر غالب کی بھی نظر پڑی اور یہ قطعہ بطور معذرت لکھکر بھیجا۔ کہ جو واقعہ ہے میں اُسکا اظہار کرنا چاہتا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ اپنا حسن طبیعت اور سخنوری کے جوہر دکھانے مقصود ہوں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

میرے باپ دادا ہمیشہ سے اہل سیف ہوئے ہیں مجھے شاعری سے کوئی عزت نہیں ملگئی ہے یا میں اسکو ذریعہ عزت بنانا نہیں چاہتا۔

آزاد رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں آزاد رو ہوں اور آزادوں کو کبھی کسی سے عداوت نہیں ہوتی۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

یہ بزرگی اور یہ عزت میرے لئے کیا کم ہے کہ ظفر کا غلام ہوں جاہ و منصب ثروت نہیں ہے تو بلا سے نہو مجھے پروا نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو یہ سب باتیں حاصل ہیں

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

بادشاہ کے استاد سے مجھے لڑائی کا خیال ہو۔ بھلا غلام بادشاہ ہوکر میری مجال ہو سکتی ہے۔

جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

آپ کا دل خود ایک جام جہاں نما ہے مجھے اپنے دعوے پر کسی گواہ یا قسم کی ضرورت نہیں ہے جیسا میں ہوں آپ کو معلوم ہے

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے

کہاں میں اور کہاں اردو کی شاعری میری تو اس سے محض اتنی غرض ہے کہ حضور کی خوشی کرتا رہوں ورنہ میں تو ایک فارسی گو شاعر ہوں۔

سہرا لکھا گیا زرہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

محض حضور کے حکم سے یہ سہرا لکھکر تعمیل فرمایش کی گئی ہے۔

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

مقطع میں محض ایک شاعرانہ تعلی اور دعوے ہے اس مقطع سے قطع محبت میری غرض نہیں ہے۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

اگر میں نے کسی پر چوٹ کی ہو تو خدا میرا دین دنیا میں منھ کالا کرے اور میں کیوں ایسا کرتا کوئی میں سودائی ہوں مجھے جنون ہے وحشت ہے۔ کیا ہے۔

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

میری تقدیر بری ہے مگر میری طبیعت کسی سے بری نہیں ہے اور اسکا شکر ہے کہ مجھے کسی سے اسکی شکایت نہیں ہے مصنف نے جن الفاظ سے معذرت کی ہے انکی تعریف نہیں ہو سکتی تمام الفاظ سے خودداری کا پہلو نکلتا ہے شعر سے ظاہر ہے کہ کہنے والا بدرجہ مجبوری یہ سب کچھ کہہ رہا ہے ورنہ وہ دوسروں سے خود کو اچھا نہیں تو کم نہیں سمجھتا۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

غالب میں اپنے قول میں سچا ہوں خدا میرا گواہ ہے اور یہ بات میں سچ کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہی نہیں ہے۔

یا یہ کہ میں سچ کہتا ہوں کیوں کہ مجھے جھوٹ کی عادت نہیں۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہ سہرا

اے نصیب تجھے خوش ہونا چاہیے کہ آج تیرے سر سہرا ہے کیونکہ تو شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ رہا ہے اگرچہ مصنف نے (سر سہرا) محاورہ استعمال کیا ہے مگر یہ کمی رہی کہ کس چیز کا سر سہرا ہے۔ ذوق مرحوم نے اس محاورہ کو پورا پورا نظم کیا پھر بھی ایجاد کا غالب کے سر سہرا ہے کیونکہ ایک موجد اور مقلد میں جو فرق ہے اسے سب جانتے ہیں۔ ذوق۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

کیا ہی اس چاند سی مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

اس چاند سے مکھڑے پر یہ سہرا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے گویا حسن دل افروز کے لئے سہرے نے زیور کا کام دیا اور سونے میں سہاگہ ہو گیا۔ زیور کا قافیہ غالب کا حصہ ہے ذوق مرحوم نے سہرے میں زیور کا قافیہ نہیں کہا مگر اسی مضمون کے کئی شعر کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔

وہ کہے صل علے یہ کہے سبحان اللہ
دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ اختر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدّھی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پر سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

یعنی اے طرف کلاہ یہ تیرے لئے زیبا ہے کہ تو سر پر چڑھے مگر ڈر یہ ہے کہ سہرا تیری جگہ نہ لے لے یہ قافیہ بھی ذوق نے نہیں کہا۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

دوسرا مصرعہ دلیل ہے پہلے دعوے کی ذوق نے بھی یہی مضمون اسطرح لکھا ہے

آج وہ دن ہے کہ لائے در انجم سے فلک
کشتی زر میں مہ نو کی لگا کر سہرا

یہ شعر غالب کے شعر سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا ہے رگ ابر گہربار سراسر سہرا

دولہا کے رخ پر جو گرمی کی وجہ سے پسینہ ٹپک رہا ہے تو اُسکے قطرے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ موتی ہیں اس صورت میں سہرا ابر گہربار بن گیا ہے ذوق مرحوم لکھتے ہیں -

روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھجائے رہگیا آن کے دامن کے برابر سہرا

یہ ایک بے ادبی تھی کہ قبا سے آگے بڑھجائے سہرا سواسطے قبا کی برابر آکر رہگیا آگے نہ بڑھا غالب نے یہ قافیہ بمثل کہا ہے + ذوق کے یہاں یہ قافیہ نہیں -

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

موتیوں کو اس بات پر اترانا نہ چاہیے کہ بس جو کچھ ہیں ہمیں ہیں نہیں بلکہ پھولوں کے سہرے کی بھی ضرورت ہے ذوق مرحوم

؎ بھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہار اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

پھول خوشی کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے پھر کوئی انکا سہرا کسطرح گوندھے ذوق

دہوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی گاویں مرغان نوا سنج نہ کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

ادہر رخ روشن چمک رہا ہے اور ادہر گوہر غلطاں پھر بھلا سہرے میں فروغ ماہ و اختر کیوں نہ پیدا ہو -

؎ وہ کہے صل علی یہ کہے سبحان اللہ دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

یہ ریشم کا تار نہیں ہے کہ گرانباری گوہر کی تاب ہی نہ لا سکے یہ رگ ابر بہار ہے اسکو سنبھال سکتا ہے ذوق کے یہاں تار کے دو شعر ہیں -

کثرت تار نظر سے ہیں تماشائیوں کے دم نظارہ ترے روئے نکو پہ سہرا

اور ایک وہ تار بارش والا شعر جو گذر چکا -

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بڑھکر سہرا

ہم غالب کے طرفدار نہیں ہیں سخن فہم ہیں دیکھیں الخ یعنی یہ سہرا لاجواب ہے -

؎ جسکو دعوی ہو سخن کا یہ سنا دو اسکو دیکھ اسطرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

دُرِ خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

اسمیں شاید ذوق مرحوم کا سہرا پورا نہیں لکھا جا سکا -

نصرۃ الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے تجھسے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

یعنی مجھے آپ سے جو اتنی عقیدت ہے وہ کیوں ہے اور ایسی آپ میں کیا بات ہے -

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

یعنی تو ایسا ہے کہ اگر رونق بخشنی چاہے تو ماہ و مہر کی بزم کی تیری ذات سے رونق ہے -

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

اور برعکس اسکے میں ایسا ہوں کہ اگر خود پر غور کروں تو مجھے خود سے خود نفرت ہوجاتی ہے یا ہوجائے اپنی اوقات سے نفرت ہونا نفیس ہے - اور میری اوقات سے مجھے نفرت ہونا غلط نہیں ہے -

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سر دست نسبت اک گونہ مرے دلکو ترے ہات سے ہے

چونکہ میں خستہ ہوں اور تو کریم ہے لہذا خدا خستگی کا بھلا کرے کہ مجھے اور تجھے

کیا نسبت ہے مگر تیرے دست کرم سے تو ضرور میرا تعلق ہے۔

ہات میں تیری رہے توسنِ دولت کی عنان   یہ دعا شام و سحر قاضیِ حاجات سے ہے

خدا کرے توسن دولت کی باگ ہمیشہ تیرے ہاتھ میں رہے۔ بس رات دن یہ دعا مانگتا ہوں

اگرچہ ہاتھ کا بغیر "ہ" ہے کی بھی قافیہ بات وغیرہ سے کیا گیا ہے مگر اچھا نہیں ہے۔

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا   گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے

تو سکندر ہے اور میرا تجھسے ملنے میں فخر ہے اگرچہ خضر کی ملاقات سے بھی مجھکو شرف ہے

خضر سلطان بہادر شاہ مغفور کے فرزند کا نام ہے جو غالب سے حسن عقیدت رکھتے تھے ایک جگہ

کہہ چکے ہیں۔

۵ خضر سلطاں کو رکھے خالق اکبر سرسبز   شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

یہاں ابہام ہے۔

اسپہ گذرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار   غالبِ خاک نشیں اہل خرابات سے ہے

تاکہ اسپر کوئی مکاری اور ریاکاری کا الزام نہ لگا سکے اسی لئے غالب نے خرابات نشینی اختیار کرلی ہے

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو   رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند

ممکن ہے کہ محرم کی عظمت و حرمت کی وجہ سے آخر ماہ صفر تک جناب مصنف شغل بادہ نوشی

سے اجتناب کرتے ہوں۔ اور اسی وجہ سے کہا ہو کہ چار شنبہ کو صفر کا مہینہ ختم ہو جائے گا

چلو باغ میں شراب کی ناند بھر کر رکھدیں۔

جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست   سبزہ کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

جو کوئی آئے وہ بیکر بد مست ہو کر گلگشت کرتا پھرے۔

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ   بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

غالب یہ کیا خرافات لکھ رہا ہے مجھے اب سوائے بادشاہ کی تعریف کے کوئی بات اچھی نہیں

معلوم ہوتی۔

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں   ہے جن کے آگے سیم و زر و مہر و ماہ ماند

بادشاہ کے یہاں سونے کے چھلّے بٹتے ہیں جنکے آگے چاند سورج وغیرہ ماند ہیں۔

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے   لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

یہ خیال کر لیجئے کہ یہ چھلے نہیں ہیں بلکہ چاند اور سورج درمیان سے خالی کر دئے ہیں اور

تقسیم ہو رہے ہیں سمجھئے ایک جگہ اور بھی بہ سکون میم لکھا ہے۔ یہ اگرچہ بفتح میم محاورۂ عوام میں

داخل ہے مگر بسکون بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اور مصنف کا لکھ دینا ہی سند ہے اسکے علاوہ

اس مصدر کے بہت سے صیغے بسکون میم ہیں۔

اے شاہ جہانگیر جہان بخش جہاندار   ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

اے بادشاہ جہانگیر۔ اور کریم منتظم تجھے غیب سے سو طرح کی بشارت ہیں۔ مراد ہے امداد سے

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو   تو وا کرے اُس عقدے کو سو بھی باشارت

جو عقدۂ دشوار کسی طرح نہ کھلے تو اُسکو اپنے اشارے سے کھولدیتا ہے۔

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر   گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

یعنی بغیر آب حیواں سے کلی کئے ہوئے خضر سوئے ادب سمجھکر ترا نام نہیں لیتا۔

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا   ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

آصف بن برخیا کو فخر تھا کہ میں سلیمان کا وزیر ہوں یعنی وزارت سلیمان باعث فخر تھی

مگر یہاں جو تیرا وزیر ہے وہ فخر سلیماں ہے۔ یہ بھی پہلو نکلتا ہے کہ اگر سلیمان تیری وزارت کریں

تو ان کے لئے یہ باعث فخر ثابت ہو۔

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی — ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تجھسے ارادت رکھنا گویا فرمانبرداریٔ خدائے عزوجل ہے۔ کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حاکم ہو اُسکی فرمانبرداری کرو۔ تیرا داغِ غلامی امارت کا فرمان ہے۔ گویا جو تیرا غلام ہے وہ امیر الامرا ہے۔

تو آب سے گر دفع کرے طاقتِ سیلان — تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی — باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

اگر تو پانی سے طاقت سیلان اور آگ سے حرارت دفع کردے تو پانی میں روانی اور آگ میں گرمی کا نام بھی باقی نہ رہے۔ دیکھئے سیلان کا نون اگر اعلان نہ کریں تو بُرا معلوم ہوتا ہے۔

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل — ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

اگرچہ میں مدح گستری اور شاعری میں کامل ہوں۔

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر — قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت

اگرچہ میرا کچھ شکایت کا ارادہ تھا مگر عبارت تیری شکایت میں لکھی نہیں جاتی لہذا مدح کو دعا ہی پر ختم کرتا ہوں۔

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں — نظارگیٔ صنعتِ حق اہلِ بصارت

آج نوروز کا دن ہے اور اسکی چہل دیکھنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔

تجھکو شرفِ مہرِ جہانتاب مبارک — غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

تجھکو شرف آفتاب (یعنی آفتاب کا برج حمل میں جانا) جس کا اثر خوشی و خرمی ہے مبارک ہو

اور غالب کو تیری خدمت میں حاضری مبارک ہو دوسرے شرف مہر جہانتاب سے یہ بھی معنی لئے جاسکتے ہیں کہ مثل آفتاب شرف مبارک ہو۔

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو — اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو — روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اگر کسی شخص کو افطار کی دست قدرت ہو تو اُسکے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ روزہ رکھے مگر جس کسی کے پاس روزہ کھول سکے کچھ کھانے کے لئے نہو ایسا آدمی اگر روزہ نہ کھائے تو ناچار اور کیا کرے۔

بالکل اسی مضمون کی رباعی فارسی میں آتشکدہ آذر میں میں نے دیکھی تھی نہ جانے کسکی تھی صرف ایک مصرع یاد رکھا ہے + اے روزہ برو ورنہ ترا خواہم خورد

اے شہنشاہِ آسمان اورنگ — اے جہاندارِ آفتاب آثار

اے وہ بادشاہ کہ تیرا تخت مثل آسمان کے ہے اور تیری حکومت تمام عالم پر مثل آفتاب کے ہے اس شعر میں صنعت براعت الاستہلال مصنف نے مدنظر رکھی ہے۔ براعت الاستہلال اُسکو کہتے ہیں کہ جو کچھ کتاب یا قصیدہ وغیرہ میں مضمون لکھنا ہو وہ پہلے ہی مصرع یا فقرہ میں ادا کردیا جائے چونکہ یہیں موہم سراپا شکایت ہے لہذا پہلے ہی سے آفتاب لائے۔

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں — تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار

میں ایک غریب گمنام گوشہ نشین اور دردمند غم والم ایام سے دل فگار تھا۔

تم نے مجھکو جو آبرو بخشی — ہوئی میری وہ گرمیٔ بازار

اپنے از راہِ ذرہ نوازی مجھکو جو آبرو بخشی تو مجھے وہ فیض حاصل ہوا میری وہ گرم بازاری ہوگئی۔

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز　　روشناسِ ثوابت و سیار

کہ مجھے ذرۂ ناچیز کو ہر کوئی پہچاننے اور جاننے لگا۔

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری　　ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

اگرچہ بے ہنری کی شرم سے میں اپنی نظر میں آپ اتنا ذلیل ہوں۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی　　جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

کہ اگر خود کو خاکی نژاد کہوں تو خاک کو بھی عار و ننگ آئے۔

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں　　بادشہ کا غلام کارگزار

مگر پھر بھی میں اپنے دل میں اس سے خوش ہوں کہ حضور کا ایک کارگزار غلام ہوں۔ اور یہ میرے منصب ہیں۔

خانہ زاد اور مرید اور مدّاح　　تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

میں غلام خانہ زاد ہوں حضور سے ارادت رکھتا ہوں حضور کا مداح ہوں۔ ہمیشہ عرائض نویسی میرے متعلق رہی۔

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر　　نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

اسکے بعد میں نوکر بھی ہو گیا اور حضور سے چار نسبتیں ہو گئیں۔

پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہیں　　ذوقِ آرایش سر و دستار

پیر و مرشد اگرچہ مجھے یہ شوق نہیں ہے کہ میں اپنے سر کو دستار سے آرایش دوں مگر۔

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر　　تا نہ دے بادِ زمہریر آزار

مگر پر بھی موسم سرما کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے بچنے کی کوئی تدبیر تو چاہیئے۔

کیوں نہ درکار ہو مجھے کوشش　　جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

مجھے لباس کی ضرورت کیوں نہ پڑے اگرچہ میرا جسم نحیف ہے مگر پھر بھی جسم تو ہے۔

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال　　کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار

میں نے اس سال میں کچھ نہیں بنایا۔ یعنی لباس سرمائی۔

رات کو آگ اور دن کو دھوپ　　بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

رات کو آگ تاپ کر اور دن کو دھوپ کھا کر گذارہ کرتا ہوں ایسے لیل و نہار بھاڑ میں جائیں

آگ تاپے کہاں تلک انسان　　دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار

بھلا آگ تاپ کر اور دھوپ کھا کر کبتک گذر ہو سکتی ہے اور آدمی کبتک ایسا کر سکتا ہے

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی　　وقنا ربنا عذاب النار

دھوپ کی تیزی اور آگ کی گرمی سے بس خدا بچائے۔ اس آیت نے حسنِ کلام اتنا بڑھا دیا ہے کہ جواب نہیں ہے۔

میری تنخواہ جو مقرر ہے　　اُسکے ملنے کا ہے عجب ہنجار

یہ نہیں ہے کہ حضور سے میری تنخواہ مقرر نہیں ہے نہیں ہے تو سہی مگر اُسکے ملنے کا عجب طریقہ ہے۔

رسم ہے مردہ کی چھماہی ایک　　خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

ایک مردہ کی چھ ماہی ہے کہ دنیا کا اسی پر دارومدار ہے۔ یعنی چھ ماہ میں ہوتی ہے۔

مجھکو دیکھو کہ ہوں بقید حیات　　اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

مجھکو دیکھئے تو زندہ ہوں اور چھ ماہی سال میں دو دفعہ ہوتی ہے۔ یعنی میں زندہ اور حالت مُردوں کی سی ہے۔

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینہ قرض　　اور رہتی ہے سود کی تکرار

چونکہ اسیوجہ سے ہر مہینہ قرض لیتا ہوں اور سود در سود بڑھتا رہتا ہے۔

میری تنخواہ میں تہائی کا　　ہو گیا ہے شریک ساہوکار

اسی سبب سے میری تہائی تنخواہ کا مالک ساہوکار ہو جاتا ہے یعنی تہائی تنخواہ سود میں چلی جاتی ہے۔

آج مجھ سا نہیں زمانہ میں　　شاعر نغز گوئے خوش گفتار

آج مجھ سا شاعر معنی آفریں اور جدت پسند دنیا میں نہیں ہے۔

رزم کی داستان اگر سنئے　　ہے زباں میری تیغ جوہر دار

اگر لڑائی کی داستان مجھ سے سنئے تو میری زبان تیغ جوہر دار کا کام کرتی ہے۔

بزم کا التزام گر کیجئے　　ہے قلم میری ابر گوہر بار

اور اگر بزم کی داستان مجھ سے لکھوائیے تو میرا قلم ابر گوہر بار بنکر انجمن آرائی کرتا ہے قلم کو مصنف بتذکیر و بتانیث دونوں طرح جائز سمجھتے تھے۔ مگر اکثر کا مذہب تذکیر لکھتا ہے۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد　　قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

اس حالت پر اگر مجھے داد سخن نہ دیجائے تو ظلم ہے اور مجھکو عزیز نہ رکھا جائے تو ستم ہے

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا　　آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

اگر آپ غلام ہوکر ننگا پھروں اور آپکا نوکر ہوکر قرض کھاؤں تو افسوس ہے یہ آپکے لئے بھی کسر شان کا باعث ہے۔

میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ　　تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

اس ششماہی تنخواہ ملنے نے جینے سے بیزار کر دیا ہے لہذا میری تنخواہ ماہ بماہ ملنے کا حکم کیجئے کہ مجھے اپنی زندگی دشوار نہو جائے۔

ختم کرتا ہوں اس دعا پہ کلام　　شاعری سے نہیں مجھے سروکار

مجھے شاعری سے کچھ مطلب نہیں یعنی شاعرانہ تصنع کو چھوڑ کر اس دعا پر اپنی عرض کو ختم کرتا ہوں۔

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یعنی آپ کی عمر اقبال و دولت ابد تک قائم رہے۔

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے　　جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

میں تیرہ بخت ہوں جو شخص فتح و ظفر کی تمنا کرے اوسکو میرا نام نہ لینا چاہیئے۔

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے　　کہ جو شریک ہے میرا شریک غالب ہے

کیونکہ میں وہ بدنصیب کم بخت ہوں کہ مجھے کبھی کسی پر غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ میرا جو کوئی شریک ہوا وہ شریک غالب رہا۔ یعنی جب میرا شریک ہوا تو وہ شریک غالب ہوا اور شریک غالب وہ ہے کہ جسکا حصہ زیادہ ہو۔

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی
مجھ پہ کیا گذریگی اتنے روز حاضر بن ہوے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوے

یعنی مسہل لینا تو سہل تھا مگر یہ بڑی دشواری ہے اتنے روز میں کیونکر حاضر نہوں گا۔ کیونکہ تین روز منضج کے تین مسہل کے تین تبریدوں کے اور تین دن مسہل سے بعد کے یہ سب بارہ روز ہیں۔ بارہ روز کی رخصت طلب کی ہے۔

خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ

انجمن سادئی میرزا کیا مبارک ہے کہ جسکے دیکھنے سے سب کو ایک لطف آیا ہے۔

ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادۂ سال عیسوی محظوظ

ایسے ہی مبارک سال میں یہ شادی ہوئی ہے لہذا مادۂ سال عیسوی محظوظ نکلا ہے جس سے ۱۸۵۴ء نکلتے ہیں۔

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید

جب مرزا جعفر کی شادی ہوئی تو بزم میں رقاصۂ فلک یعنی زہرہ کا ناچ ہوا یہ مبالغہ ہے۔

کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید

غالب سے اسکی تاریخ لکھنے کی فرمائش کی تو انشراح جشن جمشید اسکی تاریخ نکالی ۱۲۷۰ھ نکلتے ہیں۔

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

اگرچہ سب کے سب ایک ہی بادشاہ کے نوکر ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کو

جانتے بھی نہیں۔

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہوں کے سامنے رخسار و نیز ہاتھ لیجا کر کان تک لیجاتے اور دوسرے شخص کو واسطے سلام کرتے ہیں۔ گویا اس سے سلام کرنا مقصود نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ جب کسی واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہونچے ہیں تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ اک قدم استقبال

یعنی بچپن کا زمانہ گزرنیکے بعد جوانی آئی اور اب مرنے کے دن قریب آئے۔ جوانی میں سبزہ آغازی وغیرہ کیوجہ سے اُسے سواد اقلیم عدم کہا گیا۔ یعنی اس صورت میں سواد اقلیم عدم میں آگئے اے عمر گذشتہ تو عدم میں ہے اب تو ایک قدم ہمارے استقبال کیلئے چلی آ۔

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

رات کو مجھے اوسکی زلف اور اُسکے رخ عرق فشاں کا غم تھا اور اُس حالت کو بیان نہیں کر سکتا کچھ عجیب میری کیفیت تھی۔ ہزار آنکھ سے اسی خیال میں صبح تک روتا رہا۔ اور زلف و رخ کے خیال کیوجہ سے سیاہی اور سپیدی ملکر میرا ہر قطرۂ اشک چشم پرنم بن گیا تھا خوب رباعی کہی ہے۔

آتشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور سے حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

جیسے آتشبازی کا تماشہ ہوتا ہے ایسے ہی سوزِ دل کا حال ہے موجدِ عشق عجب آدمی تھا
ان کمسن معشوقوں کے لیئے کیا کھیل نکال گیا ہے یعنی یہ لوگ اس کو آتشبازی کا کھیل سمجھتے ہیں

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی بیتابیٔ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

پہلے ہم جان و دل رکھتے تھے اُس وقت درد بیتابیٔ رشک حسرت دید سبھی کو برداشت کیا
مگر اب ہم چونکہ ہمارے پاس جان و دل نہیں ہیں فسردہ ہوگئے ہیں۔ اے تجلیٔ حسن افسوس
تو ہماری اس فسردگی کو دیکھتی ہے۔ ہم مکرر اسی سوز و گداز کی تمنا کرتے ہیں مگر تو تکرار کو پسند
نہیں کرتی تو پھر ہم میں جان و دل پیدا کر اور نئے سر سے ہمیں پھونک دے جان درد تمہید
یعنی جس جان کی تمہید درد سے ہوئی تھی۔ اس ترکیب نے رباعی کو مشکل بنا دیا ہے۔

ہے خلقِ حسد قماش لڑنے کے لیئے وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیئے
یعنی ہر بار صورتِ باد ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیئے

تمام خلق حسد قماش ہے یعنی آمادہ حسد ہے اور لڑنے کے لیئے تیار رہتے ہے اور وحشت کدہ
کی اس لڑائی کے تلاش ہے گویا یہ پتنگ ہیں جب ملتے ہیں تو لڑنے ہی کے لیئے ملتے ہیں

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب منھ بند ہو گیا ہے گویا

میرا دل سخت رنجیدہ ہو گیا ہے اور گویا یہ اُس سے گلہ مند ہے مگر پھر بھی ہم اُسکے
سامنے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ گویا اُسکے سامنے منھ بند ہو گیا ہے۔

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

غالب دکھ میرے دلکو پسند ہو گیا ہے اور یہ اتنا گرفتہ ہو گیا ہے کہ گویا بند ہو گیا ہے یعنی
عاجز ہو گیا ہے۔ رات کو نیند نہیں آتی گویا نیند قسم ہو گئی ہے۔
رباعی کا دوسرا مصرعہ اکثر نسخوں میں رک رک کر بند ہو گیا الخ پایا جاتا ہے اور اس
صورت میں دو رکن بڑھتے ہیں مگر غالب کی نسبت غیر موزوں کہنے کی جرأت نہیں ہوتی
اور ہم اسکو سہو کاتب سمجھکر مصرع کو صحیح لکھنے کی جرأت کر گئے ہیں۔

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

چونکہ میرا کلام دقیق اور مشکل ہے اسی واسطے سخنوران کامل مجھسے سہل لکھنے کی
فرمایش کرتے ہیں مگر میں اُنسے کیا کہوں چوتھے مصرع کے کئی معنے ہیں ایک یہ ہے کہ اگر میں
مشکل شعر کہتا ہوں تو تو وہ مشکل ہے ہی اور اگر آساں بھی کہتا ہوں تو وہ بھی
مشکل ہے۔
دوسرے یہ کہ اپنا طریقہ بدل دوں تو مشکل نہ لکھوں تو مشکل۔ یا اُن لوگوں کو اسکا کوئی جواب
دوں تو مصیبت نہ دوں تو مصیبت غرض۔

؎ دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ۔

بھیجی ہے جو مجھکو شاہ جمجاہ نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

مجھکو جو بادشاہ نے یہ دال بھیجی ہے یہ عنایات شاہنشاہی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ شاہانہ دال بلا شبہ دین و دانش داد و دولت کی دال ہے اور یہ چاروں چیزیں اچھی ہیں۔ اور بھی معانی لطیف اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی بادشاہ نے ان سب سے کام لیکر مجھکو یہ بھیجی ہے۔ مولانا نظم جو پہلے مصرعہ کو بے معنی کہتے ہیں سبحان اللہ۔

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم   آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم   ہے اب کے شب قدر و دوالی باہم

ہمارے بادشاہ میں صفات جلال یعنی غضب و جمال یعنی رحم دونوں جمع ہیں۔ اس سے عالی اور اسفل کیوں نہ خوش ہوں کہ دوالی اور شب قدر دونوں ملی جلی ہیں۔ واضح ہو کہ چونکہ مصنف نے جلالی اور جمالی کا ذکر پہلے کیا ہے اسیواسطے دوالی اور شب قدر اور اسفل و اعلے لائے ہیں۔ کیونکہ شب قدر میں وظائف علوی۔ اور دوالی میں سفلی منتر جنتر پڑھے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ ہر فرقہ کے لئے اچھا ہے۔

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے   تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ   ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے

خدا بادشاہ کو قائم اور اسکی بقا سے خلق کو آباد رکھے کہ اگر وہ ہونگے تو دانش و داد کرینگے یہ سالگرہ کے موقع پر جو رشتہ عمر میں گرہ دیگئی ہے گرہ نہیں ہے بلکہ صفر ہے کہ اعداد کو زیادہ کرتا ہے جیسے ایک کو ۱۰۔ دس کو سو۔ سو کو ہزار۔

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا   اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں   ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

یعنی رشتہ عمر میں لاکھ تار ہوں بلکہ اس سے کچھ زیادہ اور پھر اتنے ہی برس گنے جائیں

اور اس میں ہر صدی کے بعد گرہ دینا فرض کیا جائے اور ایسی گرہیں ہزار گرہیں ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ گویا بادشاہ خواجہ خضر کی عمر کو پہونچیں۔

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں   عشاق کی پرسش سے اسے عار نہیں
جو ہات کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا   کیونکر مانوں کہ اسمیں تلوار نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ اب اسنے مردم آزاری چھوڑ دی اور وہ عشاق پر رحم کرنے لگا مگر جو ظلم سے اسنے ہاتھ روکا ہے اسمیں تلوار ہونا ضروری ہے کیونکہ ظلم کرتا تھا تو اسمیں تلوار ہوگی اور گو روک لیا ہے مگر اسمیں تلوار کا ہونا لازم ہے۔ مطلب یہ کہ اسکی ستم شعاری کی تصویر اب بھی نظر میں ہے۔

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے   کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ   وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

ہم اگرچہ امیدواروں کی طرح سلام کرتے ہیں مگر جن لوگوں کے ہاتھ میں کام کرنا ہے یعنی جو کام کر سکتے ہیں وہ دیر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا سے دعا کرو اور خدا سے التجا کرو اللہ اللہ وہ گویا خدائی کرتے ہیں۔ کیونکہ صبح و شام کرنا خدا کا کام ہے۔ اور وہ بھی لیت و لعل میں صبح و شام کرتے ہیں۔ گویا یہ کہنے سے کہ خدا سے کہو ان کا کچھ اور ہی مقصد ہے

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں   آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن   خسخانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

کھانے اور سونے اور آرام کے اسباب مجھے نہیں ملتے ورنہ روزہ کو فرض میں بھی سمجھتا ہوں اگر یہ سامان ملیں تو پھر عمل بھی کروں۔

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے   بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے

گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار — فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے جو سیم کے بیج خاصہ میں مجھکو بھیجے ہیں ان کی حقیقت کو کوئی کیا جانے یہ فیروزہ کی تسبیح کے دانے ہیں کہ جسے ہم پڑھ ہیں اور بادشاہ جم جاہ کو دعائیں دیں۔

دبیر الملک نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں غالب

منصور فرقۂ علی اللھیاں منم
آوازۂ انا اسد اللہ بر افگنم

سنہ ۱۷۹۶ء دنیا کے یادگار سنین میں سے ہے جسمیں کاشانۂ ادب اردو میں ایک ایسی شمع روشن ہوئی جسکے بجھ جانے پر بھی آج زمانہ میں ویسی ہی روشنی پھیلی ہوئی ہے جیسی اوسکی حیات تک تھی یعنی یہی وہ سن تھا جسمیں فخر اساتذہ متقدمین و متاخرین مرزا اسد اللہ غالب مرحوم نے عرصۂ ہستی میں قدم رکھا۔

مرزا مرحوم کا سلسلہ نسب افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے شاہ عالم کے عہد میں مرزا مرحوم کے دادا نے اپنے وطن مالوفہ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہکر دار السلطنت دہلی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی۔ اور عرصہ تک مسند عزت و اقبال پر جلوہ گر رہے آخر زمانہ نے وہ کروٹ بدلی کہ دلی دلی نہ رہی چند ہی روز میں نہ عزت دینے والے رہے نہ پانیوالے۔ مرزا مرحوم کے پدر بزرگوار عبد اللہ خاں نے بھی وطن عزیز کو چھوڑ کر نواب آصف الدولہ بہادر شاہ اودھ کے دربار میں لکھنؤ پہونچے مگر زمانہ برسر جنگ تھا یہاں بھی قدم نہ جمے نواب نظام علیخان بہادر حیدرابادی کی ملازمت کی۔ مگر وہی آسمان سر پر تھا یہاں کی زمین کا ذرہ ذرہ بھی دشمنی پر آمادہ ہو گیا آخر راجہ بختاور سنگھ والی الور کے یہاں پہونچے اور یہیں آکر لڑائی میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔

مرزا غالب اب ایک یتیم بچہ کی طرح اپنے چچا نصر اللہ بیگ صوبہ دار اکبر آباد کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے زمانہ کی دورنگی نے پھر ایک رنگ دکھایا مرزا کے سر سے یکایک چچا کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا اسپر بھی اگرچہ دراثتاً مرزا کو سب کچھ ملا مگر انکی تقدیر میں تو

صرف ملک سخن کی حکومت تھی وہی ملی اور وہی کام آئی گو ظاہری دولت دنیا نہ تھی مگر پھر بھی خوشحال رہکر زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر تنگ حالی نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اسکے لئے جا بجا کے سفر کئے اور آخر کار دلی کو اپنا مامن و ماوا بنا کر یہیں آرہے مرزا دلی میں خوش و نا خوش گذران کر رہے تھے کہ یکایک زمانہ نے پھر غداری شروع کی اور مرزا کو رام پور کو جانا پڑا یہاں سو روپیہ تنخواہ اور سو روپیہ ضیافت کے طریقہ پر ملتے رہے مگر دلی ایسی چیز نہ تھی جسے مرزا اتنا سستا بیچ دیتے پھر دلی آئے۔ اور آخر عمر میں تقدیر نے پلٹا کھایا تو پنشن سرکاری بھی جاری ہو گئی آخر سنہ ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ میں جہان فانی کو خیرباد کہا۔

مرزا غالب کی شاعری

مرزا کے شاعرانہ حالات یا اونکی شاعری پر تنقید لکھنا کچھ معمولی بات نہیں ہے اور نہ اس مختصر خاکہ میں اوسکی گنجایش ہو سکتی ہے بقول فیضی۔

توحید تو نیست بر قلم حیست — ایواں بہ بزرگی و ستون شست

اسکے سوائے انکے کلام پر ملک کے صدہا موقر اور معزز لوگوں نے قلم اٹھائے ہیں میں کیا اور میری ناچیز رائے کیا۔

پھر بھی یہ لکھے بغیر مجھے چین نہیں آیا کہ غالب مرحوم کا کلام جس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اون کے کلام مین جو بات پائی جاتی ہے ہندوستان کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں بہ مشکل بھی یہ باتیں نہیں مل سکتیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غالب مرحوم کے یہاں صرف گرانقدر الفاظ ملتے ہیں باقی اور کچھ نہیں۔ یہ خیال اونھیں تک محدود ہے میرے خیال میں مرزا الفاظ و معانی کے بہترین اندازہ کرنے والوں میں سے ہیں وہ جیسے خیال کو پیش کرتے ہیں اسکے لئے ویسے ہی الفاظ بھی لاتے ہیں۔ وہ نہ صرف ادق خیال اور ادق الفاظ پر قادر ہیں بلکہ وہ زبان کے لئے بھی ویسے ہی سرمایہ ناز شاعر ہیں۔ اور اُن کی وہ غزلیں جنھیں سہل ممتنع کہا جا سکتا ہے آج اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

چند خیال جنکو اکثر نے شاعری کی جان بتایا ہے گویا وہ خاص غالب کا حصہ ہے وہ اگرچہ ایسے مضمون بھی لکھتے ہیں جس تک عام اذہان کی رسائی محال ہے۔ مگر اکثر ایسے خیال بھی وہ پیش کرتے ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں مگر غالب نے اون کے طرز ادا کو دنیا سے علیحدہ کر دکھایا

اور اسی لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ خیال دنیا میں اور کہیں نہیں اگر ہیں تو غالب ہی کے یہاں ہیں۔ غالب نے اردو کی جن زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں جن ردیف و قوافی کو اُنھوں نے انتخاب کیا ہے اُن میں بھی ایک خاص بات ہے۔ کوئی کہنے والا اگر اُن ہی زمینوں میں کچھ لکھے گا تو ہرگز ہرگز ناکام نہیں رہ سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ ایسے مضمون اُسکے ہاتھ بھی آجائینگے جو دل خوش کن ثابت ہوں گے۔ غالب صرف غزل کے لئے ہی منتخب اور برگزیدہ نہیں ہیں بلکہ اون کے قصاید بھی اونکی شان کیموافق ہیں۔ میں یہاں فارسی کلام سے بحث نہیں کرتا اردو کے قصاید بھی اُنکے جس رنگ میں ہیں وہ اُن کا خاص حصہ ہیں۔

اگرچہ قصیدہ گوئی میں ذوق اور سودا منتخب اور برگزیدہ ہیں اور لوگ یہ کہینگے کہ جو اُن کے یہاں رنگ ہے وہ غالب کے یہاں نہیں مگر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ جو غالب کے یہاں ہے وہ اُنکے یہاں نہیں۔ کاش مجھے وقت ملتا تو میں تنقید کر کے دکھاتا کہ غالب اور ذوق کے قصاید میں کیا فرق ہے مرزا غالب نثر کی حیثیت سے ایک طرز خاص کے موجد تھے جس کا جواب بمشکل مل سکتا ہے آج بھی بہت سے اُس رنگ پر چلتے ہیں مگر ٹھوکریں کہانے کے سواے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا۔

مرزا کے حالات طبعی

مرزا ہنس مکھ خوش مزاج زندہ دل بذلہ سنج آدمی تھے اپنے شاگردوں سے ہمیشہ دوستانہ عنایات اور خلاق سے پیش آتے تھے۔ اُنکے خطوط دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ وہ صابر نہ تھے مصیبت سے گھبرا اُٹھتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس شخص نے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ہو اوسے ایک تنکا بھی مصیبت پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ "حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف" کی بمنزلہ گھبرا اُٹھتا ہے مرزا اہل تشیع سے تھے مگر اُن کا تمام خاندان سنی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے تھے چونکہ غالب کے دوست اور عزیز سنی تھے لہذا کوئی اون کو مشکل سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ شیعہ ہیں

مرزا غالب کی تصانیف

فارسی میں۔ مہر نیمروز۔ تاریخ میں۔ قصاید حمد و نعت۔ پنج آہنگ انشا پردازان فارسی کے لئے دیوان فارسی۔ قاطع برہان۔ یادرفش کادیانی۔ نامہ غالب۔ دستنبو۔ سبد حسین ہیں اردو میں اردوے معلے یعنی مرزا کے خطوط۔ تیغ تیز۔ ساطع برہان کے چند آخری ورق لطایف غیبی جو سیف الحق کے نام سے چھپی ہے۔

مرزا غالب کے مشہور شاگردوں میں تفتہ۔ حالی۔ مجروح۔ ادیب۔ ذکی وغیرہ ہیں۔

معذرت۔ یہ کوئی مکمل سوانح عمری نہیں ہے بلکہ قارئین کیلئے غالب کے حالات کا ایک مختصر خاکہ ہے۔

تمام شد

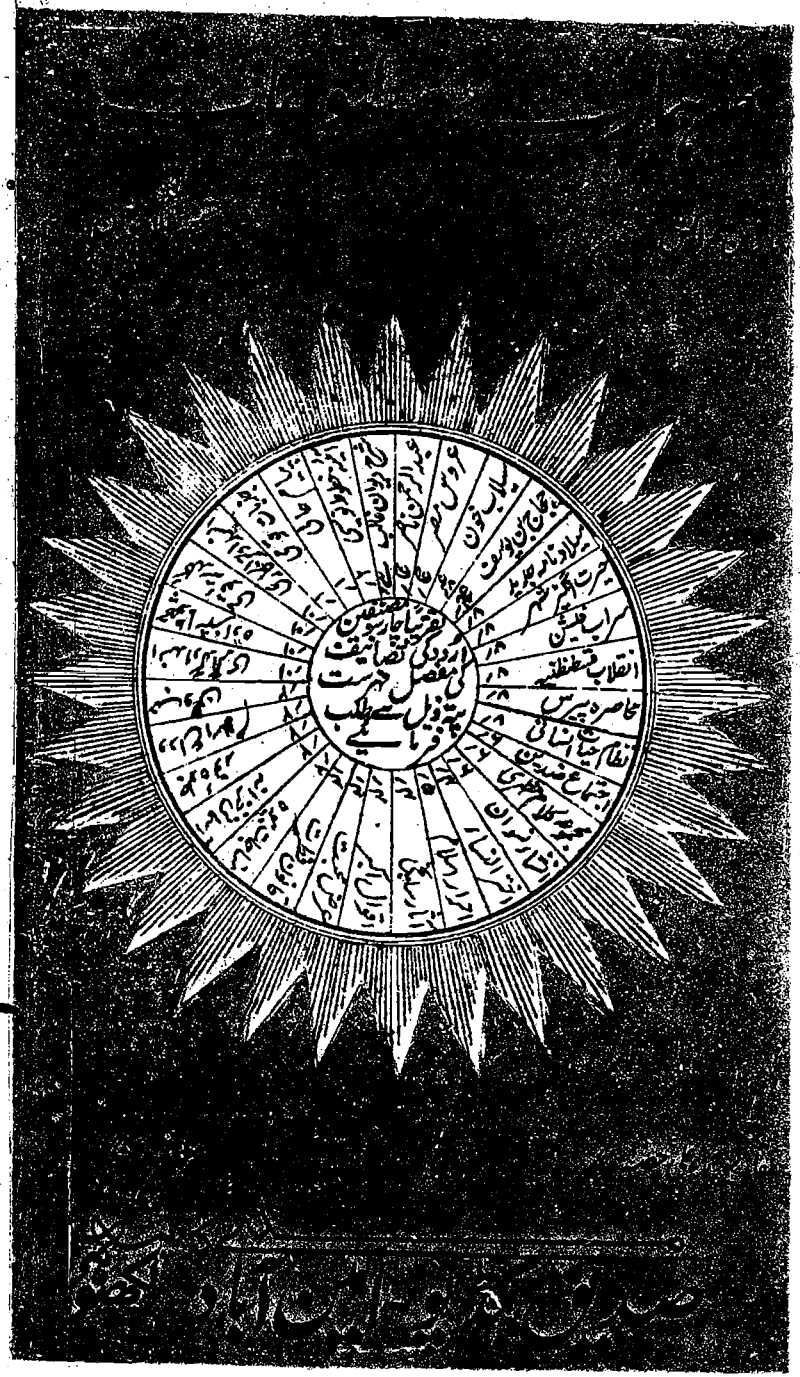

اردو کی
تصانیف
کی مفصل فہرست
پتہ ذیل سے طلب
فرمائیے